تاریخ اسلام

حصہ پنجم

شاہ معین الدین ندویؒ

آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک

اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ

©2002-2006

ابو جعفر منصور بن مست رشد الملقب بہ راشد باللہ

(۵۲۹ھ۔۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۴ء۔۱۱۳۵ء)

مسترشد اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو جعفر منصور الملقب بہ راشد کی ولی عہدی کی بیعت لے چکا تھا۔ اس کے قتل کے بعد راشد کی بیعت خلافت ہوئی۔ اکیس خلفاء زادوں نے بیعت کی اور رمضان ۵۲۹ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کا بیسواں سال تھا۔

وبیس کا قتل: وبیس کی فتنہ انگیزی سے گذشتہ خلفاء اور سلجوقی سلاطین سب تنگ تھے۔ گو اس میں اور سلطان مسعود میں صلح ہو گئی تھی' لیکن سلطان کو اس پر اعتماد نہ تھا' چنانچہ ایک مرتبہ جب سلطان سے ملنے گیا۔ سلطان نے موقع پا کر اس کو قتل کرا دیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۳) وبیس کے قتل کے بعد اس کی فوج اس کے لڑکے صدقہ کے پاس جمع ہو گئی۔ سلطان نے اس پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر دونوں میں صلح ہو گئی۔ **سلجوقی شحنہ اور اہل بغداد میں جنگ:** راشد کی تخت نشینی کے بعد ہی اس میں اور سلطان مسعود میں مخالفت شروع ہو گئی۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے شرائط صلح کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی۔ ۵۳۰ھ میں سلطان مسعود نے اس کی وصولی کے لیے برنقش زکوی کو بغداد بھیجا۔ مسترشد کی گرفتاری کے وقت خزانہ لٹ چکا تھا' لیکن برنقش کو اس کا یقین نہ تھا۔ اس نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا۔ راشد اس میں مزاحم ہوا۔ برنقش اور بغداد کے سلجوقی شحنہ بک آبہ نے مل کر قیصر خلافت پر حملہ کر دیا' لیکن عباسی فوجوں نے انہیں پسپا کر دیا۔ وہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد بغداد کے عوام نے قصر سلطانی کو لوٹ لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۴) مسترشد اور سلطان کے درمیان جو واقعات پیش آئے تھے۔ اسی کے اثر سے راشد سلطانی سے کشیدہ تھا۔ قصر خلافت پر حملہ نے اس کو زیادہ برہم کر دیا اور وہ مسعود سے مسترشد کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

سلطان مسعود اور سلجوقی امراء میں مخالفت: اتفاق سے اسی زمانہ میں چند سلجوقی امراء سلطان مسعود کو چھوڑ کر راشد سے مل گئے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ امیر برنقش بازوار سلطان پر بہت حاوی تھا۔ اس کے سامنے اور کسی امیر کا چراغ نہ جلتا تھا۔ اس کے اقتدار کو دیکھ کر ایک اور ممتاز امیر قراسنقر نے سلطان کی بیوی کو ہدایا وتحائف دے کر اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش کی۔ ملکہ سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی۔ اس لیے برنقش زکوی کو سلطان کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا۔ طغرل کے دور میں متعدد امراء برسقی، قزل، امیر آخر، سنقر اور حیدر وغیرہ جو سلطان مسعود سے خوفزدہ تھے، برنقش کے ساتھ ہو گئے اور وہ انہیں لے کر سلطان سے الگ ہو گیا۔ سلطان نے ان پر فوج کشی کر کے شکست دی اور طغرل کے بہت سے امراء کو گرفتار کر لیا گیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۰) اس شکست سے برنقش بازوار کی مخالفت اور بڑھ گئی اور وہ راشد کے پاس بغداد چلا گیا اور عمادالدین زنگی، برنقش کبیر والی اصفہان، صدقہ بن وبیس، ابن برسق اور ابن احمدیلی وغیرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ مسعود کا داماد اور بھتیجا داؤد والی آذربائیجان پہنچ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۴) راشد کے دل میں پہلے سے سلطان سے انتقام لینے کے جذبات پرورش پا رہے تھے۔ ان امراء نے اس کو زیادہ آمادہ کر لیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۲، ص ۲۶)

سلطان مسعود اور راشد کی مخالفت: ان امراء میں عمادالدین زنگی اور داؤد کی شخصیت زیادہ اہم تھی۔ داؤد سلطان محمود کا لڑکا اور سلجوقی تخت کا اصل وارث تھا اور عمادالدین اپنی شجاعت و ناموری کی بنا پر امراء میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ راشد نے ان دونوں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر بغداد میں سلطان مسعود کا خطبہ بند کر کے داؤد کا خطبہ جاری کر دیا اور عمادالدین کو دو لاکھ دینار فوجی انتظامات کے لیے عطا کیے۔ اس نے خراسان جا کر ضروری انتظامات کیے۔ بغداد میں خود راشد نے تیاریاں کیں۔ مسعود کو اس کا علم ہوا، تو اس نے قاصد بھیج کر راشد کو راضی کرنے کی کوشش

کی۔اس نے امراء سے مشورہ کیا۔ان سب نے مخالفت کی اور مسعود کا قاصد ناکام واپس گیا۔(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴) بغداد پر سلطان کی فوج کشی: اس کوشش میں ناکامی کے بعد مسعود نے بغداد پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کرلیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور دو مہینے کے بعد لوٹ گیا۔چند دنوں کے بعد امیر طرنطائے والی واسط کی مدد سے دوبارہ فوج کشی کی۔راشد بھی مقابلہ کے لیے نکلا۔اس مرتبہ اس کے مددگار امراء میں پھوٹ پڑ گئی۔انہوں نے اپنا اپنا راستہ لیا۔صرف عمادالدین زنگی ساتھ رہ گیا۔راشد اس کے ساتھ موصل چلا گیا اور ذیقعدہ ۵۲۰ھ میں بغداد پر سلطان کا قبضہ ہوگیا۔بغداد میں داخلہ کے بعد اس نے یہاں کے علماء وفقہاء اور قضاۃ وشہود کو جمع کر کے ان کے سامنے راشد کا ایک تحریری حلف نامہ' جو اس کے اور راشد کے درمیان ہوا تھا' پیش کیا۔جس میں اس نے اقرار کیا تھا کہ اگر میں کسی وقت بھی فوجی اجتماع کروں یا بغداد سے باہر نکلوں یا وابستگان سلطانی پر تلوار اٹھاؤں تو معزول سمجھا جاؤں۔یہ حلف نامہ دیکھ کر فقہاء نے معزولی کا فتویٰ دے دیا۔(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴)

راشد کی معزولی: دوسری روایت یہ ہے کہ مسعود نے راشد کے مظالم' غصب اموال' خونریزی' شراب نوشی کا ثبوت فراہم کر کے علماء سے استفسار کیا کہ جس شخص میں یہ عیوب پائے جاتے ہوں' کیا اس کی امامت جائز ہے؟ اور فسق کے ثبوت کے بعد سلطان وقت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ایسے شخص کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنائے اور قاضی بغداد ابو طاہر بن کرخی کے سامنے راشد کے فسق کی شہادتیں پیش کر کے ان سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کیا اور ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں اس کو معزول کر دیا۔اس کی مدت خلافت گیارہ مہینے تھی۔راشد کو مسترشد کے اوصاف سے کوئی مناسبت نہ تھی' لیکن وہ ان سے یکسر محروم بھی نہ تھا۔سیوطی کا بیان ہے کہ راشد فصیح وبلیغ تھا۔ادیب وشاعر تھا۔شجاع وبہادر تھا' فیاض وسیر چشم تھا' نیک سیرت تھا' برائیوں کو ناپسند کرتا تھا۔(تاریخ الخلفاء ص ۲۴۶) سلطان مسعود کے محضر اور اس کی

پیش کردہ شہادتوں سے راشد کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ مسعود اور راشد کی مخالفت، راشد کی شجاعت و حوصلہ مندی کا ثبوت ہے۔ کوئی معمولی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ سلطان کی مخالفت کی جرات نہ کر سکتا تھا، اور نہ سلطان کو کسی بے ضرر خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت پیش آتی، پھر سلاطین کو خلفاء کی دینی و اخلاقی حیثیت سے بحث ہی نہ تھی۔ وہ صرف اپنے مصالح کی بنا پر ان کے سیاسی حالات پر نگاہ رکھتے تھے اور خلافت کی اہلیت و نااہلیت کے بارے میں ان کا معیار سیاست تھا نہ کہ مذہب۔ مسترشد کے ساتھ جو مسلمہ طور پر بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا، سلطان مسعود نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ باقی سلطان مسعود جیسے بادشاہ کے لیے راشد کے خلاف شہادتیں فراہم کر لینا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ راشد کو کل دس گیارہ مہینے حکومت کا موقع ملا۔ اس قلیل مدت میں وہ عقلاً بھی اتنی بے عنوانیاں نہیں کر سکتا تھا۔

ابوعبداللہ محمد بن مستظہر الملقب بہ مقتضی لامر اللہ

(۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۰ء)

راشد کی معزولی کا واقعہ بالکل غیر متوقع پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ سلطان مسعود نے اس کی معزولی کے بعد امراء کے مشورہ سے اس کے چچا ابوعبداللہ محمد بن مستظہر کو' جو خاندان میں سب سے ممتاز تھا۔ عہد و پیمان لے کر خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے کے حقوق کے فرائض کی بھی تعین کر دی۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۷) سلطان کو مسترشد اور راشد کی آزادی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے آئندہ اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لیے یہ شرط بھی کر لی کہ ابوعبداللہ دارالخلافہ میں سفر اور نقل و حرکت کا کوئی سامان نہ رکھے گا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۲' ص ۳۷) ذوالحجہ ۵۳۰ھ میں ابوعبداللہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مقتضی لامر اللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت چالیس سال کی عمر تھی۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مسعود نے دارالخلافہ کے تمام جانوروں' اثاث البیت' طلائی و نقرئی سامانوں' خیمہ و خرگاہ' سراپردہ شاہی وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چار گھوڑوں' آٹھ خچروں اور مقتضی کے خاصہ کے علاوہ کوئی چیز اس کے پاس نہ رہنے دی۔ پھر چند دنوں کے بعد اس سے ایک لاکھ دینار کا مطالبہ کیا۔ مقتضی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہارا یہ مطالبہ کس قدر حیرت انگیز ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ مسترشد تمہارے مقابلہ میں جاتے وقت خزانہ لیتا گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو پیش آیا وہ معلوم ہے۔ اس سے جو بچ رہا تھا وہ راشد ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا حشر بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد دارالخلافہ میں صرف ساز و سامان باقی رہ گیا تھا۔ اس پر تم نے قبضہ کر لیا۔ ٹکسال' تبرکات اور جوالی کی آمدنی تک تم نے لے لی۔ اب میرے پاس کیا ہے' جو تمہاری فرمائش پوری کی جائے۔ صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ دارالخلافہ تمہارے حوالہ کر کے کہیں چلا جاؤں۔ یہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں

سے ایک حبہ بھی ظلم و جور سے نہ لوں گا۔ یہ جواب سن کر سلطان نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی بجائے بغداد کے صاحب جائداد امراء اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص۔۴۴۸) مقتضی نہایت دلیر، عالی دماغ اور باجبروت خلیفہ تھا۔ اس لیے سلطان نے اس پر جو پابندیاں عائد کی تھیں۔ وہ اس راہ میں حائل نہ ہوسکیں اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے تدبر سے خلافت بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی اور اس کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد سلطان مسعود کو خلافت کا نظام اور تبرکات کی آمدنی اس کے حوالہ کر دینی پڑی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۴۸) اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

راشد کی واپسی کی کوشش اور اس کا قتل: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ راشد عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا تھا۔ ۵۳۲ھ میں وہاں سے سلطان داؤد کے پاس مراغہ چلا گیا۔ مراغہ جانے کے بعد امیر منکبرس والی فارس اس کا نائب بوزابہ سلطان مسعود کا حاجب عبدالرحمٰن طغائرک وغیرہ بہت سے امراء جو سلطان کے تھے، مراغہ پہنچے اور سلطان کے مقابلہ میں راشد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں اور سلطان میں جو جنگ ہوئی، سلطان نے ان کو شکست دے کر منکبرس کو قتل کر دیا اور اس کی فوجیں لوٹ میں مشغول ہو گئیں۔ امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ سلجوقی فوجیں منتشر تھیں اس لیے سعود کو شکست ہو گئی اور بوزابہ نے اس کے بہت سے امراء کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ سلطان مسعود کی شکست کے بعد بوزابہ فارس چلا گیا اور راشد و داؤد آسز بن محمد خوارزم شاہ کو ساتھ لے کر ہمدان ہوتے ہوئے عراق کی طرف بڑھے۔ سلطان مسعود انہیں روکنے کے لیے پہنچا۔ اسے دیکھ کر آسز خوارزم چلا گیا اور داؤد نے فارس کی راہ لی۔ راشد مایوس ہو کر اصفہان چلا گیا اور چند دنوں کے بعد رمضان ۵۳۲ھ میں خود اس کے خراسانی غلاموں نے اس کو قتل کر دیا اور وہ اصفہان میں سپرد خاک کیا گیا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۶۸، و ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۲۳)

۔۔۔(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۴)

خوارزمی حکومت کا قیام: آئندہ جا بجا خوارزمی حکومت اور اس کے فرمانرواؤں کے حوالے آئیں گے۔ اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔ یہ حکومت صوبہ خوارزم میں قائم ہوئی اور اس کی ابتدائی داغ بیل مستظہر کے عہد میں پڑ چکی تھی، لیکن حکومت کی شکل اس نے مقتضی کے زمانہ میں اختیار کی۔ اس کا بانی آتسز بن محمد الملقب بہ خوارزم شاہ ہے اس کا دادا انوشتگین غرلجہ ملک شاہی امیر ہاکا تگین کا غلام تھا۔ انوشتگین عاقل وفہیم تھا۔ اس لیے ہاکا تگین کی موت کے بعد ملک شاہ نے اس کو خوارزم کا شحنہ بنایا تھا۔ انوشتگین کے بعد سلطان برکیارق نے سلطان سنجر کے مشورہ سے ۴۹۱ھ میں اس کے ہونہار اور لائق فرزند محمد کو اس منصب پر مامور کیا اور خوارزم شاہ لقب دیا۔ اس نے تیس سال تک بڑی وفاداری اور دلسوزی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور سلجوقی سلاطین کا وفادار رہا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۸۶) اس زمانہ میں خراسان میں سلطان سنجر کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ محمد نے اپنی کارگزاری اور حسن خدمت سے سلطان سنجر کے مزاج میں بڑا رسوخ اور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۹۳) ۵۲۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ آتسز بن محمد خوارزم شاہ: امیر محمد کی وفاداری اور حسن خدمات کی بنا پر سلطان سنجر اس کے لڑکے آتسز کو بھی بہت مانتا تھا، چنانچہ محمد کی موت کے بعد آتسز کو خوارزم کی حکومت عطا کی۔ اسے بھی شروع میں سلطان کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا۔ اس کے دربار میں کسی امیر کو اتنا اعزاز حاصل نہ تھا۔ اس سے دوسرے امراء کو رشک پیدا ہوا۔ انہوں نے سلطان اور آتسز کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر بدگمان کر دیا اور ۵۳۳ھ میں آتسز نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱، ص ۴۸۷)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اپنی حکومت کے قائم کرنے کے منصوبے ہی میں تھا کہ سلطان کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے فوج کشی کرے اس کو خوارزم سے نکال دیا اور اپنے بھتیجے

سلیمان شاہ کو وہاں کا حاکم بنایا۔ اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ تھی۔ اس لیے آتسز نے دو ہی سال بعد ۵۳۵ھ میں پھر خوارزم پر قبضہ کر لیا۔ (تاریخ گزیدہ ص ۴۸۷ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۶) آتسز اور سلطان سنجر کی جنگ میں آتسز کا ایک لڑکا مارا گیا تھا۔ اس کے انتقام میں اس نے ترکستان کے غیر مسلم خطائیوں کو سلطان سنجر کے خلاف کھڑا کر دیا اور ۵۳۶ھ میں کئی لاکھ وحشی خطائی ماوراء النہر کے علاقہ پر ٹوٹ پڑے۔ سلطان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی قتل و گرفتار ہوئے۔ جن میں بہت سے علماء و فقہاء تھے۔ خود سلطان کی حرم اسیر ہوئی اور اس کا کل خزانہ برباد ہو گیا اور ماوراء النہر کا علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ دوسری طرف سلطان کی شکست کے بعد خود آتسز خراسان پہنچا اور وحشیانہ قتل و غارت سے اس کو ویران کر ڈالا اور وہاں کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال کو خوارزم لے گیا۔ البتہ نیشاپور علماء و مشائخ کی سفارش سے قتل و غارت کی مصیبت سے بچ گیا، لیکن آتسز نے سلجوقی حکومت کے تمام متعلقین کی املاک پر قبضہ کر لیا اور سلطان سنجر کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ (ابن اثیر اور تاریخ گزیدہ وغیرہ نے بڑی تفصیلات لکھی ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے)

گو اس وقت سلطان سنجر کی شکست سے آتسز کو آزادی مل گئی تھی، لیکن خراسان میں اس کا مستقل قیام ممکن نہ تھا۔ اس لیے سنجر کی واپسی کے بعد اس نے خراسان چھوڑ دیا اور سلطان سے تعلق منقطع کر کے خوارزم میں مستقل حکومت قائم کر لی۔ سلطان اپنی شکست کے اثرات سے دو سال تک آتسز کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔ ۵۳۸ھ میں اس نے خوارزم پر فوج کشی کی، مگر کامیاب نہ ہوئی اور وہ لوٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ خود آتسز نے آئندہ فوج کشی کر کے خطرہ سے بچنے کے لیے اطاعت قبول کر لی۔ سلطان نے بھی درگزر سے کام لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۷) لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی ہو گیا۔ اس لیے ۵۴۲ھ میں پھر سلطان نے فوج کشی کی۔ آتسز میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس نے خوارزم کے علماء اور مشائخ کو درمیان میں ڈالا۔ سلطان ہر چند اس کی بار

بار کی بغاوت سے تنگ آ چکا تھا' لیکن علماء و مشائخ کی سفارش کو رد نہ کر سکا اور آئندہ خطرہ کے انسداد کے لیے تیس ہزار سالانہ فوجی اخراجات کے لیے مقرر کر کے لوٹ گیا۔ اس کے بعد پھر اتسز کی جانب سے بغاوت کا ظہور نہ ہوا۔ (تاریخ گزیدہ ص ۱۸۹) اس کے چند برسوں کے بعد ۵۴۸ھ خراسان پر غزوں کا ایسا حملہ ہوا کہ خراسان بالکل زیروزبر ہو گیا اور اتسز کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا اور ۵۵۱ھ میں تیس سال کی حکومت کے بعد اتسز کا انتقال ہو گیا۔

ایل ارسلان خوارزم شاہ: اتسز کے انتقال کے بعد ۵۵۱ھ میں اس کا لڑکا ایل ارسلان جانشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں سلطان سنجر کا انتقال ہو گیا اور خراسان کا انتقام درہم برہم ہو گیا۔ اس لیے اہل ارسلان نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ (تاریخ گزیدہ ص ۱۹۰' اس میں چھ فرمانروا ہوئے۔ اتسز بن محمد' اہل بن محمد' ایل ارسلان بن اتسز محمود بن ایل ارسلان' علاؤ الدین تکش ایل ارسلان' علاؤالدین تکش و جلال الدین علاؤالدین) جو ساتویں ہجری کے وسط تک قائم رہی اور تاتاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ سلطان مسعود کے خلاف امراء کی بغاوت و اطاعت سلطان محمود کے خلاف امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن طغائرک حاجب کی بغاوت کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ ایک اور امیر عباس والی رے بھی ان کے ساتھ ہو گیا اور انہوں نے سلطان کے بھائی سلیمان اور اس کے بھتیجوں ملک محمد اور ملک شاہ کو ملا کر ۵۴۱ھ میں ہمدان پر فوج کشی کر دی۔ سلطان اس وقت بغداد میں تھا۔ اطلاع پاتے ہی فوراً واپس آیا اور امیر جاولی والی آذربائیجان کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلا۔ جاؤلی نے حسن تدبیر سے سلیمان شاہ کو الگ کر دیا۔ اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بوزابہ نے ہمدان چھوڑ دیا اور عبدالرحمٰن و عباس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس خدمت کے صلہ میں سلطان نے امیر جاولی کی بڑی عزت و افزائی کی۔ اس کے مراتب بڑھائے اور باغی امراء کو بھی مخالفت سے روکنے کے لیے ان کی تالیف قلب کی۔ (راوندی نے اس کی

پوری تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے۔ دیکھو ص ۲۳۳، ۲۳۴)

ان کا قتل: اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد امیر جاؤلی کا انتقال ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے آذربائیجان اور ایران کی حکومت حاصل کر لی۔ سلطان کو امیر جاؤلی سے بڑی تقویت حاصل تھی۔ اس کی موت سے اس کا بازو ٹوٹ گیا اور عبدالرحمٰن، عباس اور بوزابہ سلجوقی حکومت پر حاوی ہو گئے اور اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ سلطان ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے چار و ناچار اسے ماننا پڑا۔ انہوں نے سلطان کے وزیر جمال الدین کو معزول کر کے تاج الدین کو جو ان کے اغراض کے لیے زیادہ مفید تھا، وزیر بنایا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵) گو عبدالرحمٰن، عباس اور بوزابہ بظاہر سلطان کے مطیع ہو گئے تھے، لیکن دل میں سب اس کے خلاف تھے۔ سلطان اس سے خوب واقف تھا، لیکن بے بسی کی وجہ سے خاموش رہا، لیکن پھر بھی چند دنوں میں مختلف تدبیروں سے تینوں کا خاتمہ کرا دیا اور اپنے معتمد علیہ غلام خاص بک کو جس نے ان لوگوں کے قتل میں مدد کی تھی، امیر الامراء بنا دیا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵)

بغداد پر سلجوقی امراء کا حملہ: امیر خاص بک کی ترقی اور اس کا اعزاز ایک نئے فتنہ کا سامان بن گیا۔ دوسرے سلجوقی امراء سلطان کے خلاف ہو گئے، چنانچہ امیر شمس الدین ایلدکز والی گنجہ امیر قیصر، امیر برنقش، تاتار حاجب وغیرہ سلطان کو چھوڑ کر ۵۴۳ھ میں بغداد چلے گئے۔ ان کی آمد سے عراق میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا۔ مقتفی نے انہیں روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آئے اور بغداد پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل بغداد نے عباسی فوجوں کے ساتھ مل کر مدافعت کی۔ سلجوقی امراء انہیں دھوکہ دینے کے لیے ایک دن پیچھے ہٹ گئے۔ بغدادی ان کے تعاقب میں دور نکل گئے۔ اس وقت سلجوقیوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ بغدادی اس حملہ کو نہ سنبھال سکے اور سلجوقیوں نے انہیں بے دریغ قتل و گرفتار کیا۔ ہزاروں بغدادی مارے گئے اور

سلجوقیوں نے بغداد میں گھس کر دولتمندوں سے زبردستی روپیہ وصول کیا، عورتوں کو قید کیا اور دجیل کو لوٹ لیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قتل و غارت کرنے کے بعد مقتفی سے معذرت کر کے لوٹ گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۵۰) عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ مقتفی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر انہیں تیس ہزار اشرفیاں دے دی جائیں تو وہ لوٹ جائیں گے۔ مقتفی نے ارکان دولت کے مشورہ سے انہیں روپیہ دینے کی بجائے ایک نئی فوج تیار کر لی، بزور شمشیر ان کو بغداد سے نکالا۔ (تاریخ دولت آل سلجوقی ص ۲۰۳)

سلطان مسعود کے چچا سنجر کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے خاص بک کو سر چڑھانے پر مسعود کو بڑی ملامت کی اور اس کی تادیب کے لیے خود رے گیا۔ مسعود نے اس موقع پر دانشمندی سے کام لیا اور سلطان کی خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ خاص بک نے علیحدہ سلطان سنجر کے قیمتی ہدایا اور لوازم میزبانی بھیجے۔ سلطان سنجر مسعود کی اس سعادت مندی سے بہت خوش ہوا اور اس کی سفارش سے خاص بک سے راضی ہو گیا اور اٹھارہ دن رے میں قیام کر کے خراسان واپس ہو گیا۔

مسعود کی وفات: ایک مختصر علالت کے بعد رجب ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود نے وفات پائی۔ اس وقت کل ۴۵ سال کی عمر تھی، مدت حکومت اٹھارہ سال۔ گو سلطان مسعود کا قریب قریب پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گزرا، لیکن وہ سلجوقی روایات کا آخری پاسبان و محافظ تھا۔ اس کے بعد اس جلیل القدر خاندان کی عظمت و شان ختم ہو گئی۔ راوندی کا بیان ہے کہ وہ بڑا قوی ہیکل اور توانا تھا۔ اس قد و قامت اور جسمانی قوت کا کوئی فرمانروا سلجوقی خاندان میں نہ گزرا تھا۔ وہ تخت سلطنت اور میدان جنگ دونوں میں مبارک قدم تھا۔ طبعاً خوش مزاج، خوش باش اور ظریف الطبع تھا۔ اس کے زمانہ میں نعمتوں کی فراوانی اور خلق آسودہ حال تھی۔ رعایا کو راحت و امن حاصل تھا۔ وہ علم دوست، درویش نواز، عدل پرور، ظلم و جور سے دور اور جہل و نادانی کی باتوں سے نفور تھا۔ اس کی زندگی سادہ اور سپاہیانہ تھی۔ عیش و تنعم کے سامانوں سے ہمیشہ مجتنب،

سیر و شکار سے زیادہ دلچسپی تھی۔ شیر کے شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ میدان جنگ میں خود دست بدست لڑتا تھا۔ فیاض و سیر چشم ایسا تھا کہ ہمیشہ خزانہ خالی رہا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۵، ۲۶) ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان خوش خلق، ظریف الطبع، رعایا پرور اور اس کے مال کے بارہ میں محتاط تھا۔ اپنی سیرت، نرمی اور خوش اخلاقی کے لحاظ سے صالح ترین حکمرانوں میں تھا۔ اس کے مناقب بہت ہیں۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۶۰)

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کو اپنی اقبال مندی پر بڑا اعتماد تھا۔ سیاسی چال بازیوں کی طرف کم توجہ کرتا تھا۔ برائیوں میں بھی چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔ کسی جانب سے کینہ نہیں رکھتا تھا۔ اپنے خواص اور معتمد علیہ اشخاص کے بارہ میں کسی کی شکایت کی جانب کان نہیں دھرتا تھا، لیکن ان اوصاف کے ساتھ سفلہ پرور تھا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۱۷)

سلطان ملک شاہ بن محمود: سلطان مسعود کے بعد سلجوقی امراء نے رجب ۵۴۷ھ میں اس کے بھتیجے ملک شاہ بن محمود کو تخت نشین کیا۔ یہ بڑا عیش پرست اور غافل فرمانروا تھا۔ شراب و کباب میں مست رہتا تھا۔ جمال نام کی ایک عورت پر فریفتہ تھا۔ اسی کے اشاروں پر چلتا تھا۔ اس لیے اس کی حکومت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی۔ سلطان مسعود کی وفات کی خبر سن کر بغداد کا سلجوقی شحنہ مسعود بلال، مقتفی کے خوف سے تکریت بھاگ گیا تھا۔ مقتفی نے تمام سلجوقی امراء کے گھروں کی تلاشی لے کر مال و متاع پر قبضہ کرلیا اور ان کو شراب سے پاک و صاف کیا۔ مسعود بلال تکریت جانے کے بعد حلہ پر قبضہ کرلیا۔ مقتفی نے عون الدین ہبیرہ کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس نے مسعود کو حلہ سے نکال کر کوفہ اور واسط پر قبضہ کرلیا۔ اس درمیان میں سلجوقی فوجیں عباسی فوجوں کے مقابلے کے لیے پہنچ گئی۔ ان کے آنے کے بعد عباسی فوجوں نے واسط چھوڑ دیا۔ مقتفی کو خبر ہوئی تو وہ خود سلجوقیوں کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ اسے دیکھ کر وہ لوٹ گئے اور مقتفی حلہ ہوتے ہوئے بغداد واپس گیا۔ (ابن اثیر

قتل کے وقت تک کفن تک میسر نہ آیا تھا۔

خراسان پر غزوں کی یورش اور اس کی تباہی: سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ہی ۵۴۸ھ میں وحشی غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست و گرفتاری اور خراسان کی تباہی کا واقعہ پیش آیا۔ غز ترکستان کے نومسلم وحشی قبائل تھے۔ خطائیوں نے ماوراءالنہر پر قبضہ کے بعد ان کو وہاں سے نکال دیا تھا اور وہ بلخ میں سلطان سنجر کے زیر سایہ آباد ہو گئے تھے اور اس کے معاوضہ میں شاہی مطبخ کے لیے چار ہزار بکریاں سالانہ بطور خراج دیتے تھے۔ سلطانی تحصیلدار رشوت لینے کے لیے انہیں بہت ستاتے تھے اور ان کی بڑی تذلیل و تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے تنگ آ کر ایک تحصیلدار کو مار ڈالا۔ بلخ کے سلجوقی حاکم امیر اسفہسلار قماج نے سلطان سے شکایت کی کہ غزوں کی قوت بہت بڑھ گئی ہے' اگر ان کا انتظام میرے متعلق کر دیا جائے تو میں ان کی قوت توڑ کر ان سے چار ہزار بکریوں کے بجائے تیس ہزار وصول کیا کروں۔ قماج کی خواہش پر سلطان نے غزوں کا انتظام اس کے متعلق کر دیا۔ اس نے ان سے مقتول تحصیلدار کا خون بہا طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم براہ راست سلطان کی رعایا ہیں۔ اس کے علاوہ اور کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے اور قماج کو ذلت کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس کی سزا میں قماج نے ان پر حملہ کر دیا۔ غزوں نے اسے شکست دی اور قماج اور اس کا لڑکا دونوں قتل ہوئے۔ (راحۃ الصدور ص ۱۷۷' ۱۷۸) ابن اثیر کا بیان ہے کہ قماج کو شکست ہوئی' لیکن وہ خود زندہ بچ گیا اور غزوں نے بلخ کی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا اور لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا۔ بہت سے علماء و فقہا قتل کیے اور مدرسے ویران ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۶۶)

غزوں کی اس وحشت و درندگی پر خود سلطان ان کی تنبیہ کے لیے نکلا۔ اس وقت غزوں کو ندامت ہوئی اور انہوں نے سلطان کو اپنی بے گناہی کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ قماج کی زیادتیوں سے تنگ آ کر اپنی حفاظت کے لیے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' ورنہ وہ بدستور سلطان کی اطاعت پر قائم ہیں۔ ان کی تاخت و تاراج سے جو

نے غزوں کا نہایت پر زور مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر نیشاپور، طوس، ابیور اور شہرستان وغیرہ سے نکال دیا اور ۵۵۰ھ میں وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے اور المومید نے خراسان کا بگڑا ہوا نظام از سر نو قائم کیا اور چند دنوں میں اپنے عدل و انصاف اور شریفانہ سلوک سے اہل خراسان کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ انہوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس وقت المومید نے خراسان محمود کو حوالہ کر دینا چاہا، لیکن اس نے خراج مقرر کر کے اسی کے ہاتھوں میں انتظام رہنے دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۸۹)

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر غزوں کی قید سے چھوٹ کر مرو پہنچ گیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ربیع الاول ۵۵۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔ سلطان سنجر اپنے نامور اسلاف کی روایات کا حامل اور جہانگیری و جہانداری میں الپ ارسلان اور ملک شاہ اول کا صحیح وارث و جانشین تھا۔ سلجوقی خاندان کی عظمت اسی کے دم سے قائم تھی۔ اپنے قوت بازو سے اس نے خراسان کی حکومت کو جو سلجوقیہ ایران کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی۔ نہایت طاقتور حکومت بنا دیا۔ اس کے نام کا خطبہ کاشغر سے لے کر عرب تک پڑھا جاتا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا سلجوقی خاندان کا محافظ رہا اور اس کا شیرازہ نہ بکھرنے دیا۔ اس کے بعد اس خاندان عالی پر زوال آ گیا۔ راوندی کا بیان ہے کہ اس میں خسروان عجم اور سلاطین کیانی کی ہیبت و عظمت تھی۔ وہ آئین جہانداری قوانین شہریاری، قواعد بادشاہی اور ناموس ملک داری کا ماہر تھا۔ اس کو شہرت و ناموری، مال و دولت، فتح و فیروزمندی، ساری نعمتیں حاصل تھیں، گو معمولی باتوں میں سادہ دل تھا، لیکن جنگی امور میں صائب الرائے اور مستقل مزاج تھا۔ عدل و تقویٰ اور پاک دامنی سے آراستہ تھا۔ چالیس سال میں ۹ افتوحات حاصل کیں۔ کسی مہم میں ناکام نہ ہوا۔ اس نے غزنویوں کے پایہ تخت کو فتح کر لیا، جس کی ہمت کسی سلجوقی حکمران نے نہ کی تھی۔ اس کا خطبہ کاشغر سے لے کر یمن، طائف، مکہ، عمان اور آذربائیجان تک جاری تھا۔ وہ مبارک سایہ اور مہربان تھا۔ اس کے زمانہ میں خراسان

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

پاس کے امراء اور اپنے سالے خوارزم شاہ کی مدد سے سلطان محمد کو ہمدان سے نکال کر اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرلیا اور فخر الدین کو وزارت اور خوارزم کو حجابت کے عہدوں پر ممتاز کیا۔ یہ تقرر دوسرے امراء پر گراں گزرا اور وہ اس کے خلاف ہو گئے اور سلیمان شاہ کو گرفتار کر کے پھر سلطان محمد کو بادشاہ بنانا چاہا۔ سلیمان کو اس کی خبر ہوگئی۔ اس میں امراء کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے راتوں رات ہمدان سے نکل گیا اور پھر سلطان محمد واپس آ گیا۔ (راحۃ القلوب ص ۲۵۲ تا ۲۶۵) ہمدان پر دوبارہ سلیمان کی فوج کشی اور ناکامی: مقتضی نے سلطان محمد کی پیہم درخواستوں کے باوجود اب تک بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری نہ کیا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۸۰) سلیمان شاہ ہمدان سے نکلنے کے بعد پھرتا پھراتا ۵۵۱ھ میں بغداد پہنچا۔ مقتضی کو ایک مہرہ ہاتھ آیا۔ اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور اس کو ایران کی حکومت دے کر سلطان محمد کے خلاف کھڑا کر دیا۔ سلیمان شاہ نے آذربائیجان کے امراء کو ساتھ لے کر پھر ہمدان پر فوج کشی کی، لیکن اس مرتبہ سلطان محمد نے اسے فاش شکست دی اور وہ شکست کھا کر موصل چلا گیا۔ یہاں عماد الدین زنگی کے نائب نے اس کو قید کر دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۶۶) سلیمان شاہ کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد سلطان محمد نے بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ ابھی اس کا سلسلہ جاری تھا کہ سلطان محمد کا دوسرا بھائی **ملک** شاہ ہمدان پہنچ گیا۔ اس لیے اس کو لوٹ جانا پڑا، لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی **ملک** شاہ نے ہمدان چھوڑ دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۶۷ تا ۲۶۹)

سلطان محمد کی وفات: بغداد کی واپسی کے بعد ہی سلطان محمد سل میں مبتلا ہو گیا اور ڈیڑھ سال کی علالت کے بعد ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے صرف ایک صغیر السن بچہ تھا۔ اس کو وہ مرتے وقت امیر اقسنقر احمدیلی کے سپرد کر گیا تھا۔ سلطان کی وفات کے بعد امیر اقسنقر اس کو ساتھ لے کر مراغہ چلا گیا۔ سلطان محمد کی عمر کل ۳۲ سال کی تھی۔ مدت حکومت آٹھ سال۔ گو سلطان ناکام فرمانروا تھا، لیکن اس

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

کے لیے آ رہی ہیں۔ بارین کے فرنگیوں کو اس کا علم نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے پھر درخواست کی۔ اس مرتبہ عمادالدین نے منظور کر لی اور فرنگی بارین چھوڑ کر نکل گئے۔ راستہ میں ان کو امدادی فوجیں ملیں۔ اب قلعہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ بارین کے فرنگیوں سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا۔ انہوں نے حماۃ اور حلب کا علاقہ ویران کر ڈالا تھا اور تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ بارین پر قبضہ کے بعد امن و امان ہو گیا۔

لین پول لکھتا ہے کہ بارین پر قبضہ کے بعد عمادالدین نے اس کے فرمانروا فلک کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کیا اور اسے شاہی خلعت عطا کیا۔ (صلاح الدین ص ۴۷) بارین فرنگیوں کا اہم مرکز تھا' اس لیے اس کے محاصرہ کے دوران ہی میں قیصر کی مدد حاصل کرنے کے لیے شام کے راہبوں کی ایک جماعت قسطنطنیہ پہنچ گئی اور قیصر کمنی نس کو یقین دلایا کہ اگر بارین عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان پورے شام پر قابض ہو جائیں گے۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۲۰) چنانچہ قیصر ایک لشکر جرار لے کر شام پہنچا۔ حسب معمول دمشق کی حکومت نے اس کا ساتھ دیا۔ عمادالدین زنگی اس وقت موصل واپس جا چکا تھا۔ قیصر نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے پاس دوستانہ پیام اور عقاب اور شکاری چیتے ہدیہ بھیج کر اس سے وعدہ کیا کہ وہ زنگی حکومت کے علاقہ حلب سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ (صلاح الدین ص ۴۷) اور شام کے فرنگیوں کی مدد سے بزعہ اور کفرتاب پر قبضہ کر کے اس کی پوری مضافی آبادی کو قتل کر کے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے شیزر کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے فرمانروا علی بن منقذ نے عمادالدین سے مدد طلب کی۔ وہ فوراً آیا اور بزعہ کے قریب حماۃ میں ٹھہرا۔ قیصر کی فوجیں پہاڑ کی آڑ میں تھیں۔ عمادالدین نے اس سے کہلا بھیجا کہ نکل کر میدان میں آؤ تو ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے' لیکن عمادالدین کے خوف سے اس کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ عمادالدین نے اس کو واپس کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک طرف شام کے فرنگی فرمانرواؤں کو یقین دلایا کہ اگر قیصر ایک قلعہ پر بھی

قابض ہو گیا تو پھر شام کا کوئی حصہ ان کے قبضہ میں نہ رہنے دے گا۔ دوسری طرف قیصر کو بدگمان کر دیا کہ شام کے فرنگی اس سے ملے ہوئے ہیں۔ اس تدبیر سے دونوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی اور قیصر ۲۴ دن کے بعد اپنے تمام قلعہ شکن آلات و اسلحہ چھوڑ کر لوٹ گیا۔ (دولت اتا بکیہ ص ۱۹۸ تا ۳۰۰)

لین پول لکھتا ہے کہ عمادالدین کی چند سیاسی چالوں اور معتد بہ رقم نے قیصر کی نیت بدل دی۔ لاطینی شہزادوں کی بے پرواہی اور لہوولعب سے بھی اسے نفرت ہو چلی تھی۔ اس لیے ۲۴ دن کے بعد بھاگ گھڑا ہوا اور منجنیقیں اور دیگر آلات چھوڑتا گیا' جو عمادالدین کے قبضہ میں آئے اور یورپ کی یہ لشکر کشی بے کار ثابت ہوئی۔ (صلاح الدین ص ۴۸) قیصر کی واپسی کے بعد ۵۳۴ھ میں عمادالدین نے دمشق کا محاصرہ کیا اور یہاں کے قبیلہ زناطہ اور احداث کو ملا کر انہیں شہر حوالہ کرنے پر آمادہ کر لیا' لیکن پھر بعض حالات کی بنا پر دمشق چھوڑ کر مجیرالدین آبق والی دمشق کے کارپرداز سلطنت معین الدین انز کے علاقہ بعلبک پہنچا اور معین الدین کو شکست دے کر بزور شمشیر بعلبک پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دمشق کی واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجیرالدین آبق نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ (دولت اتا بکیہ موصل ص ۱۰۴' ۱۰۵)

لین پول کا بیان ہے کہ بعلبک پر قبضہ اور یہاں کی فوج کے قتل عام سے معین الدین' عمادالدین سے اتنا برہم ہو گیا کہ اس نے عیسائیوں سے معاہدہ کر لیا کہ وہ یروشلم کی حکومت کو ۲۰ ہزار اشرفی سالانہ ادا کرے گا اور بانیاس پر اس کا قبضہ کرا دے گا۔ اس کے معاوضے میں عیسائیوں نے عمادالدین کو شام سے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ (صلاح الدین ص ۴۹) بعلبک پر قبضہ کے بعد عمادالدین زنگی موصل لوٹ گیا اور کئی سال تک وہاں کے اندرونی معاملات میں مشغول رہا' پھر ۵۳۹ھ میں شام کا رخ کیا۔

شام میں یروشلم اور انطاکیہ کے بعد عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز رہا کی حکومت تھی۔ اس کے حدود دیار بکر تک وسیع تھے۔ اس کا فرمانروا کونتی جوسلن نہایت

متعصب عیسائی اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ اس کی تاخت وتاراج سے کردستان اور دیار بکر کے سارے مسلمان نالاں تھے۔ (دولت اتابکیہ موصل۔ ۱۱۸، ۱۱۹) لین پول کا بیان ہے کہ جب تک اتابک زنگی کا پرانا دشمن کورنتی جوسلن رہا پر جو اسقف کا مستقر تھا، قابض ومتصرف رہا، زنگی اس کے قریب تک نہ آسکا، لیکن جوسلن ایک بے قرار اور بے چین آدمی تھا۔ دیار بکر اور شام میں وہ ہمیشہ قہر کی صورت بنا رہا۔ عیسائیوں کی ریاست رہا، سب سے مضبوط ومستحکم مقام تھا، لیکن جوسلن اب مر چکا تھا، اس کا جانشین جوسلن ثانی گو باپ ہی کی طرح بہادر تھا، لیکن بہادری کا دورہ کبھی کبھی اٹھتا تھا، ویسے وہ کاہل سست اور عیش پسند تھا۔ (صلاح الدین ص ۵۰)

اس لیے عمادالدین نے رہا پر فوج کشی کا ارادہ کیا، لیکن اگر وہ براہ راست اور علانیہ رہا کا قصد کرتا تو شام کی کل عیسائی حکومتیں مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہو جاتیں۔ اس لیے جوسلن کو غافل کرنے کے لیے پہلے وہ دیار بکر کے مسلمان امراء سے جنگ میں مشغول ہو گیا، جوسلن اسے مشغول دیکھ کر شامی مقبوضات کے معائنہ کے لیے چلا گیا۔ (اتابکیہ موصل ص ۱۹) لین پول کا بیان ہے کہ رہا کی حفاظت کالدی اور ارمنی تاجروں کے سپرد کر کے اپنی جاگیر تل باشر چلا گیا۔ عمادالدین کے جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی۔ وہ اطلاع پاتے ہی رہا پہنچ گیا اور شہر کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر کے شہر حوالہ کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ رہا بڑا مضبوط ومستحکم شہر تھا۔ چاروں طرف سنگین شہر پناہ تھی۔ اتابک زنگی نے قلعہ شکن آلات کے ذریعہ اس کو توڑ دیا۔ شہر کی آبادی زنگی فوجوں کے روکنے میں ناکام رہی اور وہ جمادی الثانی ۵۳۹ھ میں رہا میں داخل ہو گئیں۔ (اتابکیہ ص ۱۲۲)

لین پول لکھتا ہے کہ عیسائیوں نے رہا پر قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر جو مظالم وتشدد کیے تھے اور جس طرح بالڈون کے شہسوار اور جوسلن ان کے لیے قہر باری تعالیٰ بنے

ہوئے تھے۔اس کے انتقام کا وقت آ گیا تھا' چنانچہ رہا پر قبضہ کے بعد اتابکی فوجوں نے عیسائی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا۔ ہزاروں عیسائیوں کو لونڈی' غلام بنا ڈالا۔ صلیبیں توڑ دیں' راہبوں کو قتل کیا اور شہر کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔

لیکن اس کے بعد جب خود عماد الدین شہر میں داخل ہوا اور اس کی شان و عظمت اور خوش نما عمارتوں کو دیکھا تو ایسے خوبصورت شہر کو برباد کرنا مناسب معلوم نہ ہوا اور اپنی سپاہ کو غارت گری سے روک دیا اور عام حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ جتنے عیسائی غلام اور لونڈی بنائے گئے ہیں اور جس قدر زر و مال لوٹا گیا ہے' سب کو واپس کر دیا جائے اور جو لوگ زندہ بچ گئے تھے' انہیں ان کے گھروں میں آباد کیا تاکہ شہر کی رونق اور مرفہ الحالی میں کمی نہ ہو اور شروع میں جو غارت گری ہوئی تھی۔ اس کی تلافی میں کوئی دقیقہ محنت اور توجہ کا فروگذاشت نہ کیا۔ (صلاح الدین ص ۵۲' و دولت اتابکیہ ص ۱۲۳)

رہا فرنگیوں کا نہایت اہم مرکز تھا۔ اس کے نکل جانے سے ساری عیسائی دنیا میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ (تاریخ یورپ الیور تھیچر ج ۱' ص ۲۸۸) سینٹ برناڈ نے ایک نئی جنگ صلیبی کے لیے وعظ کہنا شروع کیا۔ لوئی ہفتم اور شہنشاہ کونراڈ نے اس کا بیڑا اٹھایا' مگر اس کی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۹) رہا پر قبضہ کے بعد امر زنگی نے جوسلن کے ایک قلعہ حصن بیرہ کا محاصرہ کیا' لیکن اسی دوران میں اس کے نائب نصیر الدین جعفر کے قتل کی خبر آ گئی' اس لیے وہ موصل لوٹ گیا۔

(تاریخ اتابکیہ موصل ص ۱۲۶)

امیر زنگی کا واقعہ قتل: ربیع الاول ۵۴۱ھ میں امیر زنگی کے قتل کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زنگی حکومت کے عین وسط میں جعبر کے قلعہ پر بنی مروان قابض تھے۔ ۵۴۱ھ میں امیر زنگی نے اس کا محاصرہ کیا۔ ارمنی'

رومی اور ترک غلاموں کے بارہ میں امیر سخت گیر واقع ہوا تھا۔ اس کی سختی کی وجہ سے بعض غلام اس کے دشمن بن گئے تھے۔ (دولت آل سلجوق ص ۱۸۹) چنانچہ جعبر کے محاصرہ کے درمیان ایک شب کو جب کہ امیر سویا ہوا تھا' ان غلاموں نے موقعہ پا کر قتل کر دیا۔ قتل کے وقت ساٹھ سال سے اوپر عمر تھی۔ مدت حکومت بیس سال۔ مسلمانوں کے دور عروج میں صدیوں تک ان کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر زوال آیا یا مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت ایسی پیدا ہو گئی' جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی۔ ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد ہی فوراً دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا' چنانچہ سلجوقیوں کے زوال کے بعد اتابکی خاندان پیدا ہو گیا۔ جس نے شام و جزیرہ اور کردستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک متحدہ حکومت قائم کر دی اور شام میں صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیا۔ صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے وجود میں آنے کے بہت پہلے چھڑ چکا تھا اور شام' مصر اور جزیرہ وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے مقدور بھر صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن ان میں سے کسی میں تنہا مقابلہ کی قوت نہ تھی اور آپس میں ایسا اختلاف تھا اور ان کے اغراض ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے کہ وہ مل کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شام میں صلیبیوں کا زور بڑھتا جاتا تھا۔ صرف چند چھوٹے چھوٹے مقامات مسلمانوں کے پاس رہ گئے تھے اور وہ صلیبیوں کے زیر اثر ہوتے جاتے تھے۔ ان حالات میں عماد الدین کا ظہور ہوا۔ سب سے اول اسی نے صلیبیوں کی قوت پر کاری ضرب لگائی اور آئندہ آنے والوں کے لیے راستہ صاف کر گیا۔ ایوبی خاندان اسی کا ساختہ پرداختہ تھا۔ جس نے بیت المقدس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ اس طرح اس مقدس جہاد کا پہلا ہیرو اور اس قافلہ کا پہلا قافلہ سالار

عمادالدین ہی تھا۔ اس پہلو سے قطع نظر وہ ذاتی اوصاف ومحامد اور جہانبانی اور حکمرانی کے نقطہ نظر سے بھی ایک بہترین فرمانروا تھا۔ شجاعت وشہامت، تدبیر وسیاست، عدل و انصاف و دینداری تمام اوصاف میں کامل تھا۔ موصل کی ایک معمولی ریاست کو بیس برس کے عرصہ میں ایک طاقتور حکومت بنا دیا۔ اس کا دفتری نظام نہایت وسیع تھا۔ اتابکی حکومت کے دفاتر عظمت وشان اور مصارف کی کثرت میں سلجوقیہ عظمیٰ کے دفاتر کی ہمسری کرتے تھے اور ان میں کاموں کی اتنی کثرت اور اتنا تنوع تھا کہ کوئی صاحب کمال موصل آنے کے بعد بیکار نہ رہنے پاتا تھا اور کسی نہ کسی شعبہ میں لگ جاتا تھا۔ جاسوسی اور خبر رسانی کا محکمہ اتنا وسیع تھا کہ ملک کی چھوٹی چھوٹی خبر اور وابستگان دولت کی پرائیویٹ صحبتوں کے حالات تک سے عمادالدین باخبر رہتا تھا۔ آس پاس کی تمام حکومتوں میں اس کے جاسوس مقرر تھے، جو وہاں خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ امیر زنگی مہمات امور سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاملات تک کی خود نگرانی کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اگر چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہی بڑھ کر بڑی بن جائیں گی۔

عدل و انصاف کے قیام میں اور ظلم و جور کے انسداد میں اس کو بڑا اہتمام تھا۔ ملک میں کوئی قوی کسی کمزور پر زیادتی کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ انصاف ہوتا تھا۔ شخصی حکومتوں میں رعایا پر ظلم وزیادتی کا ایک بڑا سبب امراء وعمائد سلطنت کی حرص دولت رہا ہے۔ امیر زنگی نے انہیں قانوناً زمین و املاک حاصل کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس وقت تک امراء کو املاک حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور جب حکومت جاتی رہے گی تو اس کے ساتھ املاک بھی نکل جائے گی اور جب ملک کی املاک سلطانی امراء کے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو وہ لازمی طور پر رعایا پر زیادتی کریں گے اور ان کا ملک غصب کریں گے۔

ملک کی آبادی وسرسبزی وشادابی کی جانب خاص توجہ تھی۔ موصل کا علاقہ بالکل بنجر اور ایسا ویران تھا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر دشوار تھا۔ آبادی اور عمارتیں بہت کم اور باغات اور میووں کا نام ونشان نہ تھا۔ عمادالدین نے بکثرت عمارتیں بنوائیں، باغات لگوائے اور آبادیاں قائم کیں۔ موصل کے امن وامان اور عدل وانصاف کو دیکھ کر دوسرے مقامات کے لوگ بکثرت یہاں آ کر متوطن ہو گئے اور چند دنوں میں موصل کا پورا علاقہ نہایت آباد اور سرسبز وشاداب ہو گیا۔

امرائے دولت کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ کسی کو اس کے درجے سے آگے نہ بڑھنے دیتا تھا اور نہ بلاوجہ کسی کو گراتا تھا۔ ان پر اعتماد بھی رکھتا تھا، لیکن ان کو حد سے آگے بھی نہ بڑھنے دیتا تھا۔ اس سے اس کی حکومت میں ہمیشہ توازن قائم رہا۔ مورخین نے اس کے بہت سے اوصاف وکمالات لکھے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ (یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ص۔ ۱۳۶ تا ۱۵۰)

نورالدین محمود زنگی: امیر زنگی کے کئی لڑکے تھے۔ سیف الدین غازی سب میں بڑا تھا۔ عمادالدین کی وفات کے بعد اس کے نائب زین الدین علی کوچک نے سیف الدین غازی کو تخت نشین کیا۔ دوسرا لڑکا نورالدین جعبر کے محاصرہ میں باپ کے ساتھ تھا۔ اس نے امیر کی وفات کے بعد حلب پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح اتابکی حکومت کی دو شاخیں ہو گئیں۔ موصل اور حلب میں۔ گو اصل حکومت موصل کی تھی، لیکن نورالدین نے اپنے کارناموں سے حلب کی حکومت کو مرکزی حکومت بنا دیا اور صلیبی جہاد میں بھی اس نے عمادالدین کی نیابت کی اور ہمارا تعلق صرف مجاہدات صلیبی کی حد تک اتابکی حکومت سے ہے۔ اس لیے آئندہ سطور میں صرف نورالدین کے حالات لکھے جائیں گے۔ نورالدین کی ساری زندگی میدان جنگ میں گزری اور امیر کی وفات کے بعد ۵۴۱ھ سے لے کر اپنی موت ۵۶۹ھ تک برابر صلیبی

مجاہدات میں مشغول رہا۔ اس مدت میں سینکڑوں معرکے پیش آئے۔ ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے' اس لیے صرف اہم واقعات کو مختصراً لکھنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ رہا پر جوسلن کی فوج کشی اور ناکامی: رہا جوسلن کی قوت کا مرکز تھا۔ اس لیے وہ آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑنے والا نہ تھا' لیکن عماد الدین کی زندگی میں اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد جوسلن نے رہا کی آبادی سے جو زیادہ تر عیسائی ارمنوں پر مشتمل تھی' ساز باز کر کے فوج کشی کر دی اور ارمنوں نے شہر اس کے حوالہ کر دیا۔ قلعہ کے محافظ مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں نورالدین فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ جوسلن اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور نورالدین نے دوبارہ رہا پر قبضہ کر لیا اور ارمنوں کی بغاوت کے انتقام میں اس کو بالکل ویران کر ڈالا۔

رہا پر قبضہ کے بعد نورالدین کا بھائی سیف الدین غازی شام آیا۔ اس کے خوف سے نورالدین کو اس سے ملنے میں تامل ہوا۔ سیف الدین نے اسے بلا بھیجا' وہ ڈرتے ڈرتے گیا۔ سیف الدین نے اسے گلے لگا کر اطمینان دلایا کہ میرے دل میں تمہارے لیے کبھی کوئی برا خیال نہیں پیدا ہوا۔ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ تمہارے ساتھ برائی کر کے مجھے زندگی میں کیا لطف حاصل ہوگا اور اسے مطمئن کر کے یہ کہہ کر حلب واپس کر دیا کہ میں نے صرف اس لیے تم کو بلایا تھا کہ فرنگیوں اور دوسرے فرمانرواؤں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دونوں میں پورا اتحاد و اتفاق ہے' اگر کوئی ایک کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرے گا تو دوسرا اس کا پورا معاون و مددگار رہے گا۔ (دولت اتابکیہ ص ۱۵۸)

رہا کی پہلی فتح کے بعد ہی سے یورپ میں دوسری جنگ صلیبی کے لیے کوشش جاری تھی' لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے دو سال تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ بالآخر سینٹ برنارڈ لوئی ہفتم بادشاہ فرانس اور کونریڈ سوم بادشاہ جرمنی کی پیہم کوششوں سے ۵۴۳ھ مطابق ۱۱۴۸ء میں لوئی ہفتم کی قیادت میں کئی لاکھ فرانسیسی اور

جرمن فوجیں ایشیائے کوچک ہوتی ہوئی شام پہنچیں۔عمادالدین کی وفات کے بعد اتابکی حکومت کے ساتھ دمشق کی حکومت کی مخاصمت ختم ہوگئی تھی اور اس کو فرنگیوں کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی۔اس لیے اس مرتبہ معین الدین انز نے صلیبیوں کا ساتھ نہیں دیا اور ان کو پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔(صلاح الدین ص ۵۹)اس لیے صلیبیوں نے سب سے پہلے اسی کو زیر کرنے کی کوشش کی۔معین الدین نے پامردی سے مدافعت کی،لیکن متحدہ جرمن اور فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ تنہا اس کے بس سے باہر تھا۔اس لیے وہ سیف الدین غازی سے مدد کا طالب ہوا اور وہ دونوں بھائی فوجیں لے کر پہنچے۔معین الدین نے یورپ کے صلیبیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شہنشاہ مشرق پہنچ گیا ہے۔اگر تم لوگ واپس نہ گئے تو میں دمشق اس کے حوالہ کردوں گا۔اس وقت تم اس سے بچ کر نہ جاسکو گے اور شام کے عیسائیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ تم لوگ بھی ان پردیسیوں کی مدد کر کے کیسی حماقت کر رہے ہو۔یاد رکھو کہ اگر انہوں نے دمشق پر قبضہ کرلیا تو پھر تمہارے شامی مقبوضات کی خیر نہیں۔وہ ان کو تم سے چھین لیں گے اور اگر میں نے دمشق سیف الدین کے حوالہ کر دیا تو پھر کوئی قوت بیت المقدس کو اس کے قبضہ سے نہیں بچا سکتی۔اس لیے تم ان کو واپس کر دو۔میں اس کے صلہ میں بانیاس کا قلعہ تم کو دے دوں گا۔ان لوگوں میں خود باہم اعتماد نہ تھا۔اس لیے شام کے فرنگیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ان کی علیحدگی کے بعد جرمن اور فرانسیسی فوجیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوگئیں اور بقول لین پول ۱۱۴۹ء میں یورپ کے یہ بہادر سورما جو دوسری جنگ صلیبی لڑنے آئے تھے۔اپنے اپنے وطن واپس جاتے نظر آئے۔(دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۰، ۱۶۱، صلاح الدین ص ۶۰)اور نورالدین وسیف الدین بھی اپنے اپنے مقاموں پر لوٹ گئے۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جنگ میں دمشق کے ایک ممتاز ضعیف العمر عالم اور شیخ وقت حجۃ الدین یوسف مغربی بھی شریک تھے۔معین

الدین انز نے ہر چند اس سے درخواست کی کہ آپ ضعف پیری کی وجہ سے معذور ہیں۔ آپ میں لڑنے کی طاقت باقی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں، لیکن شیخ نے کلام مجید کی اس آیت ﴿ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم﴾ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اللہ کے ہاتھ جان و مال بیچ چکا ہوں اور میدان میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۸)

سیف الدین غازی کا انتقال: دمشق سے واپسی میں نورالدین نے طرابلس الشام کے قلعہ عرقیمہ پر قبضہ کیا۔ جمادی الثانی ۵۴۴ھ میں سیف الدین غازی کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا تیسرا بھائی قطب الدین مودود زنگی تخت نشین ہوا۔ اسی سنہ میں نورالدین نے قلعہ انب پر فوج کشی کی۔ رمینڈ پوائٹرس فرمانروائے انطاکیہ مقابلہ کے لیے آیا اور شکست کھا کر قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد اسکا صغیر السن بچہ بوہمنیڈ جانشین ہوا۔

۵۴۶ھ میں نورالدین نے شمالی حلب کے فرنگی علاقے تل باشر، عین تاب اور عزاز پر فوج کشی کی۔ جوسلن نے اس کو شکست دے کر اس کے سلاح دار کو گرفتار کرکے نورالدین کے خسر مسعود ابن قلج ارسلان سلجوقی والی کونیہ کے پاس بھجوا دیا اور یہ پیام کہلا بھیجا کہ تمہارے پاس داماد کے سلاحدار کو بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد اس سے بڑا تحفہ (نورالدین) پہنچے گا۔ نورالدین پر یہ بہت شاق گزرا۔ وہ جوسلن کی گرفتاری کے درپے ہوگیا اور اعلان عام کر دیا کہ جو شخص اس کو زندہ یا مردہ لے آئے گا، اس کو نقد اور جاگیر انعام دی جائے گی۔ اس اعلان پر بہت سے ترکمانی سردار اس کی تاک میں لگ گئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں جوسلن شکار کے لیے نکلا۔ ترکمانوں کو خبر ہوگئی، انہوں نے حملہ کرکے گرفتار کرلیا۔ جوسلن نے ایک بڑی رقم دے کر رہائی کی کوشش کی، لیکن رقم کے آنے میں دیر ہوگئی اور نورالدین کو اطلاع ہوگئی۔ اس نے اسی وقت فوجیں بھیج کر جوسلن کو چھنوالیا اور حلب کے قید خانہ میں قید کر دیا اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ قید ہی میں مر گیا۔ جوسلن کی گرفتاری کے بعد نورالدین نے اس کی حکومت کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا اور اس کے تمام قلعوں میں دس

سے زیر کرنے کے لیے مجیر الدین کی بدگمانی دور کر کے اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے۔ جب اس کو پورا اعتماد ہو گیا، تو نور الدین نے حسن تدبیر سے رفتہ رفتہ ان تمام امراء کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا، دمشق سے الگ کرا دیا اور اتابکی امیر نجم الدین ایوبی کے ذریعہ سے جو دمشق کی حکومت سے متوسل ہو گیا تھا۔ اہل دمشق کو جو فرنگیوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے، دمشق حوالہ کرنے پر آمادہ کر کے ۵۴۹ھ میں فوج کشی کر دی۔ مجیر الدین فرنگیوں کو بعلبک کا قلعہ دے کر ان سے مدد کا طالب ہوا، لیکن نور الدین نے موقع نہ دیا اور فرنگیوں کی مدد آنے سے پہلے قلعہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں کے باشندے اس سے مل چکے تھے۔ اس لیے آسانی کے ساتھ دمشق پر اس کا قبضہ ہو گیا، لیکن مجیر الدین دمشق کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ نور الدین نے اس کا محاصرہ کیا۔ مجیر الدین میں کوئی دم باقی نہ تھا۔ نور الدین نے اسے حمص کا علاقہ دے کر راضی کر لیا اور وہ دمشق چھوڑ کر حمص منتقل ہو گیا اور شام سے بوری حکومت ختم ہو گئی۔

حمص جانے کے بعد مجیر الدین نے اہل دمشق سے سازباز شروع کیا۔ نور الدین کو خبر ہو گئی۔ اس نے فرنگیوں کی سازش کے خطرہ سے اس کو حماۃ منتقل کر دینا چاہا مگر اس پر وہ آمادہ نہ ہوا اور حمص سے بغداد چلا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ (دولت اتابکیہ موصل۔ ۴۸۹، ۴۹۱)

دمشق پر قبضہ کے بعد شام میں نور الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور صلیبیوں کے مقابلے کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ اس سے ان میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا۔

حلب کے مغربی سمت حکومت انطاکیہ کا قلعہ مارم مسلمانوں کے لیے بڑا خطرناک تھا۔ اس لیے ۵۵۱ھ میں نور الدین نے اس پر فوج کشی کی۔ فرنگی مقابلہ نہ کر سکے اور علاقہ حارم کا نصف حصہ دے کر صلح کر لی اور نور الدین حلب لوٹ گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ہی فرنگیوں کی مدد کے لیے یورپ کی تازہ دم فوجیں پہنچ گئیں۔ ان کا سہارا پا کر انہوں نے حمص و حماۃ وغیرہ مختلف علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ان میں بانیاس کا

فرمانروا ہمفری بہت پیش پیش تھا۔ نورالدین نے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں اور ہمفری کے مقابلہ کے لیے خود بکلا اور بانیاس کا محاصرہ کرلیا۔ ۵۵۲ھ میں اس کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ یہاں اس کو بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس سے فرنگیوں کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اس کی یہ فتح اہم فتوحات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض لڑائیاں ہوئیں۔ خصوصاً اس کے امراء اور صلیبیوں میں بہت سے معرکے ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۱ حالات ۵۵۲ھ تا ۵۵۵ھ)

مقتفی کا انتقال: ربیع الاول ۵۵۵ھ میں مقتفی کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت چوبیس سال تین مہینے۔

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا۔ اس میں تدبر و سیاست، شجاعت و شہامت، جرات و حوصلہ مندی، علم و عمل، فضل و کمال، زہد و تقویٰ، حسن خلق و شرافت نفس، تمام دینی و دنیاوی محاسن و اوصاف جمع تھے۔ اس کے پیشروؤں نے جس مہم کا آغاز کیا تھا۔ مقتفی نے اس کو انجام تک پہنچایا اور عراق سے سلجوقیوں کا اقتدار ختم کر کے خلافت بغداد کو ان کے اثر سے بالکل آزاد کر دیا۔

اس کو زمانہ بھی ایسا ملا تھا، جب سلجوقیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی، گو سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا ظاہری ٹھاٹھ باٹھ قائم تھا، لیکن خانہ جنگی نے ان کی قوت ختم کر دی تھی۔ سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا۔ خصوصاً غزوں کے ہاتھوں میں سلطان سنجر کی شکست اور خراسان کی تباہی سے سلجوقی خاندان کی عظمت و شان ختم ہوگئی تھی۔ اس نے شروع ہی سے سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا، چنانچہ ۵۴۱ھ میں سلطان نے بغداد میں ٹکسال قائم کی۔ مقتفی نے اس کے منتظم کو جس نے ٹکسال قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا، گرفتار کرلیا۔ سلطان نے اس کے جواب میں مقتفی کے حاجب کو گرفتار کرلیا۔ اس نے سخت برہمی ظاہر کی اور تین دن تک مسجدیں بند کر دیں۔ اس لیے یہ برہمی دیکھ کر سلطان مسعود کو مجبوراً حاجب کو رہا کرنا پڑا۔ (تاریخ

الخلفاء ص ۴۴۹)

وہ بہ نفس نفیس لڑائیوں میں نکلتا تھا اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا۔اس نے اپنے تمام مخالفین پر فوج کشی کر کے انہیں مغلوب کرلیا۔(تاریخ الخلفاء ص ۴۵۴)

اس کی اس شجاعت وحوصلہ مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت بغداد سلجوقیوں کے پنجہ سے بالکل آزاد ہوگئی۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد مقتفی پہلا خلیفہ تھا' جس نے عراق کو سلاطین کے اثر سے چھڑا کر آزاد حکومت قائم کی اور معتضد کی ایک مستثنیٰ مثال کے سوا مستنصر کے بعد وہ پہلا فرمانروا ہے جس کو خلافت بغداد پر اختیار و اقتدار حاصل ہوا اور فوج عمالان حکومت پر اس کی حکومت قائم ہوئی۔وہ شجاع و جری تھا۔خود لڑائیوں میں نکلتا تھا۔خبر رسانی کے شعبے پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ملک کے کسی گوشہ کی خبر اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔(ابن اثیر ج ۱۱' ص ۹۶)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مقتفی سے پہلے خلافت بغداد سلاطین کے زیر اہتمام تھی۔خلفاء کا صرف نام تھا' مقتفی کے زمانہ سے عراق و بغداد کی حکومت خلفاء کے ہاتھوں میں آئی اور ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ابن سمعانی لکھتا ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا۔اس میں عقل و دانش' علم و فضل' تدبیر و سیاست تمام باتیں جمع تھیں۔اس نے معالم امامت کو زندہ اور رسوم خلافت کو مرتب و منظم کیا۔حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم و فضل' حلم و شجاعت اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا۔اس میں سرداری کی فطری شان تھی۔وہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے امامت کے منصب کا اہل تھا۔خلفاء میں اس کی نظیریں کم تھیں۔کوئی چھوٹے سے چھوٹا حکم بغیر اس کے دستخط کے جاری نہ ہوتا تھا۔

علم دوست اور علماء نواز بھی تھا۔حدیث نبوی ﷺ سے خاص ذوق رکھتا تھا۔علم

کے ساتھ وہ باعمل اور زاہد متورع تھا۔خلافت سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت و ریاضت، تلاوت قرآن اور علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔(تاریخ الخلفا ص ۴۵۱)

طبعاً بڑا نرم مزاج، حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا۔(ابن اثیر ج ۱۱، ص ۹۶) اس کا دور عدل و انصاف اور نیکیوں سے سرسبز و شاداب تھا۔(تاریخ الخلفا ص ۔۴۵۱)

ابو المظفر یوسف بن مقتفی الملقب بہ مستنجد باللہ

(۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء)

مقتفی نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے یوسف کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا، لیکن مقتفی کی ایک لونڈی یوسف کو محروم کر کے اپنے لڑکے ابو علی کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی، چنانچہ مقتفی کے مرض الموت میں اس نے امراء اور عمائد سلطنت کو رشوتیں دے کر ملا لیا اور یوسف کو قتل کرنے کی کوشش کی۔اس کو باپ کے آخری دیدار کے بہانہ سے بلا بھیجا۔جیسے ہی وہ قصر خلافت میں داخل ہوا، مسلح لونڈیوں نے جو پہلے سے متعین تھیں، اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا، لیکن یوسف کی آواز پر داروغہ محل اور فراش پہنچ گئے۔انہیں دیکھ کر لونڈیاں بھاگ گئیں اور یوسف بال بال بچ گیا۔ابو علی اور اس کی ماں گرفتار کر کے قید اور حملہ آور لونڈیاں قتل کر دی گئیں۔مقتفی کی وفات کے بعد شاہی خاندان کے تمام ارکان نے یوسف کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ربیع الاول ۵۵۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مستنجد باللہ لقب اختیار کیا۔اس وقت ۴۵ سال کی عمر تھی۔مقتفی نے خلافت بغداد سے سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی تھی۔خود ان کی قوت بھی زوال پذیر تھی اور ان کو اپنے معاملات سنبھالنے سے فرصت نہ تھی۔اس لیے مستنجد ان کی جانب سے مطمئن رہا۔صرف بعض معمولی واقعات پیش آئے، جن کا بروقت تدارک ہو گیا۔

قبیلہ خفاجہ کی بغاوت اور اس کا استیصال: عرب قبیلہ خفاجہ کو جو عراق میں آباد تھا۔خلافت عباسیہ کی جانب سے اس کو بطور رسوم کچھ غذا اور کھجور ملا کرتا تھا۔اس کے

ملنے میں کچھ تعویق ہوگئی۔ اس لیے وہ ۵۵۶ھ میں اس کے مطالبہ کے لیے حلہ اور کوفہ میں جمع ہوئے۔ امیر ارغش والی کوفہ نے دینے سے انکار کیا۔ حلہ کے شحنہ امیر قیصر نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے انکار پر خفاجہ نے علاقہ سواد کو لوٹ لیا۔ امیر قیصر اور ارغش نے ان پر فوج کشی کر کے رحبہ تک تعاقب کیا۔ خفاجہ نے صلح کرنا چاہی، لیکن ارغش نے منظور نہ کیا۔ اس درمیان میں اور عرب قبائل خفاجہ کی مدد کو پہنچ گئے اور سب نے مل کر ارغش کو بڑی سخت شکست دی اور خود زخمی ہوا اور امیر قیصر مارا گیا اور بغدادی فوج کا بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ امیر ارغش نے رہبہ میں پناہ لی۔ یہاں کے شحنہ نے اس کو اپنی حفاظت میں بغداد بھجوا دیا۔ اس شکست سے بغدادی فوج کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے وزیر ابن ہبیرہ خود خفاجہ سے انتقام لینے کے لیے چلا، لیکن وہ صحرائی علاقہ میں نکل گئے اور ابن ہبیرہ کو ناکام واپس جانا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد خفاجہ نے مستنجد کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم نے جنگ سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا تھا۔ ہم پر فوج کشی کر کے ہم کو لڑنے پر مجبور کیا گیا، ورنہ ہم بھی اطاعت پر قائم ہیں۔ اس لیے درگذر سے کام لیا جائے۔ مستنجد نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۴)

بنی اسد کا استیصال: قبیلہ بنی اسد بھی عراق میں آباد تھا اور یہاں اکثر فتنہ و فساد برپا کرتا رہتا تھا۔ بغداد پر سلطان محمد کی فوج کشی کے زمانہ میں اس نے سلطان کی مدد کی تھی۔ اس لیے ۵۵۸ھ میں مستنجد نے امیر تیرون بن قماج کو حکم دیا کہ بنی اسد کو عراق سے نکال دیا جائے۔ اس نے حلہ مزیدیہ میں ان کا محاصرہ کر کے ان سے ہتھیار رکھوا لیے اور چار ہزار آدمیوں کو قتل کر کے باقی پورے قبیلہ کو عراق سے نکال دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۱۱)

سلیمان شاہ بن سلطان محمد ملک شاہ اول اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد: سلطان محمد کا انتقال مقتفی کے آخری زمانہ ذی الحجہ

۵۵۴ھ میں ہوا تھا۔اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔امیر اقسنقر احمدیلی اس کی وصیت کے مطابق اس کے صغیر السن بچے کو لے کر مراغہ چلا گیا تھا۔اس لیے سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے مسئلہ میں سلجوقی امراء میں اختلاف ہو گیا۔اکثریت سلیمان شاہ بن سلطان محمد کے حق میں تھی۔وہ موصل میں قید تھا۔ان اسباب کی بنا پر سلطان محمد کی موت اور سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے درمیان کئی مہینہ کا وقفہ ہو گیا۔اس دوران میں مقتفی کی موت اور مستنجد کی تخت نشینی کے تمام مراحل طے ہو گئے اور سلطان سلیمان شاہ سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تخت نشین ہوا۔(ابن اثیر ج ۱۱،ص ۹۵،۹۶،وراحۃ الصدور ص ۲۷۵)

لیکن بڑا نا اہل ثابت ہوا۔اسے امور مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا، دربار میں بھانڈوں اور مسخروں کا مجموعہ تھا۔امراء وارکان دولت کی کوئی عزت نہ تھی۔انہیں مشکل سے باریابی کا موقع ملتا تھا۔مسخروں کے مقابلے میں علانیہ ان کی تحقیر ہوتی تھی۔اس لیے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے۔اس کے کارپرداز سلطنت شرف الدین کردباز نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی، لیکن سلیمان پر کوئی اثر نہ پڑا اور الٹے مسخروں سے شرف الدین کا مذاق اڑوایا۔اس لیے وہ بھی خلاف ہو گیا اور اتابک شمس الدین ایلدگز والی آذربائیجان سے مل کر شوال ۵۵۵ھ میں سلیمان کو گرفتار کر کے معزول کر دیا اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد کو تخت نشین کیا۔(ابن اثیر ج ۱۱،ص ۹۹،۱۰۰،اور راحۃ الصدور ص ۲۷۷،۲۷۸)معزولی کے چند مہینوں کے بعد سلیمان شاہ ربیع الثانی ۵۵۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔اس کی مدت حکومت کل سات آٹھ مہینے تھی۔

ارسلان شاہ کے باپ کی وفات کے وقت اس کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی۔سلطان مسعود نے اس کی پرورش کی تھی اور امیر شمس الدین ایلدگز کو اس کا اتالیق مقرر کیا تھا۔شمس الدین نے اس کی بیوہ ماں سے شادی بھی کر لی تھی۔اس لیے

ارسلان شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ہمیشہ اس کا ہوا خواہ رہا۔

وہ سلطان مسعود کے ممتاز امراء میں تھا۔ اس نے سلجوقی خاندان کی خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہ لیا تھا اور اپنے علاقہ اران و آذربائیجان کے انتظام میں مصروف رہا۔ اس لیے اس کی قوت بالکل محفوظ تھی اور اس نے بڑی عظمت و شان حاصل کر لی تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۰) اس نے ارسلان کو سلیمان شاہ کا ولی عہد بھی بنایا تھا۔ پھر سلیمان کی معزول کے بعد اسی کی کوشش سے ارسلان کو تاج و تخت ملا۔ اس نے بھی ایذکر کی بڑی قدردانی کی اور تخت نشینی کے بعد اس کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ (راحتہ الصدور ص ۲۳۸، وتاریخ گزیدہ ص ۴۷۱) اگرچہ ارسلان صرف نام کا بادشاہ تھا۔ اختیارات تمام تر شمس الدین کے ہاتھوں میں تھے، لیکن وہ ہمیشہ ارسلان کا ہوا خواہ رہا۔ انتظامی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ سلجوقی حکومت کا بگڑا ہوا نظام دوبارہ قائم کر دیا اور اس کی بھی کوشش کی کہ سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت اور خلافت بغداد کے درمیان جو تعلقات و روابط تھے، وہ پھر قائم ہو جائیں اور بغداد میں ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے، لیکن ان تعلقات کے تجدید کے معنی یہ تھے کہ پھر خلافت بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت کا موقع مل جاتا۔ اس لیے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور شمس الدین کا قاصد بغداد سے نہایت ذلت کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۰) ارسلان کی تخت نشینی کے وقت کئی سلجوقی شہزادے مختلف مقامات میں تھے اور ان میں سے ہر کسی کو کسی نہ کسی امیر کی حمایت حاصل تھی۔ سلطان محمد کا لڑکا امیر اقسنقر احمدیلی کے پاس مراغہ میں تھا۔ خود ارسلان کا بھائی محمد بن طغرل فارس میں تھا اور امیر حسام الدین ایناج والی رے اور امیر عز الدین ستمار والی اصفہان اس کے حامی تھے۔ (راحتہ الصدور ص ۲۸۶) ابن اثیر کے بیان کے مطابق ایک اور شہزادہ محمد بن شاہ زنگی بن وکلا سلغری والی فارس کے پاس تھا۔ ان امراء کی اطاعت کے بغیر ارسلان شاہ کی حکومت کے لیے خطرات تھے۔ اس لیے امیر شمس الدین نے ان کو ارسلان شاہ کی

اطاعت قبول کرنے کے لیے لکھا۔

خلافت بغداد اور شمس الدین کے تعلقات کشیدہ تھے اور عباسی وزیر ابن ہبیرہ اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا۔ اس لیے اس نے ان امراء کو شہزادوں کے خطبہ کی طمع دلا کر شمس الدین کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور خود ان کو بھی آپس میں لڑانے کی کوشش کی۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۱) امیر شمس الدین ایلدگر نے عز الدین ستمار اور حسام الدین ایناج پر فوج کشی کر کے ان کو مغلوب کر لیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۸۶) زنگی بن وکلاء سلغری والی فارس نے ابتداء میں اس کا پورا مقابلہ کیا، لیکن پھر ایناج وغیرہ کو فوجی مدد دے کر خود خاموش ہو گیا تھا، البتہ اقسنقر کو شمس الدین کو زیر نہ کر سکا۔ اس نے اس کے لڑکے پہلوان کو جو ارسلان شاہ کا ماں جایا بھائی تھا، بڑی فاش شکست دی، لیکن اور دوسرے امراء کی اطاعت کے بعد آقسنقر سے کوئی خاص خطرہ نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے شمس الدین خاموش ہو گیا۔

باطنی: سلطان مسعود نے اپنے زمانہ میں باطنیوں کی قوت توڑ دی تھی، لیکن اس کے بعد کی خانہ جنگی سے پھر ان کو ابھرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے قزوین کے نواح میں ایک قلعہ تعمیر کر کے اس میں سامان جنگ کا ذخیرہ جمع کیا۔ اس لیے ارسلان شاہ قزوین پہنچا اور باطنیوں کو قتل کر کے قلعہ مسمار کرا دیا۔ ان کا دوسرا مرکز قہاب تھا۔ یہاں بھی ان کا ایک سنگین قلعہ تھا۔ قزوین کے بعد ارسلان نے قہاب کے قلعہ کو فتح کیا۔ ارسلان کشا اس کا نام رکھا اور باطنیوں سے حفاظت کے لیے یہاں نبرد آزما سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کیا۔ اس مہم سے واپسی میں زنگی بن وکلاء سلغری والی فارس نے بھی ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ (راحۃ الصدور ص ۲۸۹، ۲۹۰)

نور الدین زنگی اور مجاہدات صلیبی: ۵۵۱ھ تک نور الدین زنگی کے مجاہدات کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس کا سلسلہ قائم رہا، لیکن کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۵۱ھ میں نور الدین نے حصن

حارم پر فوج کشی کی تھی اور فرنگیوں نے حارم کی آدھی ولایت دے کر صلح کر لی تھی۔ اس کے بعد ۵۵۷ھ میں دوسری مرتبہ فوج کشی کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۵۵۹ھ میں اپنے زیر اہتمام امراء اور فرمانرواؤں کو جمع کر کے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی۔ شام کے کل عیسائی اس کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ بڑے بڑے خانقاہ نشین راہب تک حجروں سے نکل آئے اور شام کے سارے فرنگی فرمانرواؤں نے مل کر متحدہ مقابلہ کیا۔ تین مہینہ کی خونریز جنگ کے بعد صلیبیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ ان کے بہت سے ممتاز امراء و فرمانروا بوہمنیڈ والی انطاکیہ، قمص والی طرابلس جنرل ڈیوک اور جوسلین کے لڑکے وغیرہ گرفتار ہوئے اور رمضان ۵۵۹ھ میں حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بوہمنیڈ نے زر فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ (تاریخ اتابکیہ ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ ملخصاً) حارم پر قبضہ کے بعد ۵۶۰ھ میں بانیاس پر فوج کشی کی۔ حارم کی شکست سے صلیبیوں کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ انہوں نے نئی قوت فراہم کرنے کی کوشش کی، لیکن اس سے پہلے ہی نورالدین نے بانیاس کو فتح کر لیا اور اس کی حفاظت کا سامان کر کے واپس گیا، پھر ۵۶۲ھ میں حصن منیطرہ پر قبضہ کر لیا۔

فاطمیہ مصر کی حالت: اسی سنہ میں نورالدین کے نامور امیر اسدالدین شیرکوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کی دعوت پر مصر پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی کے آخر سے فاطمیہ مصر کی حالت بگڑ گئی تھی۔ سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی ۴۲۷ھ کے زمانہ سے مصر کی حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ خلفاء کی حیثیت اور ان کے اختیارات ختم ہو گئے تھے اور حکومت تمام تر وزراء و امراء کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ان کے مقابلہ میں خلفاء کی بے بسی کا وہی حال ہو گیا تھا جو دیالمہ کے دور عروج میں عباسی خلفاء کا تھا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۱۷)

پھر ان وزراء و امراء کی خودغرضی اور آپس میں کشمکش کی وجہ سے حالت اور گرتی گئی اور نورالدین کے زمانہ میں اس کا حال دمشق کی پوری حکومت کے جیسا ہو گیا

تھا۔ وزراء کو اپنے جاہ و اقتدار کے تحفظ سے فرصت نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۴۸ھ میں صلیبیوں نے عسقلان پر، جو شام میں مصری حکومت کا نہایت اہم مقبوضہ تھا، قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۷) اس کے نکل جانے سے فاطمیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ فائز باللہ فاطمی ۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ کے زمانہ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہ اپنی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے کے لیے ان کو سالانہ رقم دیتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۰۹، ۱۱۰) فائز کے بعد اس کے وزیر طلائع بن رزیک الملقب بہ الملک الصالح نے فاطمی خاندان کے ایک نوعمر لڑکے عاضد کو تخت نشین کیا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ کر حکومت مصر کا مختار کل بن گیا اور ان تمام امراء کو جن کی جانب سے مزاحمت کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ قاہرہ سے باہر مختلف مقاموں پر بھیج دیا۔ اس کے اس استبداد سے تمام امراء اس کے خلاف ہو گئے اور خود عاضد کی پھوپھی نے جو حرم سلطانی کے اندر اس کے استبداد سے نالاں تھی، امراء کو ملا کر طلائع کو قتل کرا دیا۔ اس کے قتل کے بعد عاضد نے اس کے لڑکے زریک ابن طلائع الملقب بہ الملک العادل کو منصب وزارت عطا کیا۔ طلائع کے زمانہ ہی میں ان کے ساختہ و پرداختہ ایک امیر شاور سعدی والی سعید مصر نے اتنا عروج حاصل کر لیا تھا کہ خود طلائع اس سے ڈرتا تھا اور اپنے لڑکے زریک کو وصیت کرتا گیا تھا کہ شاور کو نہ چھیڑنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے، لیکن اس نے ناتجربہ کاری سے شاور کی معزولی کا پروانہ جاری کر دیا۔ اس نے قاہرہ پر فوج کشی کر دی اور زریک کو قتل کر کے اس کے منصب پر قابض ہو گیا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ایک دوسرے فاطمی امیر ضرغام نے اس کو نکال دیا اور اپنے تحفظ کے لیے تمام فاطمی امراء کو چن چن کر قتل کرا دیا۔ (یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

مصر پر شیرکوہ کی فوج کشی: شاور مصر سے نکل کر شام پہنچا اور نورالدین سے درخواست کی کہ اگر اس کو اس کے منصب پر بحال کرا دے تو وہ مصر کے ایک تہائی حصہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق مصر کی حکومت

چلائے گا۔مصر پر قبضہ نورالدین کے اصل مقصد صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے نہایت مفید تھا' لیکن مختلف اسباب کی بنا پر اس کو مصر پر فوج کشی میں تامل ہوا' پھر غور وفکر کے بعد ۵۶۹ھ میں اس نے اپنے نامور اور تجربہ کار امیر اسدالدین شیرکوہ کو فوجیں دے کر شادر کے ساتھ کر دیا۔(نورالدین کے زمانہ میں ایک نیا خاندان ایوبی پیدا ہوا۔اسدالدین شیرکوہ اسی کا ممتاز رکن تھا۔اتابکی حکومت کے دامن میں اس خاندان کی نشوونما ہوئی۔اپنے کارناموں سے اس نے اتنی ترقی کی کہ فاطمی حکومت کو ختم کر کے مصر میں ایوبی حکومت قائم کر لی اور نورالدین کی وفات کے بعد اس کے نامور فرمانروا صلاح الدین ایوبی نے صلیبی مجاہدات میں اس کی نیابت کی اور بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ایوبی خاندان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی جانب منسوب ہے۔نجم الدین کا باپ شادی بن مروان نسلاً کرد اور آذربائیجان کے علاقہ دوین کے عمائد میں تھا۔بعض روایتیں اس کے عربی نسل ہونے کی بھی ہیں' لیکن وہ سراسر غلط ہیں۔(ابن خلکان ج ۲'ص ۲۷۷) شادر کا ایک ہم وطن اور دوست مجاہدالدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے دربار سے متوسل ہو گیا تھا اور اپنی قابلیت و کارگزاری سے بڑی ترقی حاصل کی۔جمال الدین کے لقب سے ملقب اور بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوا اور اس کا شمار ممتاز سلجوقی امراء میں ہونے لگا۔اس کے اور شادر کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔اس نے شادی کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنے پاس بلا بھیجا۔وہ مع اہل وعیال کے اس کے پاس چلا گیا۔اس نے ان کی بڑی مدارات کی۔کچھ دنوں کے بعد سلطان مسعود نے مجاہدالدین کو بغداد کی شحنگی پر مامور کیا اور شادی کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا اور اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد شادی کا انتقال ہو گیا۔اس کے دو لڑکے تھے۔نجم الدین اور اسدالدین شیرکوہ شادی کے بعد بڑے لڑکے نجم الدین کو باپ کی جگہ ملی۔اس نے بڑی قابلیت

اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔

اسی زمانہ میں عماد الدین زنگی کو سلجوقی امیر قراجہ ساقی کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ واپسی میں وہ تکریت پہنچا۔ نجم الدین نے اس کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دیں۔ دجلہ عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا سامان کر دیا۔ اس سے عماد الدین بہت متاثر ہوا۔ اس طرح اتابکی خاندان سے نجم الدین کے تعارف کا آغاز ہوا۔ چند دنوں کے بعد نجم الدین کے چھوٹے بھائی اسد الدین شیرکوہ نے جو اس کے ساتھ تکریت میں تھا۔ ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس لیے مجاہد الدین نے دونوں بھائیوں کو الگ کر دیا۔ عماد الدین سے نجم الدین کا تعارف ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ تکریت سے نکل کر موصل پہنچا۔ عماد الدین نے اسے اپنی فوج میں داخل کر کے جاگیر عطا کی، پھر بعلبک پر قبضہ کے بعد نجم الدین کو اس کا حاکم بنا دیا اور اسد الدین کو اپنے لڑکے نور الدین کی خدمت پر مامور کیا۔

عماد الدین زنگی کی موت کے بعد مجیر الدین آبق فرمانروائے دمشق نے بعلبک پر فوج کشی کر دی۔ نجم الدین کے پاس مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ عماد الدین کا لڑکا سیف الدین غازی، دوسری مہموں میں مشغول تھا۔ اس لیے وہ بھی مدد نہ بھیج سکا۔ نجم الدین نے جب دیکھا کہ بعلبک کا بچانا اس کے امکان سے باہر ہے تو مجیر الدین آبق سے سمجھوتہ کر کے بعلبک اس کے حوالہ کر دیا۔ اس کے صلہ میں مجیر الدین نے اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا۔ نجم الدین نے اپنی قابلیت و گارگزاری سے دمشق میں بڑا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ اسد الدین شیرکوہ برابر نور الدین ہی کی خدمت میں رہا۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بہادر، شجاع اور نور الدین کی فتوحات میں اس کا دست راست تھا۔ نور الدین بھی اس کا بڑا قدردان تھا۔ اس کو جاگیر عطا کی اور اتابکی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا۔ نور الدین نے جب دمشق پر فوج کشی کی۔ اسد الدین نے اپنے بھائی نجم الدین کو لے کر جس کا دمشق میں بڑا اثر تھا، دمشق پر قبضہ کرایا۔ جس کی تفصیل

اوپر گذر چکی ہے۔اس خدمت کے صلہ میں نورالدین نے دونوں بھائیوں کو دمشق میں بڑی جاگیر دی اور نجم الدین بھی نورالدین کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔(دولت اتابکیہ ص ۳۱۳، ۳۱۵) اس نجم الدین کا فرزند صلاح الدین ایوبی تھا۔صلاح الدین ۵۳۴ھ میں تکریب میں جب نجم الدین وہاں کا حاکم تھا، پیدا ہوا۔اس کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا۔اس لیے صلاح الدین کی ولادت نامسعود سمجھی گئی، لیکن یہی مولود نامسعود آگے چل کر جنگ صلیبی کا ہیرو بنا۔صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ ہی رہا۔دمشق پر نورالدین کے قبضہ کے وقت اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔اس وقت سے وہ برابر نورالدین کے ساتھ رہا۔اسی زمانہ میں اس میں بلندی کے آثار نمایاں تھے۔اس لیے اس پر نورالدین کی بڑی نظر توجہ تھی اور وہ اسے بہت مانتا تھا۔اس کے فیض صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر اس کو صلاح الدین اعظم بنا دیا۔(ابن خلکان ج ۲، ص ۲۷) وہ نوعمری ہی میں بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہوتا تھا۔۵۶۴ھ میں مصر کی فوج کشی میں اپنے چچا کے ساتھ تھا۔اس کی وفات پر مصر کے عہدہ وزارت پر ممتاز ہوا جو اس کی آئندہ زندگی کا دیباچہ ثابت ہوئی۔بعض واقعات عجیب و غریب طریقے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ امور جو بظاہر ہر ایک شخص کے لیے نامرغوب ہوتے ہیں اور جن کو وہ قبول کر لینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، آئندہ ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔صلاح الدین مصر کی فوج کشی میں جو اس کی ترقی کا سنگ بنیاد تھی۔بادل نخواستہ بلکہ جبری شریک ہوا تھا۔اس کا بیان ہے کہ جب سلطان نورالدین نے میرے چچا اسدالدین کو مصر جانے کا حکم دیا تو وہ خود خوش دلی سے آمادہ نہ تھا، لیکن نورالدین کے اصرار سے وہ مجبور ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے دل میں چھری جھونک دی۔میں نے کہا گذشتہ فوج کشی میں میں نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں۔انہیں کبھی بھول نہیں سکتا۔اگر اب مجھے مصر کی حکومت بھی دی جائے تو بھی میں نہ

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

کر شام لوٹ گئے' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے بانیاس پر بھی نورالدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ان کی واپسی کے بعد اسدالدین بھی شام لوٹ گیا۔ (تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۱۵ تا ۲۱۸ ملخصا) اس کو شاور کی بدعہدی اور صلیبیوں سے مدد لینے پر بڑی برہمی تھی۔ اس لیے مصر سے واپسی کے بعد ہی سے وہ نورالدین کو دوبارہ اس پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرتا رہا۔ دو سال کے بعد اس نے اجازت دے دی اور ۵۶۲ھ میں اسدالدین نے دوسری مرتبہ فوج کشی کی اور دریائے نیل کو عبور کر کے مصر کے مغربی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ مصریوں نے اس کو روکنے کے لیے پھر صلیبیوں کی جانب رجوع کیا۔ اس مرتبہ وہ پہلے سے بھی زیادہ تیاری اور جوش کے ساتھ مصر پہنچے۔ اسدالدین اس وقت صعید مصر میں تھا۔ اس کے پاس کل ایک ہزار سپاہ تھی اور صلیبیوں کی قوت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ جاسوسوں نے اسدالدین کو اس کی اطلاع دی۔ اس کو خود صلیبیوں کی کثرت تعداد کی پرواہ نہ تھی' لیکن اسے خطرہ تھا کہ ملک کی اجنبیت' سامان رسد کی کمی اور مرکز سے دوری کی بنا پر دوسرے ساتھی کمزوری نہ دکھائیں۔ اس لیے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جنگ کی مشکلات اور دشواریاں بیان کر کے واپس جانے کی رائے دی' لیکن نورالدین کے ایک بہادر غلام شرف الدین برغش نے کہا کہ جو شخص قتل و گرفتاری سے ڈرتا ہو' اسے سلاطین کی ملازمت نہ کرنی چاہیے' بلکہ کاشتکار بننا چاہیے اور گھر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے' اگر تم لوگ کامیابی حاصل کیے بغیر واپس گئے تو سلطان کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اسی دن کے لیے اس نے تم کو بڑی بڑی جاگیریں دی ہیں۔ سلطان کو حق ہو گا کہ وہ ان کو تم سے چھین لے۔ مسلمانوں کا مال تو لیتے ہو اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ سے منہ موڑتے ہو۔ مصر جیسے ملک کو کافروں کے ہاتھوں میں چھوڑے جاتے ہو۔

اس پر جوش تقریر پر سب کی رائے بدل گئی اور وہ نہایت جوش سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس دوران میں مصری اور صلیبی فوجیں بھی پہنچ گئیں۔ بابین میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور اتابکی فوجوں کی جانبازی اور اسدالدین کی جنگی قابلیت سے کل

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

اس کا قبضہ ہمارے لیے پیام موت ہے۔ پھر وہ ہم کو شام سے نکالے بغیر نہ رہ سکے گا' لیکن دوسرے فرنگی امراء اور فرمانرواؤں نے اس کو مجبور کیا کہ اس وقت مصر خالی ہے' اگر فوراً فوج کشی کر دی جائے تو جب تک نورالدین کو خبر ہو گی اور وہ فوج بھیجے گا' اس وقت تک ہم اس پر قابض ہوں گے اور خود اس کے لیے مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ ان کے اصرار پر اموری کو بادل نخواستہ مصر پر فوج کشی کرنی پڑی اور اس نے بلبیس پر قبضہ کر کے اس کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور اس کی پوری آبادی قید کر لی۔ بلبیس کے بعد قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس کے انجام کو دیکھ کر قاہرہ والوں نے مدافعت میں جان لڑا دی اور صلیبیوں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا' لیکن بیرونی امداد کے بغیر زیادہ دنوں تک ان کو روکنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔ اس لیے شاور نے آگ لگوا کر شہر کو جلوا دیا اور عاضد نے اپنی بیویوں کے بال تراش کر نورالدین کے پاس بھیجے کہ وہ تم سے مدد کے خواستگار ہیں کہ انہیں فرنگیوں کے ہاتھ سے بچاؤ' اسی مضمون کا خط اسدالدین کے پاس بھی بھیجا اور اس کے معاوضہ میں مصر کا تہائی حصہ پیش کیا۔ اس خط پر نورالدین نے ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ اس مرتبہ خود مصری صلیبیوں کے خلاف ہو گئے اور ان میں تنہا اسدالدین کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے اس کے مصر پہنچنے کے بعد انہوں نے مصر چھوڑ دیا اور ربیع الاول سنہ مذکور میں قاہرہ پہنچ گیا۔ عاضد نے اسے خلعت عطا کیا اور بڑی فیاضی کے ساتھ پوری فوج کی میزبانی کی اور اسے انعامات دیئے۔

صلیبیوں کی مصیبت ٹلنے کے بعد پھر شاور کی نیت میں فتور آ گیا۔ وہ اتابکی فوج کی پذیرائی اور مصر کا ایک جزو بھی نورالدین کو دینا پسند نہ کرتا تھا' لیکن عاضد کی وجہ سے مخالفت نہ کر سکا اور اس معاملہ کو ٹالتا رہا' لیکن جب اسے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے شیرکوہ کو دعوت کے بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا۔ اس کے لڑکے کامل میں ملی حمیت تھی۔ اس نے مخالفت کی اور باپ سے کہا کہ اگر آپ اس

ارادہ سے باز نہ آئے تو میں شیرکوہ کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔ شاور نے کہا کہ اگر میں اس کو گرفتار نہیں کرتا ہوں تو ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ کامل نے کہا یہ صحیح ہے' اگر ہم اسلام کی حالت میں قتل کر دیئے جائیں گے اور مصر مسلمانوں کے قبضے میں باقی رہے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم بھی قتل کیے جائیں اور مصر فرنگیوں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ جیسے ہی ان کو شیرکوہ کی گرفتاری کی خبر ہو گی' وہ فوراً پہنچ جائیں گے۔ اس وقت اگر عاضد خود بھی نورالدین کے پاس جائے گا تو وہ ایک سوار بھی مدد کے لیے نہ بھیجے گا اور صلیبی مصر پر قابض ہونے کے بعد سخت فساد برپا کریں گے' چنانچہ کامل کے اصرار سے شاور اپنے فاسد ارادہ سے باز آ گیا' لیکن تباہی مصر کے حوالہ کرنے کے وعدہ کو برابر ٹالتا رہا۔ اس کی روش دیکھ کر شیرکوہ کے بھتیجے صلاح الدین یوسف اور امیر عزالدین جوروک نے شاور کو گرفتار کر لیا اور وہ عاضد کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد عاضد نے اسدالدین کو منصب وزارت اور الملک المنصور کا معزز لقب عطا کیا۔ اس طرح فاطمی حکومت نورالدین کے ماتحت ہو گئی' لیکن وزارت ملنے کے کل دو ہی مہینے بعد جمادی الثانی ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد عاضد نے صلاح الدین یوسف کو منصب وزارت پر مامور کیا اور الملک الناصر کا لقب عطا کیا۔ اس نے مصر میں نورالدین کا خطبہ جاری کر دیا اور اس کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ مصر کی وزارت اتنا بڑا اعزاز تھا کہ مصری امراء کے علاوہ بہت سے اتابکی امراء بھی صلاح الدین کے خلاف ہو گئے' لیکن اس نے ان سب کو زیر کر لیا اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا۔ اصل حکومت اس کے ہاتھوں میں تھی' عاضد محض برائے نام حکمران تھا۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۴۶ و ۲۵۷)

دولت فاطمیہ میں موتمن خلافت یعنی محلات شاہی کی داروغگی بڑا معزز و مقتدر عہدہ تھا۔ عاضد کے زمانہ میں ایک حبشی خواجہ سرا اس عہدہ پر مامور تھا۔ اسے ایک

نووارد کا اقتدار گوارہ نہ تھا' چنانچہ اس نے صلاح الدین کو مصر سے نکالنے کے لیے صلیبیوں کے پاس خط لکھا' یہ خط پکڑ لیا گیا۔ صلاح الدین بالکل خاموش اور موقع کا منتظر رہا اور چند دنوں کے بعد موتمن خلافت کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور قصر سلطانی کا سارا عملہ بدل دیا۔ موتمن کے انتقام میں اس کے ہم قوم پچاس ہزار فرنگی جمع ہو گئے۔ ان میں اور اتابکی فوجوں میں بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ آخر میں زنگی اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئے۔ صلاح الدین نے درگزر سے کام لیا' لیکن ان کو قاہرہ سے جیزہ منتقل کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۲۹' ۱۳۰) مصر میں صلاح الدین کے اقتدار اور نورالدین کے اثر سے فرنگیوں میں بڑی تشویش پیدا ہو گئی۔ انہوں نے اندلس اور سسلی کی حکومتوں کو لکھا کہ اگر مصر کے اس نئے انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا تو بیت المقدس کے نکل جانے کا خطرہ ہے۔ شام کے قسیس اور راہبوں نے علیحدہ اندلس اور سسلی کا سفر کر کے یہاں کے باشندوں کو شام کے فرنگیوں کی مدد کے لیے ابھارا۔ انہوں نے فوج' اسلحہ اور مال کی پوری امداد کی اور شام کے صلیبیوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کر کے دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ صلاح الدین نے بھی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا اور اپنی کل فوجیں نیل کے راستہ دمیاط بھیج دیں۔ نورالدین نے علیحدہ امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا اور خود فرنگیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم تاخت شروع کر دی۔ ایک مہینہ تک دمیاط کا محاصرہ قائم رہا' لیکن فرنگیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مصر میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اور شام علیحدہ نورالدین کے حملوں سے زیروزبر ہوا جاتا ہے' تو پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر نا کام لوٹ گئے۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

مستنجد کی وفات: ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے وزیر ابوجعفر بن بلدی' استاد دار امیر عضدالدین ابوالفرج اور امیر قطب الدین قاماز میں باہم مخالفت تھی۔ مستنجد وزیر ابوجعفر کے ساتھ تھا۔ اس نے

ابوجعفر کو دونوں امیروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ عضدالدین اور قطب الدین کو اس کی خبر ہوگئی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں مستنجد زیادہ بیمار ہو گیا۔ اس کا طبیب عضدالدین اور قطب الدین سے ملا ہوا تھا۔ ان کے ایماء سے اس نے مستنجد کو حمام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس میں کمزوری کی وجہ سے حمام کی طاقت نہ تھی' لیکن دونوں امیروں نے زبردستی لے جا کر حمام میں بند کر دیا اور وہ اسی میں گھٹ کر مر گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۳۵) اس وقت چھپن سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت دس سال۔

اوصاف: مستنجد عدل پرور' رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا۔ اپنے زمانہ میں ہر قسم کے ٹیکس بند کر دیئے تھے۔ جس قدر مال ناجائز طریقہ سے وصول کیا گیا تھا۔ سب کو واپس کر دیا۔ شورش اور فتنہ انگیزی کو سخت ناپسند کرتا تھا اور فتنہ انگیزوں کو پوری سزا دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شورش پسند گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا۔ مستنجد نے اسے قید کرا دیا۔ بڑے بڑے امراء نے اس کے بارے میں سفارش کی اور اس کی رہائی کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں پیش کیں۔ مستنجد آمادہ نہ ہوا اور امراء سے کہا کہ تم اور فسادیوں کو گرفتار کر کے لاؤ۔ میں تم کو اتنا ہی معاوضہ دوں گا۔ تا کہ مخلوق کو ان کے شر سے نجات ملے۔ بغداد کے ایک قاضی ابن مرخم بڑے جابر تھے۔ انہوں نے بڑی دولت جمع کی تھی۔ مستنجد نے انہیں گرفتار کر کے کل دولت ضبط کر لی اور اس کو ان کے مستحق ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۳۵) ابن جوزی کا بیان ہے کہ مستنجد عاقل' فہیم صاحب الرائے' ذہین و زکی اور فاضل خلیفہ تھا۔ علم و فن کا بڑا مذاق رکھتا تھا۔ اصطرلاب اور فلکی آلات بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی نظم و نثر دونوں بلیغ ہوتی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۳ بحوالہ ابن جوزی)

ابومحمد حسن بن مستنجد الملقب بہ مستضی بامر اللہ

(۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ مطابق ۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۹ء)

مستنجد کے قتل کرنے کے بعد امیر عضدالدین و قطب الدین نے اس کی موت کا

منصب سے الگ ہونا پڑے گا۔اس نے قطب الدین کی دوسری بیوی یعنی عمادالدین کی سوتیلی ماں اور امراء کو ملا کر قطب الدین کے دوسرے لڑکے سیف الدین غازی کو جو اس کے بطن سے تھا، تخت نشین کر دیا۔اس میں کوئی صلاحیت نہ تھی۔اس لیے حکومت کی باگ فخر الدین کے ہاتھوں میں آ گئی اور اس نے ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا۔نورالدین پہلے ہی سے اس کے خلاف تھا۔اس کے جور و استبداد کی خبر سن کر موصل پر فوج کشی کر دی۔یہاں کے باشندے فخر الدین کے مظالم سے نالاں اور اس کے خلاف تھے۔اس لیے وہ نورالدین کو موصل حوالہ کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔فخر الدین نے جب دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے چند شرائط پر نورالدین کی اطاعت قبول کر لی۔ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس کو موصل سے الگ نہ کیا جائے گا۔نورالدین نے اس کے سوا باقی اور سب شرطیں مان لیں اور فخر الدین سے کہا کہ میں اپنے بچوں کا ملک چھیننے نہیں آیا ہوں، بلکہ لوگوں کو تمہارے مظالم سے چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔تمہاری بجائے میں خود ان کی نگرانی کروں گا۔جمادی الثانی ۵۶۵ھ میں فخر الدین نے موصل نورالدین کے حوالہ کر دیا۔اس نے سیف الدین غازی کو موصل پر برقرار رکھا۔البتہ قطب الدین کی میراث شریعت کے مطابق اس کے سب لڑکوں میں تقسیم کر دی۔سنجار کا علاقہ عمادالدین کو دیا اور فخر الدین کے مقرر کردہ کل ٹیکس موقوف کر کے بیس دن کے بعد شام لوٹ گیا اور فخر الدین کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔شام میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو موصل کا قیام پسند خاطر تھا۔پھر اس قدر جلد واپسی کیوں عمل میں آئی۔اس نے کہا موصل کے بارہ میں میری نیت میں فتور آ چلا تھا، اگر زیادہ قیام کرتا تو ممکن تھا کہ میرے ہاتھوں سے ظلم ہو جاتا اور وہاں کے قیام سے جہاد میں بھی تاخیر ہوتی۔(تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۷۶ تا ۲۷۹)

مصر پر صلاح الدین کا قبضہ اور فاطمی حکومت کا خاتمہ:

صلاح الدین کی وزارت مصر تک کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔جب

اس کے مخالفین کی قوت مصر سے بالکل ختم ہوگئی اور اس کے قدم پوری طرح جم گئے۔ اس وقت نورالدین نے اس کو لکھا کہ وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کر کے مستضی کا خطبہ جاری کر دے، گو اب فاطمی حکومت بالکل چراغ سحری تھی، لیکن اس کے کئی صدیوں کے اثرات کی بنا پر مستضی کے خطبہ سے عام مخالفت کا خطرہ تھا۔ اس لیے صلاح الدین نے اس کی دشواریاں ظاہر کر کے معذرت چاہی مگر نورالدین نے پورے اصرار کے ساتھ حکم دیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں عاضد مرض الموت میں مبتلا ہوگیا۔ اس لیے نورالدین کو موقع مل گیا اور اس نے محرم ۵۶۷ھ میں تجربہ کے طور پر خطبہ میں مستضی کے لیے دعا کرائی۔ کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ اس لیے دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کر کے مستضی کا خطبہ جاری کرا دیا اور اس کی مخالفت میں بھی کوئی آواز نہ اٹھی۔ عاضد کی خاطر شکنی کے خیال سے اس کو خبر نہ کی گئی اور اس کے دو ہی تین دن کے بعد ۵۶۷ھ میں عاشورہ کے دن اس کا انتقال ہوگیا۔ فاطمی خاندان بالکل ختم ہو چکا تھا۔ اس کے کسی فرد میں کوئی ہمت و حوصلہ نہ رہ گیا تھا۔ فاطمی امراء اور ہوا خواہوں کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا، صلاح الدین پہلے ہی مصر سے الگ کر چکا تھا۔ اس لیے عاضد کے بعد کوئی حکومت کا دعوے دار کھڑا نہیں ہوا اور تقریباً پونی تین صدیوں کے بعد فاطمی خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور مصر میں ایوبی حکومت قائم ہوگئی۔ فاطمی حکومت نے اپنے زمانہ میں علم و تمدن کی بڑی خدمت انجام دی، لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے، بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیاست و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا۔ ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرۂ روزگار عجائبات سے معمور تھے۔ یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز و سامان حد شمار سے باہر تھا۔ ان کے پاس ایسے بے بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں، جن کی مثال دنیا میں ناپید

تھی۔ سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی۔ سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی قدر چوڑا زمرد تھا۔ (تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۷۶، ۲۷۹) ایسے ایسے دریتیم تھے کہ دنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا۔ ایک لاکھنا در و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا، جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۳۸، و دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۲ تا ۲۸۶)۔ لین پون کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور ان کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے:

فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار ہزار مرمر اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا۔ جس میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا۔ جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا، خلیفہ کے اردگرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے۔ عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تھا تو انہی جالیوں سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا۔ قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے۔ دیوان خاص کا کام دیتا تھا۔ قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو جو سامان تھے، ان کا ذکر مورخوں نے کم کیا ہے، لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن و جواہرات کا جو عجیب و غریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گزرا، جس کا نام جبل نور تھا۔ اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا۔ اس یاقوت کو خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا۔ فاطمیین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی مدتوں ضرب المثل رہی۔ انہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے۔ اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف نقشیں اور مینا کاری کی طلائی چیزیں، صندوق اور صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچیکاری تھی، کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آبنوس، ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں، درج ملتی ہیں۔ اعلیٰ

ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں، جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا۔ فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لال جڑے تھے۔ سنگ ساق کی میزیں، بے شمار برنجی ظروف، جن پر سونے چاندی کا کام تھا۔ دیوار پوش، بھاری زری کے ریشمیں پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت صلاح الدین کو ملی۔ اس میں ایک چیز بھی اس نے اپنے پاس نہ رکھی، کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں۔ کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے۔ یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی کل کو نذر کر دیں۔ باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جو سب کے نفع کے لیے تھا۔ (صلاح الدین لین پول ص ۹۹، ۱۰۰)

فاطمی حکومت خلافت بغداد کی حریف تھی۔ اس کے خاتمہ پر بغداد میں بڑا جشن مسرت منایا گیا۔ مستضی نے نورالدین اور صلاح الدین اور مصر کے تمام خطیبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ان کے رتبہ کے مطابق خلعتیں اور اپنا نشان سیاہ علم بھیجے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۸)

نورالدین اور صلاح الدین: دنیائے سیاست میں ایک ہی درجہ کے دو فرمانرواؤں کا ایک دوسرے کے ماتحت رہنا ممکن نہیں۔ اس لیے مصر میں صلاح الدین کے استقلال کے بعد ہی نورالدین اور صلاح الدین میں اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی، لیکن صلاح الدین کے باپ نجم الدین کی دانشمندی سے بڑھنے نہ پائی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶۷ھ میں نورالدین نے فرنگیوں کے قلعہ کرک پر جو مصر کے سرحدی سمت میں تھا، فوج کشی کا ارادہ کیا اور صلاح الدین کو بھی فوجوں کے ساتھ کرک پہنچنے کا حکم دیا۔ صلاح الدین اس کی تعمیل کے لیے آمادہ ہو گیا اور نورالدین کو اس کی اطلاع دے دی، لیکن اس کے بعض ناعاقبت اندیش ساتھیوں نے اس کو نورالدین سے ڈرایا کہ اگر

مصر و شام کے درمیانی علاقے سے فرنگی ہٹ گئے تو پھر کوئی روک نہ رہ جائے گی اور نورالدین مصر پر قبضہ کر لے گا۔ یہ بات ایسی لگتی ہوئی تھی کہ صلاح الدین کی بھی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے کرک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نورالدین کو لکھ بھیجا کہ وہ اس وقت مصر کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہاں سے ہٹنے سے معذور ہے۔ نورالدین پر اس کی یہ عدول حکمی سخت شاق گزری۔ اس نے یہ عذر قابل قبول نہ سمجھا اور خود مصر پر فوج کشی کا عزم کر لیا۔ صلاح الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے اعزہ اور امراء سے مشورہ کیا۔ اس کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے کہا اگر سلطان نے مصر کا قصد کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اعزہ نے بھی اس کی تائید کی' لیکن صلاح الدین کے کہن سال اور تجربہ کار باپ نجم الدین نے تقی الدین کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور صلاح الدین سے کہا: ''میں تمہارا باپ اور یہ شہاب الدین تمہارا ماموں ہے۔ کیا ہم دونوں کے برابر تمہارا کوئی اور خیر خواہ ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ نجم الدین نے کہا تو پھر سن لو میں تمہارا باپ اور شہاب الدین ماموں ہو کر بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے کہ سلطان کو دیکھ کر زمین بوس نہ ہوں۔ اگر وہ ہم کو تمہاری گردن مارنے کا حکم بھی دے گا تو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ جب ہمارا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ اس وقت جو امراء تمہارے سامنے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک بھی سلطان پر نظر پڑنے کے بعد گھوڑے کی زین پر قائم نہیں رہ سکتا۔ سب سواری سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہوں گے۔ یہ سارا ملک سلطان کا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے تم کو صرف اس کا حاکم بنایا ہے' اگر وہ تم کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے فوج کشی کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی ایک تحریر کافی ہے اور امراء سے کہا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم سب سلطان کے غلام ہیں' ہمارے بارہ میں اس کو پورا اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے۔

امراء کے ہٹنے کے بعد صلاح الدین سے کہا تم ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار

ہو۔ مجمع عام میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہو' اگر نورالدین کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ تمہارے مقابلہ کو خاص مقصد بنالے گا۔ اس وقت تک ان امراء میں سے ایک بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا' بلکہ یہی لوگ تم کو پکڑ کر اس کے حوالہ کر دیں گے۔ میں نے ان کے سامنے جو باتیں کہی ہیں۔ اس کی خبر وہ ضرور نورالدین کو دیں گے۔ تم بھی اس کو لکھو کہ میرے معزول کرنے کے لیے حضور کی زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ادنیٰ خادم کو بھیج دیجئے' وہ میری گردن میں رسہ ڈال کر مجھے حاضر کر دے۔ صلاح الدین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ نجم الدین کا خیال صحیح نکلا۔ امراء نے نورالدین کو اس کی باتوں کی خبر کر دی۔ اس لیے وہ مطمئن ہو گیا اور مصر پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۶ تا ۲۸۸)

ایشیائے کوچک پر فوج کشی اور قلج ارسلان کی اطاعت: پہلی جنگ صلیبی کے دفاع میں قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کا بڑا حصہ تھا' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' لیکن اس کا پوتا عزالدین قلج ارسلان یونانی حکومت سے صلح کر کے گوشہ عافیت میں بیٹھ گیا تھا اور صلیبی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیتا تھا۔ مذہبی عقائد کے بارہ میں بھی وہ متہم تھا۔ اس لیے نورالدین اس سے خوش نہ تھا۔ اتفاق سے اس نے ذوالنون بن دانشمند والی ملیطہ و سیواس کا علاقہ چھین لیا۔ اس نے نورالدین سے فریاد کی۔ نورالدین نے قلج ارسلان کو لکھا کہ وہ ذوالنون کا ملک اسے واپس کر دے' لیکن اس نے نہ سنا۔ اس لیے نورالدین نے اس پر فوج کشی کر کے ذوالنون کا علاقہ اسے واپس دلایا۔ اس کے بعد قاضی قلج ارسلان کے مقبوضات کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ قلج ارسلان میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ معافی کا خواستگار ہوا۔ نورالدین کا مقصد صرف اس کی اصلاح و تادیب تھا۔ اس لیے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کر لی کہ قلج ارسلان اس کے قاصد کے ہاتھوں اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر کے تجدید اسلام کرے گا۔ سرحدی رومیوں سے یا خود جہاد کرے گا یا صلیبی جہاد میں نورالدین کی فوجی مدد کرے گا اور اپنی

لڑکی کی شادی نورالدین کے بھتیجے سیف الدین غازی کے ساتھ کردے گا۔ قلج ارسلان نے یہ سب شرطیں منظور کرلیں اور نورالدین تھوڑی سی فوج سیواس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر شام لوٹ گیا۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۹۰، ۲۹۱)

وفات: اس کے ایک سال کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے بھی وہ وقت آ گیا، جس سے کسی انسان کو مفر نہیں اور چند مہینے خناق کے مرض میں بیمار رہ کر ۱۰ شوال ۵۶۹ھ میں اپنے رب کے روبرو حاضر ہوگیا۔ پہلے دمشق کے قلعے میں تجہیز و تکفین عمل میں آئی پھر کچھ دنوں کے بعد لاش اس کے تعمیر کردہ مدرسہ میں جو اس نے علمائے احناف کے لیے بنوایا تھا، منتقل کر دی گئی، انتقال کے وقت اٹھاون سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت اٹھائیس سال۔

اخلاق و سیرت: نورالدین جن اوصاف و کمالات کا فرمانروا تھا، اور اس نے جو گونا گوں مذہبی کارنامے انجام دیئے۔ اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے۔ صلیبی جہاد اس کے مختلف النوع کارناموں کا صرف ایک رخ ہے اور اس کے جو حالات اوپر لکھے گئے ہیں وہ بھی اس کے مجاہدات کی ناتمام تصویر ہے۔

وہ جن اوصاف و خصوصیات کا حامل تھا اور اس نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا۔ اس کی نظیر خلفائے راشدین کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس لیے ابن اثیر کے بیان پر جن کی حیثیت نورالدین کے حالات میں گویا عینی شاہد کی ہے۔ اکتفا کی جاتی ہے۔ (ابن اثیر صاحب تاریخ کامل، نورالدین کے ہم وطن بھی تھے اور قریب العہد بھی۔ ۵۵۵ھ میں جزیرہ میں اس کی ولادت اور موصل میں نشوونما ہوئی۔ نورالدین کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی۔ ان کے ابوالمکرم محمد بن محمد کا اتابکی خاندان سے تعلق بھی تھا۔ اس لیے اس کے حالات میں ابن اثیر کا بیان گویا چشم و دید واقعات کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اتابکی حکومت کے حالات میں ایک مستقل کتاب

''دولت اتابکیہ موصل''لکھی ہے' جو اتابکی حکومت کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے۔ یہ کتاب فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس میں شائع ہوئی ہے۔ہم نے نورالدین کے حالات زیادہ تر اسی سے لکھے ہیں)وہ لکھتے ہیں:

میں نے اسلامی عہد کے پہلے کے فرمانرواؤں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا' مگر خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا نورالدین سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گزرا۔اس نے عدل و انصاف کی اشاعت' جہاد اور ظلم و جور کے استیصال' عبادت و ریاضت اور احسان و کرم کو مقصد زندگی بنالیا تھا۔اس میں اس کے لیل ونہار بسر ہوتے تھے' اگر کسی پوری قوم میں بھی اس کے اور اس کے باپ جیسے دو فرمانروا گزرے ہوتے تو بھی اس قوم کے فخر کے لیے کافی تھا۔نہ کہ ایک ہی گھرانے میں اللہ تعالیٰ نے دو فرمانروا پیدا کر دیئے۔اس کے عدل و انصاف کی مثال حضرت عمر ؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ممالک محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے تھے۔مصر میں سو دینار چالیس درہم ٹیکس لیا جاتا تھا۔سلطان نے اسے یک قلم بند کر دیا۔اس کے علاوہ دوسرا فرمانروا مشکل سے اتنی بڑی آمدنی سے دستبردار ہو سکتا تھا۔اس کے ایوان عدالت میں قوی وضعیف' بڑے اور چھوٹے سب برابر تھے۔وہ مظلوم کے ساتھ خواہ کسی درجہ کا ہو' پورا انصاف کرتا تھا۔مظلوموں کی شکایتیں براہ راست خود سنتا تھا اور خود ہی ان کی تفتیش کرتا تھا' اگر وہ خود بھی مدعا علیہ ہوتا تو عام آدمیوں کی طرح بغیر کسی امتیاز کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی زمین یا جائیداد کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کیا۔عدالت کا چپڑاسی عین اس وقت جبکہ سلطان گوے و چوگاں کھیل رہا تھا' پہنچا۔سلطان فوراً اس کے ہمراہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو گیا اور قاضی سے کہا کہ اس وقت میں مدعا

علیہ کی حیثیت سے آیا ہوں۔اس لیے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے' جو عام مدعا علیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔قاضی نے اس کو مدعی کے برابر بٹھا کر فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں۔تحقیقات سے جائیداد مدعی کی بجائے نورالدین کی ثابت ہوئی۔اس لیے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔اس فیصلہ کے بعد نورالدین نے متنازعہ فیہ جائیداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے' لیکن صرف اس لیے عدالت میں حاضر ہو گیا تھا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔اب جبکہ عدالت سے میرا حق ثابت ہو گیا تو میں نے مدعی کو ہبہ کر دیا۔

نورالدین کے قیام دمشق کے زمانہ میں اس کے بہت سے امراء وہاں آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے املاک اور جائیدادیں حاصل کر لی تھیں اور اپنے پڑوسی زمینداروں اور مالکان زمین پر بڑی زیادتیاں کرتے تھے۔قاضی کمال الدین کی عدالت میں استغاثوں اور دعووں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔قاضی صاحب اور امراء کی تو کوئی رعایت نہ کرتے اور ان کے مقابلے میں بے لاگ انصاف کرتے تھے' لیکن امیر الامراء اسدالدین شیرکوہ کے جاہ و اقتدار کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی میں انہیں دقت پیش آتی تھی۔انہوں نے نورالدین کو ادھر توجہ دلائی۔اس نے امراء کے مقدموں کی سماعت کے لیے دارالعدل کے نام سے ایک خاص عدالت قائم کی اور اس میں خود بیٹھنا شروع کیا۔اسدالدین کو معلوم ہو گیا کہ یہ اہتمام صرف اس کی وجہ سے کیا گیا ہے۔اس نے اپنے تمام ماتحت امراء کو بلا کر ان سے کہا کہ میرے علاوہ قاضی کمال الدین کو اور کسی امیر سے مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے اور یہ عدالت صرف میری وجہ سے قائم ہے' اگر تم میں سے کسی کے باعث مجھے عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو اس کو سولی پر چڑھا دوں گا۔جن جن لوگوں کے ساتھ تمہارے تنازعات ہوں' ابھی جا کر ان کا فیصلہ کر لو اور جس قیمت پر بھی ہو سکے مدعیوں کو رضامند کرو خواہ اس میں

میری کل املاک میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ امراء نے کہا اگر ان لوگوں کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ مطالبہ میں بڑی زیادتی کریں گے۔ اسدالدین نے کہا کچھ بھی ہو۔ میری کل املاک کا میرے ہاتھوں سے نکل جانا میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ نورالدین مجھ کو ظالم سمجھے اور زمرہ عوام میں شامل کرے۔ اس حکم پر تمام امراء کو اپنے اپنے فریق کو رضامند کرنا پڑا اور دارالعدل میں ان کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش نہ ہو سکا۔ دو تین دن عدالت میں بیٹھنے کے بعد نورالدین نے قاضی کمال الدین سے کہا کہ اسدالدین کے خلاف کوئی مدعی نظر نہیں آتا۔ اس وقت کمال الدین نے پورا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر نورالدین سجدہ شکر بجا لایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے ساتھی خود انصاف کر لیتے ہیں اور اس کے لیے ان کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ نورالدین کے زمانہ میں اس کے عدل و انصاف اور ملک کے امن و امان کی وجہ سے دوسرے مقامات کے بہت سے آدمی آ کر اس کی حکومت میں آباد ہو گئے تھے۔ نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کسی فوجی نے ایک شخص پر کچھ زیادتی کی۔ مظلوم نے صلاح الدین سے فریاد کی، لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی۔ وہ مایوس ہو کر روتا پیٹتا ہوا نورالدین کے مزار پر پہنچا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ نورالدین آج تمہارا عدل و انصاف کہاں ہے؟ جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں اگر تم اس کو دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آ جاتا۔ صلاح الدین کے فوجی امراء کی زیادتیوں کی شکایت عام طور سے تھی۔ اس لیے ایک انبوہ اس شخص کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے صلاح الدین اس وقت دمشق میں موجود تھا۔ اسے خبر ہوئی تو فوراً اس شخص کو بلا کر اس کی شکایت رفع کی اور روپیہ دے کر اس کی دل جوئی کی۔ اس پر وہ اور زیادہ رویا۔ صلاح الدین نے پوچھا اب کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا اس بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم اور اس کے عدل کا فیض جاری

ہے۔صلاح الدین نے کہا سچ کہتے ہو۔ہم میں جو کچھ بھی عدل و انصاف ہے وہ اسی کے فیض کا نتیجہ ہے۔

عام طور پر ظلم و جور کا انسداد سخت گیری کے بغیر نہیں ہوتا اور ایک ظالم کا انسداد دوسرے ظلم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔نورالدین کے قیام عدل کی یہ خصوصیت تھی کہ اس سلسلہ میں کسی پر کوئی ناروا زیادتی نہ ہونے پاتی تھی۔محض ظن وگمان اور الزام وتہمت پر مواخذہ نہ کرتا بلکہ شرعی شہادت کے مطابق تحقیقات اور ثبوت جرم کے بعد صرف شرعی سزا دیتا تھا اور اس میں ادنیٰ زیادتی نہ ہونے پاتی تھی۔اس کے عدل کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی سلطنت سے شر وفساد کا نام ونشان مٹ گیا تھا اور ہر شخص امن وامان کی زندگی بسر کرتا تھا۔جس کو دوسرے فرمانروا اپنی سخت گیریوں کے باوجود نہ کر سکتے تھے۔بیت المال کی حفاظت میں اس کا اہتمام عہد عمری کا نمونہ تھا۔ایسی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع دولت اور بے شمار آمدنی میں سے اپنے لیے صرف اسی قدر لیتا تھا، جتنی از روئے شریعت علماء نے اس کو اجازت دی تھی۔اس سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا۔اسی محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔اس کے علاوہ اس کی تھوڑی سی ذاتی ملکیت تھی، جو اس نے مال غنیمت کی آمدنی سے خریدی تھی، لیکن اس کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ اس سے اخراجات پورے نہ ہوتے۔ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان اس کو گھر کے مصارف کے لیے جو رقم دیتا ہے وہ اخراجات کے لیے کافی نہیں ہے۔اس میں کچھ اضافہ کیا جائے۔یہ سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے جواب میں کہلایا کہ اس سے زیادہ اور کہاں سے لا کر دوں گا، اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے۔یہ مسلمانوں کا مال ہے اور ان ہی کے مصالح و مصارف کے لیے ہے۔میں صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں۔اس میں خیانت کر کے اس کے لیے جہنم کا ایندھن نہ بنوں گا اور حمص کی چند معمولی دکانیں جو اس کی ذاتی ملکیت تھیں، آمدنی محض برائے نام تھی، بیوی کو دے دیں۔ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بیت

المال میں داخل نہ ہونے پاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیت المال کے معائنہ کے لیے گیا، وہاں کچھ آمدنیاں یا چیزیں ایسی نظر آئیں، جن کو سلطان ناجائز سمجھتا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ قاضی کمال الدین نے فلاں مد سے بھیجی ہیں۔ سلطان نے کہا اس مال پر بیت المال کا کوئی حق نہیں ہے اور اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کے لیے قاضی صاحب کو بھجوا دیا۔ انہوں نے پھر بیت المال میں واپس بھیج دیا اور کہلا دیا کہ اگر آئندہ سلطان اس کے متعلق پوچھے تو میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ سلطان ہی کا مال ہے۔ اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد پھر سلطان بیت المال گیا اور پھر اس مال پر نظر پڑی۔ بیت المال کے کارکنوں سے پوچھا۔ ابھی تک اسے واپس کیوں نہیں کیا گیا؟ انہوں نے قاضی کمال الدین کا جواب بیان کر دیا۔ سلطان نے اسی وقت قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ آپ میں اس بار کے اٹھانے کی طاقت ہے، لیکن میری گردن کمزور ہے، میں اس کو نہیں اٹھا سکتا۔

وہ خود بڑا عابد، زاہد و متقی تھا اور شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ و قیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ وہ زمرۂ سلاطین میں عدل و انصاف کے قیام، محرمات شرعیہ کے اجتناب اور اتباع سنت کا مجدد تھا۔ اس سے پہلے کے حکمران زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح تھے۔ جن کا مقصد زندگی صرف خواہشات نفسانی کی تکمیل تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انہیں کوئی علاقہ نہ تھا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو حکمران بنایا۔ اس نے شریعت کے اوامر و نواہی کی خود پابندی کی اور اپنے حاشیہ نشینوں اور متعلقین کو ان کا پابند بنایا۔ انہیں دیکھ کر دوسروں نے تقلید کی اور پابندی مذہب کا ایسا عام جذبہ بیدار ہو گیا کہ لوگ اپنے گذشتہ خلاف شرع اعمال کے ذکر سے شرمانے لگے۔

اصول دین کی حفاظت میں اس کو ادنیٰ مسامحت بھی گوارہ نہ تھی۔ اس کے سامنے کوئی شخص دین کے صحیح عقائد کے خلاف کسی متبدعانہ خیال پر لب کشائی کی

جرات نہ کرسکتا تھا' اور ایسا کرنے والوں کی پوری تنبیہ کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر چوروں اور لٹیروں سے راستوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے تو کیا دین کی حفاظت جو اصل اساس و بنیاد ہے' ہم پر ضروری نہیں ہے۔ دمشق کے ایک متصوف نے جن کے زہد و ورع کا بڑا چرچا تھا اور عوام ان کے عقیدت مند تھے' تشبیہ کے بعض خیالات ظاہر کیے۔ نورالدین کو خبر ہوئی تو اس نے ان کو گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی۔ نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور تشہیر کے بعد شہر سے نکال دیا۔

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً روک دی تھی اور اس کی درآمد و برآمد بالکل بند کر دی تھی۔ شرابیوں پر خواہ کسی درجہ و مرتبہ کے ہوں' شرعی حد جاری کرتا تھا۔ اپنے زمانہ میں بہت سے مذہبی اور رفاہ عام کے کام انجام دیئے۔ دمشق میں ایک دارالحدیث قائم کیا اور محدثین اور حدیث کے طلبہ کے مصارف کے لیے بڑی جائیداد وقف کی۔ اسلامی تاریخ میں خاص دارالحدیث کے قیام کی یہ پہلی مثال تھی۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں مدارس قائم کیے اور ان کے علاوہ خاص یتیموں کے لیے علیحدہ مستقل مکاتب و مدارس قائم کیے۔ معلمین و طلبہ کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں۔ بکثرت مسجدیں بنوائیں۔ پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی اور ان میں یتیموں کے مکاتب قائم کیے اور ان کے اخراجات کے لیے جائیدادیں وقف کیں۔ ان میں سے موصل اور حماۃ کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان تھی۔ حکومت کی امداد کے علاوہ نورالدین نے ان کے مصارف کے لیے خود اپنی ذاتی آمدنی سے اوقاف کیے تھے۔ ان میں سے ایک وقف جس کی آمدنی نو ہزار اشرفی ماہوار تھی' ابن اثیر کے زمانہ تک قائم تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی راحت و آسائش کے اتنے کام انجام دیئے' جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ صلیبیوں کے حملے سے حفاظت کے لیے' حلب' حمص' دمشق' بارین' شیرز' میخ وغیرہ تمام بڑے شہروں اور اہم مقبوضات کی مضبوط شہر

پناہیں بنوائیں اور مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ ہر شہر میں شفاخانے قائم کیے۔ دمشق کا شفاخانہ بڑا عظیم الشان تھا۔ اس کے مصارف کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف تھی۔ یہ شفاخانہ بلا امتیاز امیر و غریب سب کے لیے وقف تھا۔ بڑے بڑے امراء یہاں سے تبرکاً مفت دوائیں لے جاتے تھے۔ قافلوں کے راستوں اور مسافروں کی گزرگاہوں پر سرائیں تعمیر کرائیں اور راہنمائی کے لیے جابجا اونچے اونچے مینار بنوائے۔ سرحدی مقاموں پر سربفلک برج تھے، جن میں حفاظتی چوکیاں قائم تھیں اور نامہ بر کبوتر موجود رہتے تھے۔ جیسے ہی دشمن دور سے نظر آتے، کبوتروں کے ذریعہ اہل شہر کو اس کی خبر کر دی جاتی اور لوگ محتاط ہو جاتے۔ صوفیہ و مشائخ کے لیے رباطیں اور خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اور اس قسم کے بے شمار کام انجام دیئے۔

ذاتی حیثیت سے وہ صاحب علم اور بڑا متقی و متورع تھا۔ اس کا سارا وقت جہاد کی تیاری، امور مملکت پر غور و فکر اور اس کے متعلق صلاح و مشورہ اور عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ رات کو عشاء کے بعد سو جاتا تھا۔ پھر آدھی رات سے صبح تک تہجد اور دعا و وظائف میں مصروف رہتا تھا۔ دن نکلنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں مشغول ہو جاتا تھا۔ ریشم، سونا اور چاندی جن کا استعمال شریعت نے مسلمانوں کے لیے حرام کیا ہے، کبھی استعمال نہیں کیا۔ اس کی مجلس وقار و سنجیدگی کا نمونہ ہوتی تھی۔ اس میں مذہب کے تذکرے اور جہاد کے صلاح و مشورہ کی گفتگوؤں کے علاوہ اور کسی لغویات کا گزر نہ تھا۔

علماء و فقہاء و مشائخ و صوفیہ کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ جب کوئی شیخ اس کے پاس جاتا تو نظر پڑتے ہی وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا اور معانقہ کر کے اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا اور اس توجہ سے اس کی باتیں سنتا کہ معلوم ہوتا کہ اس سے زیادہ کسی کو سلطان کے مزاج میں تقرب حاصل نہیں ہے۔ ان کی خدمت میں نذر اور ہدیے

پیش کرتا اور لوگوں سے کہتا کہ بیت المال پر ان بزرگوں کا بڑا حق ہے' اگر وہ تھوڑے پر قناعت کر لیتے ہیں تو یہ ان کا احسان ہے۔ ایک مرتبہ سلطان کے لیے مصر سے ایک قیمتی مغرق' ریشمی عمامہ آیا۔ سلطان نے اس کو ایک صوفی کی نذر کر دیا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ یہ عمامہ شیخ کے لیے موزوں نہیں ہے' اگر کسی اور شخص کو دیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا' لیکن سلطان نے شیخ ہی کو دلوایا۔ انہوں نے اس کو بغداد لے جا کر چھ یا سات ہزار اشرفیوں میں بیچا۔

دیندار علماء کی اتنی تعظیم و توقیر کرتا تھا کہ دربار کے بڑے بڑے امراء کو رشک و حسد ہوتا تھا۔ وہ سلطان کی نگاہ میں ان کو سبک کرنے کے لیے ان کی برائیاں بیان کرتے' لیکن سلطان مطلق توجہ نہ کرتا اور جواب دیتا کہ ہم میں سے کون معصوم ہے۔ کامل وہی ہے جو اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتا ہے۔ سلطان نے خراسان کے ایک مشہور عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بلا لیا تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک امیر کو ان پر رشک آیا۔ اس نے سلطان سے ان کی کچھ برائیاں بیان کیں۔ اس نے جواب دیا اگر تمہارا یہ بیان صحیح بھی ہے تو شیخ کے پاس ایک ایسی خوبی ہے' جس سے ان کی تمام لغزشیں معاف ہو جائیں گی۔ وہ علم دین ہے اور تم اور تمہارے ساتھی اس سے کہیں زیادہ بڑی برائیوں میں مبتلا ہوں اور اس کے مقابلہ میں تم میں کوئی ایسی خوبی نہیں جس سے برائیوں کی تلافی ہو سکے' اگر تم میں عقل و شعور ہوتا تو تم کو خود اپنے عیبوں سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ ڈالتے۔ ایسی حالت میں جبکہ تم لوگوں میں کوئی خوبی نہیں ہے' میں تمہاری برائیاں انگیز کرتا ہوں' تو بالفرض اگر تمہارے بیان کے مطابق شیخ میں کوئی عیب ہو بھی' جسے میں قطعاً غلط سمجھتا ہوں تو کیا ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں ان کا ایک عیب بھی گوارا نہ کیا جائے' اگر آئندہ تم نے میرے سامنے ان کی برائی کی تو تم کو اس کی سزا ملے گی۔ اس تنبیہ کے بعد پھر اس امیر کو کبھی اس کی جرات نہ ہوئی۔ اس کا کوئی کام حسن نیت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ گوے چوگاں بھی وہ جہاد کی

تیاری کے لیے کھیلتا تھا۔ جزیرہ کے ایک شیخ نے جن سے سلطان کو عقیدت تھی، ایک مرتبہ اس کو لکھ بھیجا کہ میں تمہارے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ تم بھی لہو ولعب میں وقت ضائع کرتے ہو گے اور بغیر کسی دینی فائدہ کے گھوڑوں کو تکلیف دیتے ہو گے۔ اس نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں لہو ولعب کے لیے گوئے چوگاں نہیں کھیلتا، بلکہ ہم لوگ سرحد پر دشمن کے قریب رہتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دفعتہً پہنچ جاتے ہیں اور ہم کو فوراً مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر کسی وقفہ کے مسلسل جہاد میں مشغول رہیں۔ فوجوں کو آرام دینا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اگر گھوڑے بھی تھان پر بیکار چھوڑ دیئے جائیں تو وہ سست پڑ جاتے ہیں اور ان میں چستی اور پھرتی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ان کو چاق وچوبند رکھنے کے لیے گوئے وچوگاں میں مشغول رکھنا ضروری ہے۔ اس سے تفریح ولہو ولعب مقصود نہیں۔

دنیاوی فہم وفراست وتدبیر وسیاست میں بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ ابن اثیر نے اس کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں، لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ (یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ ص ۲۹۹ تا ۳۱۶ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ابن اثیر نے انہیں بغیر کسی ترتیب کے متفرق طور سے لکھا ہے۔ ہم نے حتی الامکان ترتیب قائم کر دی ہے)

صلیبی مجاہدین تک جو نورالدین کے سب سے زیادہ دشمن تھے، اس کے محاسن کے معترف تھے۔ ولیم صوری کا بیان ہے:

''گو ہم میں اور نورالدین میں قوم ومذہب کا اختلاف تھا، مگر نورالدین ایک عادل بادشاہ تھا، دانشمند اور پکا دیندار تھا۔ گو عیسائیوں پر وہ بہت سخت تھا، مگر عدل وہ صفت تھی، جس کی قدر وقیمت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بعد تھی۔ اس کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص اسے قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کراتا تو حاضر ہو جاتا اور قاضی سے اصرار کرتا کہ اس کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال سے کوئی

رعایت اس کے ساتھ نہ کرے۔ چنگی اور عشر دونوں محصول اپنی قلمرو میں اس نے بند کر دیئے تھے۔ سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتا تھا۔ بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نور الدین نے حمص کی اپنی تین دکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی، اسے ہبہ کرنی چاہی اور بیوی نے اسے قبول نہ کیا تو بگڑ کر بیوی سے کہنے لگا کہ میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے بلکہ رعایا کی امانت ہے اور اسی امانت کا خیال کر کے اس نے شہروں میں اہل شہر کی حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کرائے۔ مدارس اور دار العلوم، خانقاہیں، شفاخانے، کارواں سرائیں، رعایا کی جسمانی و روحانی فلاح کے لیے بنوائیں۔ علماء و مشائخ کی صحبت میں جو لطف اسے حاصل ہوتا تھا وہ کسی اور کو نہ ہوتا تھا۔ دین کے جملہ احکام کا جیسا وہ پابند تھا دوسرا نہ تھا۔ اس کی سنجیدگی اور متین آنکھوں کا پر سکوت عالم، بارعب پیشانی اور گندم گوں رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا۔ چہرہ تقریباً بے ریش تھا۔ اس میں ایک سچے مشرقی شریف انسان کا انداز خودداری اور صدق و صفا پایا جاتا تھا۔ جہاں کہیں وہ ہوتا خاموشی اور سکوت طاری رہتا۔ (صلاح الدین لین پول ص ۱۱۶ ترجمہ اردو)

الملک الصالح: نور الدین کی وفات کے بعد شوال ۵۵۹ میں اتابکی امراء نے اس کے گیارہ سالہ بچہ اسماعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا۔ اس وقت اتابکی امراء میں شمس الدین علی المعروف بہ ابن دایہ، شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم، حسام الدین عیسیٰ اور سعد الدین گمشتگین زیادہ ممتاز تھے اور ان میں ابن دایہ سب سے زیادہ نامور اور با اقتدار تھا، لیکن وہ فالج میں مبتلا تھا، اس لیے ابن مقدم کارپرواز سلطنت قرار پایا۔ الملک الصالح کی کم سنی کی وجہ سے بہت جلد امراء میں رشک و رقابت اور حصول اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی اور نور الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی حکومت

کا شیرازہ بکھر گیا اور چند دنوں کے بعد صلاح الدین نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ نورالدین کی وفات کے بعد ہی سیف الدین غازی والی موصل نے جزیرہ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اتابکی حکومت کا امیر کبیر حلب میں پڑا تھا اور فالج کی وجہ سے خود نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے ابن مقدم کے پاس دمشق کہلا بھیجا کہ وہ سیف الدین غازی کے مقابلے کے لیے الملک الصالح کو حلب بھیج دے' لیکن اس نے محض اس خطرہ سے کہ ابن وایہ کے لڑکے الملک الصالح کو اپنے قابو میں کر کے اس کو اس کے عہدہ سے برطرف نہ کرا دیں۔ اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور جزیرہ پر سیف الدین کا مستقل قبضہ ہو گیا۔ اتابکی امراء نے محض اپنی خودغرضی اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے سب سے بڑے اتابکی امیر صلاح الدین ایوبی کو جو آڑے وقتوں میں کام آ سکتا تھا' بالکل الگ کر رکھا تھا۔ اور اس سے کسی قسم کا صلاح و مشورہ نہ لیتے تھے۔ اس لیے وہ ابتداء سے ان سے برہم تھا۔ جزیرہ پر سیف الدین کے قبضہ کی خبر سن کر اس نے الملک الصالح کو لکھ بھیجا کہ اسے سیف الدین کی فوج کشی کی اطلاع کیوں نہ دی گئی کہ وہ خود آ کر اس کو روکتا اور اتابکی امراء کو ایک غضب آلود خط لکھا کہ اگر سلطان نورالدین کو مجھ سے زیادہ تم لوگوں پر اعتماد ہوتا اور وہ یہ جانتا کہ میری مفوضہ خدمات تم انجام دے سکتے ہو' تو مصر جیسے بڑے ملک کی حکومت میرے بجائے تمہارے سپرد کرتا' اگر اتنی جلدی اس کا آخری وقت نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اپنی اولاد کی تربیت و خدمت کی ذمہ داری میرے علاوہ اور کسی کے سپرد نہ کرتا' تم لوگوں نے مجھ کو میرے آقا کی خدمت سے الگ کر رکھا ہے۔ میں خود عنقریب سلطان مرحوم کا حق نمک ادا کرنے کے لیے پہنچتا ہوں اور تم سب کو تمہارے کرتوتوں اور حکومت کے فرائض سے تمہاری غفلت کا مزہ چکھاؤں گا۔ اس دوران میں امیر سعدالدین بن گشتگین الملک الصالح کو سمجھا بجھا کر حلب سے لے گیا اور امیر الامراء شمس الدین ابن وایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امراء کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ ابن مقدم دمشق میں تھا۔ اسے خبر ہوئی تو

اس نے جوش انتقام میں سیف الدین غازی کو دمشق حوالہ کرنے کے لیے بلا بھیجا' لیکن وہ اسے فریب سمجھ کر نہ آیا۔ دمشق کے تمام امراء سعدالدین کے اقتدار و استبداد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ انہوں نے متفقہ طور سے صلاح الدین ایوبی کو دمشق آنے کی دعوت دی۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۳۸۱ تا ۳۹۱)

اس زمانہ میں شام کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اس کو صلیبیوں سے بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ یہاں کی زوال پذیر اتابکی حکومت کو ختم کر کے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی جائے۔ اتابکی حکومت کے قیام سے پہلے شام پر صلیبیوں کا جتنا غلبہ ہو گیا تھا اور ان کے ہاتھوں یہاں کے مسلمان جس نوبت کو پہنچ گئے تھے۔ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اگر اللہ تعالیٰ نے عمادالدین زنگی اور نورالدین محمود کو نہ پیدا کر دیا ہوتا تو صلیبی سارے شام پر قابض ہو جاتے اور اللہ جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔ ان دو باپ بیٹوں نے ان کا زور توڑا' لیکن ابھی یہ مہم پوری نہ ہوئی تھی کہ نورالدین کا وقت آخر ہو گیا۔ بیت المقدس بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور شام میں ان کی کئی حکومتیں قائم تھیں اور سارا یورپ ان کی پشت پناہی پر تھا۔ ان کے مقابلہ کے لیے ایک بڑی طاقت کی ضرورت تھی' ورنہ شام پر ان کا قبضہ ہو جانا یقینی تھا۔ اتابکی حکومت کا یہ حال تھا کہ نورالدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی خاندان کی دونوں شاخوں دمشق اور موصل میں اختلافات شروع ہو گئے۔ سیف الدین غازی فرمانروائے موصل نے دمشق کی حکومت کے مقبوضات پر فوج کشی شروع کر دی تھی اور صلاح الدین ایوبی کے خطرہ سے بچنے کے لیے صلیبیوں سے مل گیا تھا۔ نورالدین کا لڑکا صغیر السن تھا۔ اس کے امراء خودغرضی اور جاہ و اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے اور کسی قیمت پر بھی صلاح الدین کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے علاوہ شام کے اور چھوٹے چھوٹے حکمران کسی شمار میں نہ تھے۔ صلیبیوں کے مقابلے میں صرف صلاح الدین ایوبی ہی نورالدین کی صحیح جانشینی کر سکتا تھا' لیکن زوال پذیر

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

طرف پھیل رہی تھی' سلطان نورالدین کے فرزند **ملک** الصالح کے چچا کا بیٹا والی موصل اس کی اطاعت سے نہ صرف سرتابی کر چکا تھا بلکہ وہ الرہا کے علاقے اور دیگر صوبہ جات شام پر قابض ومتصرف بھی ہو گیا تھا اور جس امیر کی سپردگی میں حلب تھا' وہ لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا تھا' جو **ملک** الصالح اسماعیل کے دربار میں پیش پیش تھے۔شام کے اکثر بڑے بڑے جاگیرداروں نے خودمختاری اختیار کی تھی' گویا اسلام کا آج کل شام میں کوئی سردار باقی نہ رہ گیا تھا۔اگر فرنگی خودخراب نہ ہوتے تو پھر زنگی سلطان کے اجزاء کا جوان کے جی میں آتا وہ حال کرتے۔ (صلاح الدین لین پول ص ۱۱۷'۱۱۸)

آگے چل کر کہتا ہے:

دمشق کی مجلس وزراء نے چپ بیٹھے یہ دیکھا کہ سیف الدین غازی شہروں کو لوٹ رہا ہے اور فرنگیوں کو روپیہ دے کر ان کو راضی کر رہا ہے۔یہ بات ایسی تھی جو صلاح الدین کو جلا کر خاک کر دینے والی تھی اور ان امیروں کی طرف سے بےحد نفرت پیدا کرنے والی تھی۔امرائے دمشق دونوں طرف کے ہمسائیوں سے خائف رہتے تھے۔ایک طرف تو اتابک موصل سیف الدین غازی تھا اور دوسری طرف مصر کا مالک صلاح الدین تھا۔ان دونوں سے محفوظ رہنے کے لیے امرائے دمشق وہی حرکت کرتے تھے جو عمادالدین زنگی سے محفوظ رہنے کے لیے دمشق کے وزیر معین الدین نے کی تھی' یعنی ان امیروں نے بھی صلیبیوں سے ویسا ہی میل ملاپ کر لیا جیسا کہ اس نے کیا تھا۔(صلاح الدین لین پول ص ۱۱۷'۱۱۸)

یہ وہ حالات تھے جنھوں نے صلاح الدین ایوبی کو اہل دمشق کی دعوت قبول کرنے پر مجبور کیا' چنانچہ ربیع الاول ۵۷۸ھ میں وہ دمشق پہنچا اور اتابکی امراء نے شہر اس کے حوالہ کر دیا۔اس نے الملک الصالح کے اطمینان کے لیے اعلان کیا کہ

''میرے آنے کا مقصد ملک چھیننا نہیں ہے' بلکہ میں اپنے آقازادکی خدمت اور اس کے ملک کو سیف الدین غازی کے قبضہ سے چھڑانے آیا ہوں۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۳۴۲) لیکن جو مقصد صلاح الدین کے پیش نظر تھا' اس کی تکمیل کے لیے تنہا دمشق پر قبضہ کافی نہ تھا۔ اس لیے دمشق کے بعد اس نے حمص اور حماۃ کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے روکنے کی کوشش کی' لیکن صلاح الدین نے انہیں شکست دے کر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد حلب پہنچا' الملک الصالح یہاں موجود تھا۔ اس نے اہل حلب سے رو رو کر فریاد کی کہ یہ ظالم احسان فراموش میرے باپ کے احسانات بھلا کر میرا ملک چھیننے کے لیے آیا ہے' اس کو اللہ اور مخلوق کسی کی شرم باقی نہیں ہے۔ اس کی اس دردانگیز فریاد سے اہل حلب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے صلاح الدین کے مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی اور اس کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اسی دوران میں اتابکی امراء کے اشارہ سے صلیبیوں نے حمص پر فوج کشی کر دی۔ اس لیے صلاح الدین کو انہیں روکنے کے لیے لوٹ جانا پڑا۔ صلیبیوں کا مقصد صرف اسے حلب سے ہٹانا تھا' اس لیے وہ بھی واپس چلے گئے۔ اسی سلسلے میں صلاح الدین نے بعلبک پر قبضہ کرلیا۔

بعلبک پر صلاح الدین کے بعد صالح' سیف الدین سے مدد کا طلب ہوا۔ گو ان دونوں میں باہم اختلاف تھا' لیکن شام میں صلاح الدین کی قوت سیف الدین کے لیے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اس لیے اس نے اپنے بھائی عزالدین بن مسعود کو فوجیں دے کر مدد کے لیے بھیجا۔ صلاح الدین کا مقصد اتابکی حکومت کا مٹانا نہیں بلکہ محض اس کی مضرتوں کا دور کرنا تھا۔ اس لیے اس نے دمشق لینے کے بعد اس سے صلح کر لینی چاہی اور سیف الدین غازی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر الملک الصالح کے نائب کی حیثیت سے صرف دمشق اس کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ حمص وحماۃ واپس کرنے کے لیے تیار ہے' لیکن سیف الدین نے اسے منظور نہ کیا اور جواب دیا کہ جب تک ہمارے

کل مقبوضات واپس نہ کرو گے' اس وقت تک صلح نہیں ہو سکتی۔ صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے دمشق کو قبضہ میں رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے صلاح الدین اس کو واپس کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوا اور اسے مجبور ہو کر عزالدین کے مقابلہ میں آنا پڑا اور اس کو شکست دے کر حلب کا محاصرہ کر لیا' پھر چند دنوں کے بعد اس شرط پر صلح ہو گئی کہ شام کے جن حصوں پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا ہے' وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہیں گے اور باقی اتابکی علاقہ کی طرف وہ قدم نہ بڑھائے گا۔ اس مصالحت کے بعد صلاح الدین اتابکی حکومت کی برائے نام ماتحتی سے بھی آزاد ہو گیا اور اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور مستضی نے اسے خلعت اور پروانہ حکومت عطا کر دیا' لیکن یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ ۵۷۱ھ میں سیف الدین غازی صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سیف الدین کو شکست دے کر بزاعہ' منبج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور ۵۷۲ھ میں حلب پر فوج کشی کر دی۔ اہل حلب میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے انہیں جھک کر صلح کرنی پڑی۔ عزاز کا قلعہ نہایت اہم تھا۔ اس کے بغیر حلب کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے اہل حلب سلطان نورالدین کی ایک چھوٹی بچی کو صلاح الدین کے پاس لے گئے اور اسے سکھایا کہ اگر صلاح الدین تم کو کچھ دینا چاہے تو تم عزاز کا قلعہ مانگنا۔ صلاح الدین اپنی آقازادی کے ساتھ بڑی عزت اور لطف و محبت سے پیش آیا اور بہت سے ہدایا و تحائف دیئے۔ لڑکی نے کہا مجھے عزاز کا قلعہ چاہیئے' سلطان نے اس کے سوال کو رد نہ کیا اور اعزاز کا قلعہ واپس کر دیا۔ (یہ حالات ملخصاً ابن اثیر سے ماخوذ ہیں) حلب اور اعزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسماعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ بچا لیا۔ فاطمی حکومت کا داغ آسانی سے فاطمیوں کے دل سے مٹنے والا نہ تھا' لیکن صلاح الدین کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک طرف اس پر بزدلانہ حملے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف اس کی مخالفت میں' جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو

گا۔فرنگیوں سے مل گئے۔سب سے پہلی مرتبہ انہوں نے حلب کے پہلے محاصرہ کے دوران میں سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا' لیکن سلطان کو کوئی گزند نہ پہنچا اور حملہ آور گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔دوسری مرتبہ ۵۷۲ھ میں عزاز کے محاصرہ کے دوران میں خنجر سے وار کیا' لیکن خود کی وجہ سے کارگر نہ ہوا اور چہرہ پر خفیف خراش رہ گئی۔سلطان نے حملہ آور باطنی کو زمین پر گرا دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی باطنی حملہ آور ہوئے' لیکن سب مارے گئے۔اس درمیان میں وقتاً فوقتاً فرنگیوں سے بھی جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔بعض اہم واقعات یہ ہیں۔۵۶۶ھ میں صلاح الدین نے عسقلان پر جو ساحل شام پر فرنگیوں کا بہت اہم مقام تھا' حملہ کیا۔اموری فرمانروائے یروشلم مقابلہ میں آیا۔صلاح الدین نے اس کو بڑی فاش شکست دی۔اس شکست کے بعد فرنگیوں نے ایلہ میں اجتماع کیا۔صلاح الدین نے بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے ایلہ فتح کر لیا۔

مصر سے فاطمیوں کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے' لیکن ان کی حامی بعض خفیہ جماعتیں اب تک موجود تھیں' جن کی کوششیں صلاح الدین کے خلاف جاری تھیں' چنانچہ ۵۶۹ھ میں چند اشخاص عبادہ بن ابوالحسن یمنی عبدالصمد کاتب' قاضی عویرض اور فاطمیوں کے داعی اعظم نے شام کے فرنگیوں اور سسلی وغیرہ کے فرمانرواؤں سے امداد کا وعدہ کر کے انہیں مصر پر حملہ کے لیے آمادہ کیا' لیکن اس سازش کا علم صلاح الدین کو ہو گیا' اس نے ان سب کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا۔

شام کے عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہو گئی۔اس لیے انہوں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا' لیکن سسلی والوں کو خبر نہ ہو سکی۔انہوں نے دو سو جہازوں کے ساتھ اسکندریہ پر بحری حملہ کیا۔اس وقت صلاح الدین ناقوس میں تھا۔اسکندریہ میں فوج بھی کم تھی' اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور فرنگیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔اس دوران میں صلاح الدین پہنچ گیا۔اس کی آمد سے اہل اسکندریہ میں

ایک نئی قوت پیدا ہوگئی۔ اور انہوں نے فرنگیوں کو بڑی فاش شکست دی۔ وہ اسی بدحواسی سے بھاگے کہ بہت سے سمندر میں ڈوب گئے اور اس کشمکش میں ان کے کئی جہاز غرق ہو گئے اور وہ باحال تباہ سسلی واپس گئے۔ دمشق پر صلاح الدین کے قبضہ کے بعد جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تھی اور فرنگیوں کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس لیے انہوں نے ۵۷۱ھ میں اس سے صلح کرلی۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۶۴) لیکن شام سے صلاح الدین کے مصر واپس جانے کے بعد ہی انہوں نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کردیا۔ صلاح الدین کے بھائی تورانشاہ نے مقابلہ کیا' لیکن اس کو بڑی فاش شکست ہوئی۔ فرنگیوں نے اس کے بہت سے امراء گرفتار کر لیے اور دمشق کے سارے علاقہ میں پھیل گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۶۵) صلاح الدین اس وقت بعض دوسری مہموں میں مشغول تھا' اس لیے ادھر متوجہ نہ ہوسکا۔ ۵۷۳ھ میں جبکہ ساحل شام کے فرنگی دوسری سمتوں میں منتشر تھے' صلاح الدین نے میدان خالی پاکر عسقلان پر حملہ کر دیا اور مسلمان پورے علاقے میں پھیل گئے۔ خود صلاح الدین رملہ کی طرف بڑھا۔ راستہ میں ایک دریا کو عبور کر رہا تھا کہ دفعتہً فرنگی فوجیں نمودار ہوگئیں۔ صلاح الدین کے پاس اس وقت کل چند سو آدمی تھے۔ تاہم اس کے بھتیجے محمد اور فقیہ عیسیٰ نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا' محمد نے شہادت حاصل کی۔ فقیہ عیسیٰ گرفتار ہوگئے اور صلاح الدین کو شکست ہوئی۔ اس نے ساٹھ ہزار اشرفی زرفدیہ دے کر فقیہ عیسیٰ کو چھڑا دیا۔ (کتاب الروضتین ج ۱' ص ۲۷۲) اسی سنہ میں فرنگیوں نے حماۃ پر حملہ کیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اہل حماۃ نے انہیں شکست دے کر واپس کر دیا۔

مستضی کی وفات: ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں مستضی بامر اللہ کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت ۳۹ سال کی عمر تھی' مدت خلافت نو سال سات مہینے۔ وہ بڑا صالح نیک سیرت اور کامیاب خلیفہ تھا۔ دنیائے اسلام کے اکثر فرمانروا اس کے مطیع تھے اور وسط ایشیا سے لے کر مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ملک کے امن و امان اور

مرفہ الحال کے اعتبار سے بھی اس کا زمانہ ممتاز تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ مستضی عادل اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا۔ بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا۔ مقررہ محاصل کے علاوہ رعایا سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ملک کو اس قدر امن وسکون اور راحت و طمانیت حاصل تھی، جس کی مثال نہیں ملتی۔ مزاج میں حلم وعفو غالب تھا۔ خطاؤں پر کم مواخذہ کرتا تھا۔ درگزر اور چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔ رعایا کے لیے اس کا زمانہ ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۳)

﴿کان ایامه من حسن سیرته مواسم الحج والاعیاد والجمع﴾

ابن جوزی کا بیان ہے کہ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام ناجائز ٹیکس موقوف کر دیئے۔ جس کی جو چیز ظلم وزیادتی سے لی گئی تھی، واپس کر دی گئی اور اتنا عدل وانصاف اور لطف وکرم ظاہر کیا کہ ہم نے ساری عمر میں نہ دیکھا تھا۔ بنی ہاشم علویوں، علماء اور مدارس اور خانقاہوں پر بے دریغ صرف کرتا تھا۔ اس کی نگاہ میں مال وزر کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اس کا ابر کرم ہمیشہ برستا رہتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت تمام وابستگان اور عمالان حکومت کو بیش قیمت خلعتیں عطا کیں۔ جن میں سترہ سو فیصد ریشمی قبائیں تھیں۔ عام مجمعوں میں بہت کم نکلتا تھا اور جب کبھی نکلتا تو پورے شکوہ وتجمل کے ساتھ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۵، ۴۵۶) ذہبی کا بیان ہے کہ وہ بڑا مخیر، فیاض اور حامی سنت تھا۔ اس کے زمانہ میں سارے ملک میں امن وامان رہا۔ (دول الاسلام ج ۲، ص ۶۴) اللہ تعالیٰ نے اس کے زمانہ میں بڑی سعادت عطا فرمائی تھی۔ یمن سے لے کر مصر ومغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور سارے فرمانروا اس کے مطیع ومنقاد تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۶)

ابوالعباس احمد بن مستضی الملقب بہ ناصر لدین اللہ

(۵۷۵ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)

مستضی کی وفات کے بعد ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں اس کا لڑکا احمد الملقب بہ ناصر لدین اللہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستضی کے زمانہ میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقعے رونما ہوئے۔ ایک سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے چھڑایا اور تیسری جنگ صلیبی ہوئی۔ دوسرے تاتاریوں کا طوفان اٹھا' جس نے دنیائے اسلام کو زیروزبر کر ڈالا۔ آئندہ صفحات میں ان دونوں کے مختصر حالات پیش کیے جاتے ہیں۔ سیف الدین غازی والی موصل اور الملک الصالح والی حلب کا انتقال: ناصر کی تخت نشینی کے دوسرے سال صفر ۵۷۶ھ میں سیف الدین غازی والی موصل کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو لڑکے تھے' معز الدین سنجر شاہ اور ناصر الدین۔ یہ دونوں صغیر السن تھے۔ اس لیے سیف الدین غازی نے مرتے وقت اپنے چھوٹے بھائی عزالدین مسعود کو جو خاندان میں سب سے زیادہ اہل تھا۔ اپنا جانشین بنایا۔ سیف الدین غازی کی وفات کے سال ڈیڑھ سال بعد رجب ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والی حلب کا بھی وقت آخر آ گیا۔ اس کی کل انیس سال عمر تھی' وہ لاولد تھا۔ اس لیے مرتے وقت وہ بھی عزالدین مسعود کو ملک حوالہ کرنے کی وصیت کر گیا۔ ملک الصالح بڑا صالح و سعید تھا۔ نوجوانی میں بھی وہ پاک دامن رہا۔ مرض الموت میں طبیبوں نے دوا میں شراب کا استعمال تجویز کیا۔ اس نے فقہاء سے پوچھا۔ انہوں نے دوا کے طور پر استعمال کے جواز کا فتویٰ دے دے۔ ملک الصالح نے سوال کیا کہ کیا اس کے استعمال سے موت کا وقت ٹل سکتا ہے؟ فقہاء نے کہا نہیں۔ ملک الصالح نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا پھر میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو استعمال کر کے اس سے نہ ملوں گا۔ (ابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۷۸) اس کی موت کے بعد اتابکی امراء نے اس کی وصیت کے مطابق حلب عزالدین مسعود کے حوالہ کر دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد اس کے دوسرے چچیرے بھائی عمادالدین والی سنجار نے' سنجار کو صلاح الدین کے حوالہ کرنے کی دھمکی دے کر سنجار سے حلب کا تبادلہ کر لیا۔

عزالدین کی مخالفت اور صلاح الدین کا شام میں ورود: عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں صلاح الدین کے خلاف تھے۔ خاص طور سے

عزالدین کو سلطان سے بڑا عناد تھا' چنانچہ ان دونوں نے سلطان کی مخالفت شروع کر دی۔ عمادالدین نے صلاح الدین کے علاقہ راوندان پر حملہ کر دیا اور عزالدین' صلاح الدین کے خلاف فرنگیوں اور باطنیوں سے مل گیا اور انہیں سلطان کے خلاف ابھارا اور باطنیوں کو علاقہ دینے اور حلب میں ان کا تبلیغی مرکز قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۳' ۲۴)

سلطان اور حلب موصل کے سابق فرمانرواؤں میں عہد و پیمان تھا۔ اس کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے عزالدین اور عمادالدین کی اس مخالفت کے باوجود سلطان نے ان کی جانب کوئی اقدام مناسب نہیں سمجھا' مگر ان دونوں کی مخالفانہ سرگرمی برابر جاری رہی۔ اس کا نتیجہ نہ صرف سلطان بلکہ شام کے مسلمانوں کے لیے سخت مضر تھا۔ اس لیے اسے مجبور ہو کر شام کا قصد کرنا پڑا' لین پول لکھتا ہے:

جب رعایا کی حفاظت کے لیے صلاح الدین نے پھر شام پہنچنے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ خاندان زنگی کے شہزادوں (عزالدین و عمادالدین) نے اپنا ایمان اور اپنی عزت اتنی فراموش کر دی ہے کہ ایک باضابطہ عہدنامہ نہ صرف عیسائیوں بلکہ شیخ الحشاشین (حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں چونکہ باطنی بھنگ استعمال کرتے تھے' اس لیے ان کو حشاشین بھی کہتے ہیں) سے اس مضمون کا کر لیا ہے کہ سب مل کر صلاح الدین کا مقابلہ کریں گے کیونکہ صلاح الدین حشاشین اور عیسائیوں کا یکساں دشمن ہے' لیکن اس پر بھی صلاح الدین اپنے قول و عہد سے نہ پھرا۔ رعایا کی حفاظت کے خیال سے وہ شام آیا' مگر تاوقتیکہ صلح کی میعاد ختم نہ ہوئی۔ اس نے کوئی مخالف کارروائی اپنے دغاباز اتحادیوں کے ساتھ نہ کی۔ (صلاح الدین ص ۱۳۳) صلاح الدین کی مصر سے روانگی کے ساتھ ہی فرنگیوں نے کرک کے قریب اس کو روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ دوسری سمت نکل گیا اور طبریہ و بیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر حملہ کرتا ہوا عکا تک بڑھتا چلا گیا اور فرنگیوں کو شکست دے کر واپس گیا۔ اس دوران میں اس کے دمشقی نائب عزالدین فرخ

شاہ نے دبوریہ وشقیف کے فرنگی قلعوں پر جو عین اسلامی سرحد پر تھے فتح کر کے یہاں مسلمانوں کی چوکی قائم کی۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۲۸) اس سنہ میں صلاح الدین نے بیروت پر بحری و بری دونوں سمتوں سے حملہ کیا۔ حملہ کے دوران میں اطلاع ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آ رہا ہے۔ بیروت بڑا مستحکم شہر تھا۔ اس کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا۔ اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر فرنگی جہازوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا اور ان پر حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لیے۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۸۱)

جزیرہ پر سلطان کا قبضہ: سلطان کے مقاصد میں سب سے زیادہ مزاحم زنگی خاندان اور شام و جزیرہ کے وہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران تھے، جو بیشتر اتابکی حکومت سے متوسل تھے۔ ان کی جانب سے اطمینان حاصل کیے بغیر یکسوئی سے فرنگیوں کا مقابلہ مشکل تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں اتابکی حکومت کا ایک متوسل امیر مظفر الدین کوکبری والی حران عزالدین مسعود کے خلاف ہو گیا اور سلطان سے مل کر اس کو جزیرہ پر حملہ کی دعوت دی۔ اس دعوت پر سلطان بیروت سے واپسی کے بعد فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور اعلان عام کر دیا کہ جو فرمانروا اس کی اطاعت قبول کر لے گا اس کو اس کے علاقہ پر بحال کر دیا جائے گا، ورنہ بزور شمشیر اس کو مطیع بنایا جائے گا۔ اس اعلان پر بہت سے فرمانرواؤں نے سلطان کی قوت و سطوت سے ڈر کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان نے انہیں ان کے علاقوں پر بحال رکھا۔ جنہوں نے سرتابی کی انہیں بزور شمشیر مطیع بنایا اور جزیرہ کا بڑا حصہ اس کے زیر نگیں ہو گیا۔ (ابوشامہ نے اس کی طویل تفصیل لکھی ہے، ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے) یہ صورت حال دیکھ کر عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں سلطان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے اور عمادالدین نے اپنا علاقہ عزالدین کی حفاظت میں دے دیا۔

موصل پر فوج کشی اور سنجار پر قبضہ: ۵۸۸ھ میں سلطان

نے موصل پر فوج کشی کر دی۔ سلطان نورالدین مرحوم جیسے تجربہ کار نے جنگی نقطہ نظر سے اس کے استحکامات تعمیر کیے تھے۔ اس کے علاوہ عزالدین کے نائب مجاہدالدین قایماز نے مدافعت کے انتظامات بھی نہایت مکمل کیے تھے۔ اس لیے صلاح الدین کی پوری فوجی قوت اور جنگی تدبیریں اس کی تسخیر میں ناکام رہیں۔ عزالدین مسعود نے سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی' لیکن اس نے ایسے شرائط پیش کیے جو عزالدین کے لیے ناقابل قبول تھے' اس لیے صلح نہ ہوسکی۔ سلطان نے جب دیکھا کہ موصل کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار ہے تو اسے چھوڑ کر عزالدین مسعود کے بھائی شرف الدین کے علاقہ سنجار پر فوج کشی کی۔ اس نے پورا مقابلہ کیا' لیکن سلطان نے اسے شکست دے کر فتح کرلیا اور اپنے سالے سعدالدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا۔ (کتاب الروضتین ج ۲' ص ۳۳' وابن اثیر ج ۱۱' ص ۱۸۴)

آمد پر قبضہ: سنجار کے قریب ہی آمد کی دولت مند ریاست تھی۔ اس کا خزانہ طلائی ونقرئی سامانوں اور عجائبات ونوادر سے بھرا ہوا تھا' لیکن یہاں کا فرمانروا نہایت غافل اور نااہل تھا اور حکومت کی باگ ایک جابر امیر بہاؤالدین بن نیسان کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے مظالم سے رعایا تنگ تھی' چنانچہ آمد کا ایک امیر محمد بن قراء اس کے خلاف ہوگیا اور سلطان صلاح الدین کو آمد پر حملہ کی دعوت دی۔ اس کی دعوت پر سنجار سے فراغت کے بعد سلطان نے آمد پر فوج کشی کی۔ آمد بھی موصل کی طرح نہایت سنگین ومستحکم تھا اور اس کا فتح کرنا بہت مشکل تھا۔ سلطان نے تیروں کے ذریعے شہر میں یہ تحریر پھنکوائی کہ جو لوگ اطاعت قبول کرلیں گے ان کے ساتھ فتح کے بعد احسان کیا جائے گا اور جو مقابلہ کریں گے' ان سے پورا بدلہ لیا جائے گا۔ اہل شہر خود بہاؤالدین کی زیادتیوں سے تنگ تھے' اس لیے انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور سلطانی فوجوں نے شہر پناہ توڑ دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابن نیسان نے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے ذریعہ اس شرط پر شہر حوالہ کر دیا کہ تین دن کے اندر وہ جتنا سامان

لے جا سکے گا لے جانے دیا جائے گا' چنانچہ تین سو آدمی برابر تین دن تک سامان ڈھوتے رہے' اس کے باوجود اس کا دسواں حصہ بھی نہ جا سکا اور چوتھے دن ابن نیسان کو مع باقی سامان کے شہر چھوڑ دینا پڑا اور محرم ۵۷۹ھ میں آمد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ آمد کا کتب خانہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھی۔ یہ سب سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں۔ سلطان نے محمد بن قراء کے لڑکے نورالدین کو آمد کا حاکم مقرر کیا۔ یہ سات برس تک آمد کے باقی ماندہ غیر ضروری سامانوں کو فروخت کرتا رہا اور سارا ملک اس سے بھر گیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲' ص ۳۳' وابن اثیر ج ۱۱' ص ۸۳)

حلب پر قبضہ: آمد پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس آ گیا اور تل خالد اور غیتاب فتح کر کے اسی سنہ میں حلب پر فوج کشی کی۔ اتابکی امراء نے بڑی پامردی سے مدافعت کی' لیکن عمادالدین خود اپنے بخل اور جنگی مصارف کی کثرت اور بعض امراء کی مخالفت ی وجہ سے ہمت ہار گیا اور سنجار' نصیبین' خابور' رقہ اور سروج جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات لے کر ان کے بدلہ میں حلب جیسا اہم مقام سلطان کے حوالہ کر دیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲' ص ۴۳۴۲) حلب پر قبضہ کے بعد شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی۔ دریائے دجلہ سے دو دنیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک تمام بڑے بڑے شہر اس کے زیر نگیں اور مختلف قوتیں اس کے تابع فرمان ہو گئیں اور مکہ مکرمہ سے لے کر بغداد کی مسجدوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ (صلاح الدین ص ۱۵۲' ۱۵۳) شام کے فرنگی فرمانرواؤں میں ریجی نالڈ (پرنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا۔ زیادہ تر وہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ لین پول نے اس و مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۵) عہد و پیمان کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی۔ معاہدوں کو توڑنے

میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے، لوٹ لیتا تھا۔ (صلاح الدین ص ۱۷۴) اس کو اسلام اور مسلمانوں سے اتنی عداوت تھی کہ ۵۷۸ھ میں ان نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر پورا نہ ہو سکا۔ ایک سال بعد ۵۷۹ھ میں پھر اس نے کوشش کی۔ لین پول لکھتا ہے کہ:

حجاز پر ریجی نالڈ کا حملہ اور ناکامی: چونین کے ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا قصد کیا تا کہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ اس کے لیے اس نے ایسے جہاز تیار کرائے جن کے ٹکڑے ہو سکتے تھے۔ ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا اور انہیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا اور عیذاب کو لوٹنے پر چلا۔ عیذاب بحر قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھا۔ اس نے دو جہازوں کو بیچ میں ڈال کر ایلہ کا بحری راستہ بند کر دیا۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کا جہازی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے تعاقب میں چلا۔ اس کا امیر البحر لولو تھا۔ اس نے آتے ہی پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی کل فوج کو الحوراء تک جو بحر قلزم کا چھوٹا بندرگاہ تھا، لے آیا۔ ریجی نالڈ نے اسی بندرگاہ سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا۔ فرنگیوں نے جونہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا وہ ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگے۔ لولو نے بدوؤں سے گھوڑے لے لے کر سپاہیوں کو ان پر سوار کیا اور دوڑ کر دشمن کو غار اور باغ میں جا پکڑا اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ریجی نالڈ خود بھاگ گیا، مگر اس کے ساتھ والوں میں بہت سے لوگ قتل کیے گئے۔ لولو نے کسی کو جان کی امان نہ دی۔ (صلاح الدین ص ۱۵۲، ۱۵۳، عربی مورخین نے بھی اس واقعہ کا مختصر ذکر کیا ہے)

حارم پر قبضہ: حلب پر تو سلطان کا قبضہ ہو گیا تھا، لیکن مملکت حلب کا ایک

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

ہلے۔ یہ صورت حال دیکھ کر سلطان نے انہیں راستہ دے دیا۔ فرنگیوں نے راہ فرار اختیار کی اور سلطان نے ان کا تعاقب کر کے بے دریغ قتل و گرفتار کیا اور ان کے علاقے کفر بلا، بیسان اور زرعین کو ویران کر ڈالا۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۵۰)

لین پول لکھتا ہے کہ ''عین جالوت میں سلطان نے ناکہ بندی کر کے فرنگیوں کا سامان رسد بند کر دیا۔ کھانے پینے کی کوئی چیز اس حلقہ سے جو مسلمانوں نے صلیبیوں کے گرد باندھ رکھا تھا، نکل کر عیسائیوں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل صلیب میں سخت قحط پڑ گیا۔ زمانہ وسط اکتوبر کا تھا، برسات قریب آ رہی تھی۔ صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ صلیبی کسی طرح جنگ پر آمادہ ہوں، مگر وہ نہ آئے اور جہاں تھے، آخر کار وہیں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اڑ اڑ کر ان کا تعاقب کرتے تھے۔ غرض یہ فراری عیسائی بے حد خجل و شرمندہ ہو کر صفوریہ میں آئے۔ یہی وہ مقام تھا، جہاں سے وہ بڑی شان سے صفیں باندھ کر لڑنے کو نکلے تھے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۵)

اس مہم سے فراغت کے بعد ۵۷۹ھ میں سلطان نے اپنے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر فوج کشی کی۔ اس کی شہر پناہ بڑی سنگین و مستحکم تھی۔ صلاح الدین نے سنگبار آلات کے ذریعہ اس کو توڑنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ اسی دوران میں خبر آئی کہ ریجی نالڈ کی مدد کے لیے فرنگی والہ میں جمع ہو رہے ہیں۔ کرک کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا، اس لیے سلطان دمشق لوٹ گیا۔

کرک کی فتح: اور مصر و شام اور جزیرہ کی فوجوں کو جمع کر کے ۵۸۰ھ میں وہ دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کے لیے نکلے اور فرنگیوں کی پوری مدافعت کے باوجود اس نے کرک فتح کر لیا، لیکن اس کے قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ وہ قلعہ کی تسخیر کی تدبیر میں تھا کہ خبر ملی کہ کرک کے محصورین کی مدد کے لیے امدادی فوجیں الوالا تک پہنچ گئی ہیں۔ اس لیے سلطان ان کو روکنے کے لیے الوالا چلا گیا اور ایک کھلے میدان میں فرنگیوں کے

انتظار میں ٹھہر گیا۔ ان کو خبر ہو گئی تھی، اس لیے وہ راستہ چھوڑ کر دوسری جانب سے کرک پہنچ گئے۔ اس تازہ دم امدادی فوج کے بعد قلعہ کرک کی تسخیر اور زیادہ دشوار ہو گئی۔ اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر نابلس اور سبطینہ کو لوٹتا ہوا دمشق لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۸۹، ۱۹۰، و کتاب الروضتین ج ۲، ص ۵۶ ملخصاً)

لین پول نے اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کرک کے محاصرہ کے دوران میں بادشاہ یروشلم امالرک کی سوتیلی بہن ازبیلا کی شادی کی تقریب میں جشن منایا جا رہا تھا۔ دولہا دلہن یہیں تھے۔ صلاح الدین نے ریجی نالڈ کی دشمنی کے باوجود اس کے پاس شادی کا کھانا بھیجا اور فوج کو حکم دیا کہ جس برج میں دولہا دلہن ہیں ان پر تیر نہ پھینکے جائیں۔ (صلاح الدین ص ۱۵۶)

صلاح الدین اور ریلنڈ والی طرابلس کی مصالحت: کرک سے سلطان کی واپسی کے چند ہی دنوں بعد ۸۵-۱۱۸۴ء مطابق ۸۱-۵۸۰ھ میں یروشلم کے فرمانروا امالرک کا انتقال ہو گیا۔ وہ لاولد تھا۔ اس لیے اپنے صغیر السن بھانجے بالڈون کو اپنا جانشین بنا گیا اور لوسگنان کا گائی اور طرابلس کا فرمانروا ریمنڈ اس کے ولی قرار پائے۔ امالرک کی موت کے بعد یروشلم کے عیسائیوں کا جوش کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا اور ریمنڈ نے صلاح الدین سے چار سال کے لیے صلح کر لی اور یہ بھی عہد و پیمان ہو گیا کہ فریقین ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے اور ان میں سے کسی ایک یا دونوں پر جب کوئی تیسری قوت حملہ آور ہو گی تو فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۷) لیکن اس صلح نامہ کا عام صلیبیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا اور ان کا جوش جہاد بدستور قائم رہا۔

لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین اور ریمنڈ کے ذہن میں اس صلح نامہ کی جو شکل بھی ہو لیکن حقیقت میں یہ صلح ایسی ہی تھی جیسے لڑائی کے میدان میں سپاہی کو متنبہ ہو کر طلبی کی آواز سنتے ہی اڑ جائے۔ یہ صلح حقیقت میں صلح نہ تھی۔ اسی زمانہ میں بطریق

ہیرکلیوس مسیحی مجاہدوں کی بھرتی کے لیے یورپ میں گشت لگا رہا تھا۔ انگلستان کے نائٹ شی والی سے لے کر جبل البرانس تک جنگ مقدس کے لیے صلیبیں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ جس حال میں کہ مسیحی مجاہدوں کی دو جنگ آور جماعتیں الدایہ (ہاسپٹرس) اور البیطار (ٹمپلرس) کے نائب نصرانیت کے لیے تلوار چلانے کے لیے بیتاب ہوں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ گو جنگ مقدس سو گئی تھی، لیکن اس کا بیدار ہونا یقینی تھا۔ (صلاح الدین ص ۱۵۸، الدایہ اور البیطار دونوں فرنگی مجاہدین کی بڑی پر جوش اور جانباز جماعتیں تھیں۔ اس میں یورپ کے بڑے بڑے امراء شامل تھے) ابن اثیر نے اس صلح کی صورت یہ لکھی ہے کہ امالرک کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد اس کا جانشین بالڈون بھی مر گیا۔ اس کی موت کے بعد یروشلم کا تخت اس کی ماں کو ملا۔ اس نے ایک شخص (گائی) سے شادی کر کے تاج و تخت اس کے حوالے کر دیا۔ بالڈون کی صغر سنی کی وجہ سے یروشلم کی حکومت باگ ریمنڈ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لیے اس سے دستبرداری اس کو بڑی شاق ہوئی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ گائی نے اس سے بالڈون کے زمانہ کا حساب کتاب طلب کیا۔ اس لیے گائی کے ساتھ اس کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ صلاح الدین سے مل گیا۔ سلطان نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ یروشلم کی حکومت اس کو دلا دے گا۔ ریمنڈ کا صلیبیوں پر بڑا اثر تھا، اس لیے اس صلح کے بعد بہت سے فرنگی بھی سلطان کے ساتھ ہو گئے اور ان کی قوت دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۹۸)

موصل پر فوج کشی اور عزالدین کی اطاعت: ادھر کچھ دنوں سے موصل کی حکومت پر عزالدین مسعود کا نائب السلطنت مجاہدالدین قائماز حاوی ہو گیا تھا اور عزالدین برائے نام حکمران رہ گیا تھا۔ اس لیے اس نے مجاہدین کے استبداد سے عاجز آ کر اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری سے موصل کی حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا اور اس کے ماتحت امراء و حکمرانوں نے عزالدین سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور اس کے پاس

موصل رہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر عزالدین نے ناصرلدین اللہ کے ذریعہ سلطان صلاح الدین سے صلح کی کوشش کی، مگر صلح نہ ہوسکی اور سلطان نے ۵۸۱ھ میں موصل پر فوج کشی کر دی۔ عزالدین جنگ سے بچنا چاہتا تھا، چنانچہ جب سلطان قریب پہنچا تو عزالدین نے اپنی چچیری بہن یعنی سلطان نورالدین زنگی کی لڑکی کو اس امید پر سلطان کے پاس صلح کے لیے بھیجا کہ وہ اپنی آقازادی کی خواہش کو رد نہ کرے گا۔ سلطان نے امراء سے مشورہ کیا، اکثر امراء نے رائے دی کہ مرحوم سلطان کی لڑکی کو مایوس واپس نہ کرنا چاہیے، لیکن بعض امراء نے کہا ایک عورت کی خاطر موصل جیسے علاقہ کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ عزالدین نے عورتوں کو محض اس لیے درمیان میں ڈالا ہے کہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۹۳) صلاح الدین کی دلی خواہش بھی یہی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی آقازادی کی ظاہری تعظیم وتوقیر تو بہت کی اور بہت سے وعدے وعید بھی کیے، لیکن باطائف الحیل اس کی درخواست ٹال دی۔ اس کا نہایت برا اثر پڑا۔ اہل موصل کے علاوہ خود صلاح الدین کے امراء اور اس کے وزیر قاضی فاضل تک نے اس کو ناپسند کیا اور جب اس نے موصل پر حملہ کیا تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اہل موصل نے اس پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ سلطان کی ساری جنگی تدبیریں ان کو مغلوب کرنے میں ناکام رہیں۔

اسی دوران میں شاہ ارمن والی خلاط کا انتقال ہوگیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ اس نے کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس لیے اس کی موت کے بعد اس کا خسر شمس الدین پہلوان اور غلام یکتمر خلاط کی حکومت کے دعویدار ہو گئے۔ اہل خلاط ان دونوں کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان کو بلا بھیجا۔ موصل کی تسخیر کی فوری کوئی امید نہ تھی۔ اس لیے سلطان محاصرہ اٹھا کر خلاط چلا گیا، لیکن جب یہ قریب پہنچا تو شمس الدین اور یکتمر دونوں نے صلح کر لی۔ اس کے بعد سلطان کے لیے کوئی موقع نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے وہ پھر موصل لوٹ آیا۔ اس مرتبہ اس میں اور عزالدین مسعود میں صلح ہوگئی۔ عزالدین مسعود نے

شہر زور اور دریائے زاب کے آس پاس کا پورا علاقہ قرایلی اور بنی قفچاق کے اضلاع سلطان کو دے دیئے اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہوگئی۔ اس کی جانب سے اطمینان ہونے کے بعد صلاح الدین کو صلیبیوں سے مقابلہ کا آزادی کے ساتھ موقع مل گیا۔ (صلاح الدین ص ۱۷۴)

ریجی نالڈ کی بدعہدی: سلطان کا اصل مقصد ارض شام کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا' لیکن کچھ اندرونی حالات اور کچھ اس سبب سے کہ بعض فرنگی فرمانرواؤں سے وقتی مصالحت ہوگئی تھی۔ سلطان نے ابھی اس مہم کی جانب پوری توجہ نہ کی تھی۔ اتفاق سے عزالدین مسعود سے مصالحت کے بعد ہی ریجی نالڈ کی عہد شکنی نے اس کا موقع بہم پہنچا دیا۔ صلح کے زمانہ میں بھی مسلمان تاجروں اور قافلوں کو لوٹنا' اس نے مشغلہ بنالیا تھا۔ لین پول کا بیان ہے کہ اس نے عین صلح کے زمانے میں ۱۱۷۹ء میں ایک کارواں کو جو اس کے قلعہ کے نیچے اترا تھا' لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ ۱۱۸۳ء میں پھر اس نے یہی حرکت کی۔ ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کیا۔ جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہو' اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑا لے۔ اس کے ایک سال کے بعد اسے اس تمسخر اور استہزاء کی پوری سزا مل گئی۔ سلطان صلاح الدین نے اس کو سنا تو قسم کھا کر عہد کیا کہ ''اس صلح شکن کافر کو اللہ نے چاہا تو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ صلاح الدین نے جس بات کا عہد کیا تھا اسے کر دکھایا اور اس آخری کاروان پر حملہ نے یروشلم کی مسیحی سلطنت ہی کو ختم کر دیا۔ لین پول کے بیان کے مطابق اس کاروان میں سلطان کی بہن بھی تھی۔ (کتاب

الروضتین ج ۲، ص ۷۵، وابن اثیر ج ۲، ص ۱۹۹) (صلاح الدین ص ۴۷، وکتاب الروضتین ج ۲، ص ۷۵، ۷۶، وابن اثیر ج ۱۱، ص ۱۹۹) کتاب الروضتین ج ۲، ص ۶۴) لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں۔ اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ صلاح الدین نے ایک مرتبہ پھر مقابلہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی اور ریجی نالڈ کو لکھ بھیجا کہ وہ قیدیوں کو رہا اور لوٹے ہوئے مال کو واپس کر دے ورنہ اس کی سزا بھگتنا پڑے گی، لیکن ریجی نالڈ ضد پر قائم رہا۔ اس سے صلاح الدین کا اشتعال اور بڑھ گیا اور اس نے عہد کر لیا کہ اگر اس کو ریجی نالڈ پر قابو حاصل ہو گیا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے گا۔ (صلاح الدین ص ۷۵، ۷۶)

اور صلیبیوں نے فیصلہ کن جنگ کے لیے ممالک محروسہ میں جہاد کی عام منادی کر دی اور اپنے زیر اہتمام امراء اور فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جمع ہو جائیں۔ اس حکم پر عراق و کردستان کے تمام فرمانروا پہنچ گئے اور سلطان محرم ۵۸۳ھ میں دمشق سے فلسطین روانہ ہو گیا۔ راس الماء میں اطلاع ملی کہ ریجی نالڈ حاجیوں کے قافلہ کو جو حجاز سے واپس آ رہا ہے، لوٹنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس میں سلطان کا بھانجہ حسام الدین بھی تھا۔ ابھی بعض اسلامی ممالک کی فوجیں نہ پہنچی تھیں، اس لیے سلطان اپنے لڑکے الملک الافضل کو راس الماء میں چھوڑ کر خود کرک روانہ ہو گیا۔ اس سے ریجی نالڈ کو قافلہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ صحیح و سلامت گزر گیا۔ سلطان نے کرک اور شوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اس دوران میں باقی ملکوں کی فوجیں بھی، جن کا انتظار تھا، راس الماء پہنچ گئیں۔ الملک الافضل انہیں لے کر ساحل کے کنارے کنارے عکا کی طرف بڑھا۔ صفوریہ کے قریب صلیبی مجاہدین کی مشہور جماعتیں الداویہ اور استباریہ کا سامنا ہو گیا۔ الملک الافضل نے انہیں بڑی فاش شکست دی۔ استباریہ کا ایک ممتاز سردار قتل ہوا اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ کرک سے لوٹ کر ملک الافضل سے مل گیا اور اسلامی فوجوں کا سیلاب

طبریہ کی طرف بڑھا۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۷۵، ۷۶، وابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۰۰)
اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ریمنڈ والی طرابلس، گائی فرماں روائے یروشلم کے خلاف تھا اور صلیبیوں کو چھوڑ کر سلطان سے مل گیا تھا، لیکن سلطان کی اس فوج کشی نے سارے عیسائی فرمانرواؤں کو چونکا دیا اور وہ سب اپنے اختلاف بھلا کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے۔ گائی اور ریمنڈ غار یوسف کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور عیسائیوں نے صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے مقدس صلیب اٹھائی اور پچاس ہزار فرنگی صفوریہ کے مشہور شہر میں مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے، جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے۔ (صلاح الدین ص ۱۷۵، ۱۷۶) سلطان کو اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو اس نے ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں صفوریہ کا رخ کیا اور فرنگیوں کے قریب ہی طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتاریں اور کئی دن تک فرنگیوں کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ سلطان ان کو باہر لانے کے لیے تھوڑی سی فوج لے کر طبریہ پہنچا۔ طبریہ ریمنڈ کا مستقر تھا، لیکن وہ اس وقت صلیبی لشکر کے ساتھ صفوریہ میں تھا۔ طبریہ میں صرف اس کے بیوی بچے تھے، اس لیے سلطان نے شہر پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا، لیکن قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۸۱)

سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ طبریہ پر قبضہ کی خبر سن کر صفوریہ کے فرنگیوں نے طبریہ پہنچنے کا قصد کیا۔ ریمنڈ نے اس کی مخالفت کی اور کہا اگر صلاح الدین قلعہ پر قبضہ کر کے میری بیوی اور بچوں کو بھی گرفتار کر لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ سارا ملک ہاتھوں سے نکل جائے، اگر ہم اس راستے سے گئے تو ہمارا غارت ہونا یقینی ہے۔ (صلاح الدین ص ۱۸۳) صلاح الدین کے پاس اس وقت اتنی قوت ہے کہ طبریہ کو اس سے واپس لینا ناممکن ہے، لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کی واپسی کے بعد ہم آسانی کے ساتھ طبریہ پر قبضہ کر لیں گے، لیکن ریمنڈ اور سلطان کے سابق تعلقات کی بنا پر عیسائیوں نے اس مشورہ کو بد دیانتی پر محمول کیا اور طبریہ روانہ ہو گئے۔

(ابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۰۱) سلطان تھوڑی سی فوج طبریہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اپنے لشکر گاہ لوٹ گیا۔ صفوریہ اور طبریہ کے درمیان جابجا اسلامی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لیے فرنگیوں کے صفوریہ سے نکلنے کے ساتھ ہی انہوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے نائٹ قتل ہوئے۔ (صلاح الدین ص ۱۸۵)

مسلمانوں نے چشموں اور تالابوں پر پہلے سے قبضہ کر کے باقی چشموں کو برباد کر دیا یا ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ اس لیے صفوریہ سے نکلنے کے بعد ہی فرنگیوں کو پانی کی بڑی دشواری پیش آئی، مگر وہ کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی مسافت پر خیمہ زن ہوئے اور رات گزارنے کے بعد دوسرے دن ۲۵/ ربیع الثانی ۵۸۳ھ کو لوبیا کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے ہی معرکہ میں مسلمانوں کی تیر باری سے صلیبیوں کے سوار دستہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ انہوں نے لڑ بھڑ کر بحیرہ طبریہ کی سمت نکل جانا چاہا، لیکن صلاح الدین خود سامنے آ کر جم گیا اور آگے بڑھنے سے روک دیا۔ صلیبیوں نے بھی پورا زور صرف کر دیا اور بڑی خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ صلاح الدین فوج کے ہر حصے میں جا کر مسلمانوں کو جوش دلاتا تھا اور انہیں جنگ کے لیے ہدایات دیتا تھا۔ صلیبی فوجوں کی سمت خشک جھاڑیوں کا جنگل تھا۔ مسلمانوں نے اس میں آگ لگا دی۔ اتفاق سے ہوا بھی اسی جانب کی تھی۔ اس لیے اس کا سارا دھواں اور گرمی صلیبی فوجوں میں بھر گئی۔ اس نے ان کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جانبازی کے علاوہ مفر کی اور کوئی صورت نہیں ہے، تو مجبور ہو کر آخری مقابلہ کے لیے جان کی بازی لگا دی اور ان کے پیہم حملوں نے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم کر دیں، لیکن ہر حملہ میں صلیبیوں کی کافی تعداد قتل ہو جاتی تھی اور ان کی قوت برابر گھٹتی جاتی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ انہوں نے کوہ حطین کی آڑ لینے کی کوشش کی، لیکن ہر طرف سے راستہ بند تھا۔ اس لیے بہت تھوڑی تعداد کوہ حطین کی سمت جا سکی

اور مسلمانوں نے چاروں طرف سے حملہ کر کے مقدس صلیب کو جو حضرت مسیحؑ کی سولی کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی، چھین لیا۔ اس سے ان میں بڑی بد دلی پیدا ہو گئی۔ تاہم انہوں نے حطین کی آڑ لے کر مقابلہ کی آخری کوشش کی، لیکن وہ مسلمانوں کے حملہ کو نہ روک سکے اور بڑھتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے اور اس کو گرا دیا۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ ان کی قوت بالکل جواب دے چکی ہے اور جنگ جاری رکھنے میں موت کے سوا کچھ حاصل نہیں تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں نے ان کے تمام بڑے بڑے امراء اور حکمرانوں کو گرفتار کر لیا۔ (جنگ حطین کی تفصیلات مورخین نے بہت طویل لکھی ہیں اور ان میں باہم خفیف اختلافات بھی ہیں۔ ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲، ص ۸۱، وابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۰۱، ۲۰۲) لین پول نے اس جنگ کے خاتمے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

مسیحی شہسوار اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اپنی جانوں کو زیادہ قیمت پر فروخت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنی تلواریں میان میں ڈال لیں اور مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لیے گئے۔ بادشاہ یروشلم کا گائی اس کا بھائی پاٹلیوں، ریجی نالڈ، تیبین کا ہمفری اور دادیہ اور استعباریہ دونوں طبقوں کے سردار اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کیے گئے، صرف ریمنڈ (والی طرابلس) جو لڑائی کا رنگ دیکھ کر میدان جنگ ہی سے صور بھاگ گیا، بچ گیا اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ (صلاح الدین ص ۱۸۷، وابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۰۲)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اتنے صلیبی قتل اور گرفتار ہوئے کہ مقتولین کے انبار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پوری فوج قتل ہو گئی اور قیدیوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۱، ص ۲۰۲)

ابو شامہ لکھتا ہے کہ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے

میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی جو زندہ بچے تھے وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۸۱، وصلاح الدین ص ۱۸۸) صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ میں ۵۸۳ھ کے معرکہ کے علاوہ اتنا اہم معرکہ نہ ہوا تھا۔ اس سے صلیبیوں کی قوت پارہ پارہ ہو گئی۔ اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ یروشلم کے بادشاہ گائی کو اس نے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ باقی امراء کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق بٹھایا۔ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ گائی اس کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ برف کا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ گائی نے خود تھوڑا سا پی کر باقی ریجی نالڈ کو دے دیا۔ (عربوں کا دستور تھا کہ جس قیدی کو کھانا پانی دیتے تھے، وہ گویا مامون ہو جاتا تھا) اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا ہے۔ اس لیے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے اور تمام قیدیوں کو کھانے کے لیے رخصت کر دیا، صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا اور ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گذشتہ بداعمالیوں کو گنا کر کہا "اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس سے رہائی کی درخواست کی تھی، تو ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ اس وقت محمد ﷺ کو چھڑانے کے لیے کیوں نہیں بلاتے۔ گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ تاہم اس کے اسلامی اصول کے موافق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کر کے اپنی قسم پوری کی۔ گائی ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا۔ سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا بادشاہوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ وہ دوسرے بادشاہوں کو قتل کریں۔ ریجی نالڈ کو صرف اس کی حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بدرجہ مجبوری قتل کرنا

پڑا۔(یہ واقعات ابو شامہ ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۲ و صلاح الدین ص ۱۸۸)

حطین کی شکست سے شام کے عیسائیوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی۔ لین پول کا بیان ہے کہ اس جنگ نے ملک فلسطین کو فاتحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یروشلم کی سلطنت رخصت ہو چکی تھی۔ اس کا بادشاہ اور امراء سب گرفتار تھے۔ اب مشکل سے فرنگیوں کا کوئی ایسا ہادی اور رہنما باقی نہ رہ گیا تھا جو منتشر اور پراگندہ صلیبی مبارزوں کو یکجا کرتا۔ ان کو شام میں داخل ہوئے ۹۰ برس گزر چکے تھے، مگر اس پوری مدت میں ایسی سخت تباہی کبھی نہ آئی تھی۔ طبریہ میں صلیبیوں کی شکست ان کے حق میں ایک ضرب مہلک ثابت ہوئی اور جو چیز ان کے ہاتھ سے اس دن نکلی تھی۔ مسیحی دنیا میں آج تک اسے حاصل نہ کر سکی۔ سوائے چند دور دور کے قلعوں کے جو صلیبیوں کی چند حربی جماعتوں کے قبضہ میں تھے اور جو ساحل سے ہٹے ہوئے ملک کے اندرونی حصوں میں واقع تھے۔ اب پورا فلسطین شمال میں بیروت سے لے کر جنوب میں غزہ تک صلاح الدین کے قبضہ میں تھا۔ عیسائیوں کے قبضہ میں صرف صور اور یروشلم باقی رہ گئے تھے تاکہ اس امر کی شہادت دے سکیں کہ کوئی مسیحی حکومت بھی اس ملک میں تھی، مگر یروشلم کو بھی وہی پیش آنے والا تھا، جو اس کے دوسرے شہروں کو پیش آ چکا تھا۔ اسلامی فوجوں نے حطین کی فتح کے بعد ایک دن آرام کیا اور پھر ایک زبردست سیلاب کی طرح ملک میں پھیلنا شروع کیا۔ اب مسلمانوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کسی شہر کے سامنے آئیں اور اریحا کی طرح اس کی دیواریں گر پڑیں اور شہر کی فوج نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ صرف چند مضبوط قلعے ایسے تھے، جنہوں نے محاصرہ کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنا گوارا کیں، لیکن ان میں بھی کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جس نے ایک ہفتہ سے زیادہ مقابلہ کیا ہو۔(صلاح الدین ص ۱۹۱) چنانچہ حطین کی فتح کے بعد سلطان نے سب سے پہلے طبریہ کے قلعہ پر فوج کشی کی۔ یہاں کوئی روکنے والا موجود نہ تھا۔ صرف

ہیں۔

لین پول کا بیان ہے کہ سلطان بیت المقدس کی پر امن حوالگی کے معاوضہ میں یہاں تک تیار ہو گیا کہ صلیبی بدستور یروشلم میں رہیں اور اس کو مضبوط و مستحکم کر لیں اور شہر کے گرد پانچ فرسخ تک زراعت کر کے فائدہ اٹھائیں' اور عید الخمیس تک وہ ان کے لئے سامان خورد و نوش مہیا کرے گا اور ان کے تمام اخراجات برداشت کرے گا' اس دوران میں اگر ان کو بیرونی مدد مل جائے تو یروشلم ان ہی کے قبضہ میں رہے گا اور اگر نہ مل سکے تو پھر حوالہ کر دینا ہو گا اور سلطان ان کو ان کے مال و متاع سمیت کسی مسیحی ملک میں پہنچا دے گا' لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ (الحروبیہ الصلیبیہ صفحہ ۱۵۲ بحوالہ مچاڈ)

ان کے انکار پر سلطان کو بوجہ مجبوری تلوار نکالنا پڑی' دونوں فریق جذبہ مذہبی سے سرشار تھے' کئی دن تک نہایت پر زور مقابلہ ہوتا رہا' مسلمان شہر پناہ توڑنا چاہتے تھے لیکن اس کے اوپر سے تیر باری ہو رہی تھی' اور باہر بھی صلیبی مصروف پیکار تھے' اس لیے وہ شہر پناہ تک نہ پہنچ سکے' جب صلیبیوں کی قوت کچھ کمزور پڑی تو مسلمانوں نے ریلا کر کے ان کو اندر دھکیل دیا اور بڑھتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے' اور سنگباری کر کے اس کو تو دیا' صلیبیوں نے جب دیکھا کہ وہ شہر کو نہیں بچا سکتے اور تلوار کے زور سے مسلمانوں کے قبضہ کی صورت میں ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ اس وقت وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے' لیکن اب صلاح الدین نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا' اس جواب پر بالیان نے خود اس کے پاس جا کر اسے راضی کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ بیت المقدس میں ہماری بہت بڑی تعداد ہے اور ہم نے اس امید پر درخواست کی تھی کہ دوسرے شہر والوں کی طرح ہماری درخواست بھی قبول ہو گی' لیکن جب ہم یہ دیکھیں گے کہ موت کے علاوہ

ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے بیت المقدس میں جس قدر مال و متاع اور نقد و جنس ہے سب کو جلا ڈالیں گے اور تم لوگوں کو ایک قیدی اور ایک حبہ بھی نہ ملے گا اور صخرہ اور مسجد اقصیٰ وغیرہ تمہارے مقدس مقامات کو برباد کر کے ان تمام مسلمانوں کو جو ہمارے یہاں قید ہیں، قتل کر ڈالیں گے اور پھر تم سے سر بکف جنگ کر کے یا عزت کی موت مریں گے یا کامیابی کی سرخروئی حاصل کریں گے۔

سلطان خود بیت المقدس کی بے حرمتی اور یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کو فتح اور صلیبیوں کو مغلوب کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کر انہیں آزاد کرے لیکن جب اس نے دیکھا کہ جنگ کی صورت میں صلیبی بیت المقدس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے ان کی درخواست قبول کر لی اور یہ شرط قرار پائی کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی فی مرد دس دینار، فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کریں گے اور چالیس دن کے اندر جن کا فدیہ ادا نہ ہو گا، وہ غلام شمار کئے جائیں گے۔ اس قرارداد کے بعد جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بمطابق ستمبر ۱۱۸۷ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور اکیانوے سال کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کا یہ پاک گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے قبضہ میں آ گیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ یہ تاریخ معراج نبوی ﷺ کی ہے۔ (ابو شامہ اور ابن اثیر وغیرہ نے بیت المقدس کی فتح کی پوری تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف خلاصہ تحریر کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو کتاب الروضتین جلد ۲ و ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۷) اور بیت المقدس کو معراج سے خاص نسبت ہے۔

صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے، اسکا حال اوپر گذر چکا ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں نے جس پر امن طریقے سے اس کو واپس کیا اور عیسائیوں کے ساتھ جس فیاضی کا سلوک کیا، اس کا حال خود یورپین مورخین سے سنئے۔ لین پول لکھتا ہے۔

پول صفحہ ۲۰۲ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸) ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے اس پادری اور دوسرے رہا شدہ عیسائیوں کو اپنے آدمیوں کی حفاظت میں صور تک پہنچایا۔ لین پول لکھتا ہے کہ دولت مند عیسائیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسایوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی' ان کی بے کسی دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلان سے ایک ہزار عیسایوں کو بطور غلام لے کر انہیں اپنی طرف سے آزاد کیا۔ (لین پول صفحہ ۲۳۱' ابو شامہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔ لیکن تعداد نہیں لکھی ہے کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۹۵) اسے دیکھ کر سلطان نے کہا کہ عادل' بالیان اور بطریق نے اپنی اپنی طرف سے خیرات کی' اب میں اپنی طرف سے خرات کرتا ہوں' اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر میں عام منادی کر دیں کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کیے جاتے ہیں' انہیں اختیار ہے وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ سورج نکلنے کے وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک برابر ان کی جماعتیں شہر سے نکلتی رہیں' یہ خیر خیرات تھی' جو سلطان صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔ (صلاح الدین صفحہ ۲۰۳ بحوالہ ارنول) مردوں کے علاوہ بیت المقدس میں بہت سی معزز خواتین بھی تھیں' چنانچہ روم کی ایک ملکہ ہجرت کر کے بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی اسکے پاس بڑی دولت تھی' اسنے صلاح الدین سے خواہش کی کہ اس کو بیت المقدس سے نکل جانے دیا جائے' سلطان نے اس کے مال و متاع سمیت چلے جانے کی اجازت دے دی' یروشلم کے فرمانروا گی کی بیوی نے اپنے شوہر کے پاس جو نابلس میں قید تھا' جانے کی خواہش کی' سلطان نے اسے گائی کے پاس بھجوا دیا' مقتول ریجی نالڈ والی کرک کی بیوی کی خواہش پر ان کے لڑکے ہمفری کو' جو دمشق میں قید تھا' بلا کر دکھایا اور وعدہ کیا کہ کرک کے قلعہ پر قبضہ کے بعد لڑکے کو رہا کر دیا جائے گا۔ (کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۹۶) جنگ صلیبی کے مقتول اور قیدی نائٹوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا' جب وہ سلطان سے اپنی حالت زار بیان کر کے رحم کی

طلب ہوئیں تو سلطان آبدیدہ ہو گیا اور ان میں سے جن کے شوہر زندہ اور قید تھے ان کو رہا کر دیا گیا اور جن کے شوہر قتل ہو چکے تھے ان کے رتبے کے مطابق ان کو روپیہ دے کر ان کی تشفی اور دلدہی کی' وہ اسی کے احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اسکی فیاضی کا ممنونیت کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں' غرض اس طرح سلطان نے اس مفتوح شہر پر احسان کیا۔

ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں آجب گاڈفرے اور تنکرو' یروشلم کے بازار سے گزرتے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جان بلبل زخمی لوٹتے تھے' جب کہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا' اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے' تو صلیبیوں نے انہیں وہیں تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا' اور جہاں ان کے اسی قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور اس مقدس شہر کو انہوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا' جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیح نے سنایا تھا اور فرمایا تھا خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں' جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور یہ ان پر بے رحم ہو رہا تھا' اگر صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیافت کیا تو صرف یہی ایک کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل تھا۔ (صلاح الدین صفحہ ۲۰۴' ۲۰۵ بحوالہ ارنول)

عیسایوں نے ایک صدی کے اندر بیت المقدس کی ہیئت بالکل بدل دی تھی بہت سے نئے گرجے تعمیر کر لیتے تھے' مسجد اقصیٰ کی شکل بالکل بگاڑ دی تھی' اس کی

دیواروں پر پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا دی تھیں' ان کے مجسمے نصب کر دیئے تھے' مسجد اقصیٰ کے متصل سکونتی مکانات تعمیر کر لیے گئے تھے' الصخرہ شریف کو سنگ مرمر کی سلوں سے چھپا دیا تھا' سلطان نے عیسائیوں کے اضافوں کو مٹا کر ان کو ان کی اصلی شکل میں کیا اور مسجد اقصیٰ اور قبتہ الصخرہ کو شرک کی نجاستوں سے پاک کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا' ان کے لئے امام اور قاری مقرر کیے' ۴ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی گی' سلطان نور الدین نے اپنے زمانہ میں ایک نہایت خوبصورت منبر بنایا تھا کہ بیت المقدس کے فتح کرنے کے بعد اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کرے گا' یہ منبر صناعی کا بہترین نمونہ تھا' نور الدین کی یہ آرزو صلاح الدین کے ہاتھوں پوری ہوئی اور اس منبر کو حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ (یہ حالات کتاب الروضتین کے مختلف صفحات اور ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹ سے ماخوذ ہیں) بیت المقدس کی تطہیر کے ساتھ سلطان نے یہاں مدرسے رباطیں تعمیر کیں اور زر فدیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی کل علماء و امراء اور دوسرے مستحقین میں تقسیم کر دی اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھا۔

صور پر فوج کشی اور ناکامی: بیت المقدس پر قبضہ کے بعد فلسطین کی فرنگی حکومت ختم ہو گئی۔ لیکن صور کی اہم بندرگاہ ان کے قبضہ میں باقی رہ گئی تھی' جس کو کونریڈ نے فلسطین کے عیسائیوں کا مرکز بنا دیا تھا' اور وہاں کے مختلف شہروں کے بہت سے صلیبی جمع ہو گئے تھے' اس لیے بیت المقدس کے انتظامات سے فراغت کے بعد رمضان ۵۸۳ھ میں سلطان نے صور پر بری اور بحری دو سمتوں سے فوج کشی کی' کونریڈ نے اس کو نہایت مستحکم کر لیا تھا' اس کے گرد نئی شہر پناہ تعمیر کر کے اس کے چاروں طرف وسیع خندق کھود کر اس کو سمندر سے ملا دیا تھا' اور صور ایک جزیرہ بن گیا تھا' جس کے ہر طرف جنگی جہاز متعین تھے' اس لیے خشکی کی سمت سے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوا اور ان کو صلیبیوں کی تیر باری سے نقصان پہنچا' لیکن بحری سمت ان کی قوت زیادہ تھی اور دس جنگی

جہاز مصروف پیکار تھے' ایک دن اتفاق سے صبح ہوتے ہوتے مسلمان غافل ہو گئے' صلیبیوں نے موقع پا کر پانچ جہاز گرفتار کر لیے' باقی پانچ جہاز مقابلہ بیکار سمجھ کر بیروت روانہ ہو گئے' صلیبی جہازوں نے ان کا تعاقب کیا' اسلامی جہاز بھاگ نہ سکے اور کچھ دور جا کر شام ہی کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے' صلیبیوں کے قبضہ سے اس کا بچانا دشوار تھا' اس لیے سلطان نے ان کو برباد کرا دیا۔ اس کے بعد خشکی کی فوج نے آخری مرتبہ پھر زور لگایا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' مسلمان لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اس لئے سلطان نے مجبور ہو کر شوال ۵۸۳ھ میں محاصرہ اٹھا کر عکہ لوٹ گیا اور تھکی ہوئی فوجوں کو آرام کے لئے ان کے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ (ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۰' ۲۱۱)

اس مہم کو ناتمام چھوڑ دینے کا نتیجہ آگے چل کر برا ثابت ہوا' جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مختلف فتوحات اور دمشق کی واپسی: عکہ واپس آنے کے بعد سلطان نے حصن کوکب پر فوج کشی کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' اس کے پاس فوج بہت کم رہ گئی تھی' اور صلیبیوں کا استیصال باقی تھا' کو فلسطین میں ان کے متعدد قلعے موجود تھے' اس لیے سلطان ۵۸۳ھ میں دمشق لوٹ گیا اور اپنے تمام ماتحت امراء اور حکمرانوں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا اور شام کی فوجوں کو جمع کر کے ربیع الاول ۵۸۴ھ میں دمشق سے روانہ ہوا' حمص میں موصل اور دیار جزیرہ وغیرہ کے امراء آ کر مل گئے' اور جمادی الثانی سنہ مذکورہ میں سلطان نے بوہمنڈ فرمانروائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کی اس کا رخ دیکھ کر انطرطوسکے باشندوں نے شہر چھوڑ دیا اور سلطان نے انطرطوس کے علاقہ کو ویران کرا لا' پھر جبلہ کے قاضی منصور بن شمل کی دعوت پر جبلہ فوج کشی کی' اہل جبلہ پر قاضی منصور کے ذریعہ امان لے کر شہر حوالہ کر دیا' لاذقیہ بڑا کوبصورت شہر تھا' کل عمارتیں سنگ مرمر کی تھیں اس جنگ میں اس کو بڑا نقصان پہنچا' سلطان نے صیہون' بلطنوس' عبد' جماہرتین' بکاس' شعر' سرمینیہ اور ہرزمینیہ وغیرہ کے

قلعوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیا۔

فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کی مسیحی حکومتوں میں سب سے زیادہ طاقتور انطاکیہ کی حکومت تھی' اس لیے مذکورہ بالا قلعوں کی تسخیر کے بعد سلطان نے انطاکیہ کا ارادہ کیا اور اس کا فرمانروا ابوہمنیڈ سلطان کی قوت سے پوری طرح واقف تھا' اس نے صلح کرلی اور سلطان' رمضان ۵۸۴ھ میں دمشق واپس گیا۔ واپس کے بعد بعض مشیروں نے رائے دی کہ اب فی الحال جنگ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی' فوجوں کو آرام کرنے کے لئے واپس کردیا جائے' سلطان نے جواب دیا کہ عمر تھوڑی ہے' موت کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے اور ابھی اسلامی آبادیوں کے درمیان کوکب' صفد اور کرک کے فرنگی قلعے باقی ہیں' اگر ان کی جانب سے غفلت برتی گئی تو آئندہ ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور دمشق میں چند دن قیام کے بعد آخر رمضان ۵۸۴ھ میں پھر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوا اور خود کوکب پر اور الملک العادل نے کرک پر فوج کشی کرکے دونو کو فتح کیا' کوکب کے بعد سلطان نے شقیف ارنوم پر فوج کشی کردی۔

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا' اس زمانہ میں مسیحی دنیا ایک نئی جنگ صلیبی کی تیاری میں مشغول تھی کانرڈ نے صور میں بڑے انتظامات کیے تھے شقیف ارنوم کا فرمانروا پرنس ارناط بڑا چالاک تھا' اس نے کانرڈ کی تیاریوں کی تکمیل تک مسلمانوں کو ٹالنے کی کوشش کی اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلایا اور کہا میں قلعہ حوالہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں لیکن میرے اہل وعیال صور میں ہیں اگر کانرڈ کو خبر ہوگئی تو وہ ان کو تکلیف پہنچائے گا' اس لئے اتنی مہلت ملنی چاہیے کہ وہ صور سے واپس آجائیں' سلطان گو اس زمانہ میں صلیبیوں کی تیاریوں کی خبر سے متردد تھا لیکن پاس مروت سے انکار نہ کیا اور ارناط کی درخواست منظور کرلی اس درمیان میں ارناط خود بھی خفیہ تیاری کرتا رہا' چند دنوں کے بعد جب سلطان اور بوہمنید کی صلح کی مدت ختم کے قریب آگئی تو سلطان نے ارناط کو بلا کر اس سے کہا کہ اب بالکل موقع نہیں ہے قلعہ

حوالہ کردو اس نے پھر وہی عذر کیا اس وقت سلطان کو اس کی بد دیانتی کا یقین ہوا اور اس نے اس کو گرفتار کر کے دمشق بھجوا دیا اور شقیف ارنوم کا محاصرہ کر لیا' ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ تیسری جنگ صلیبی شروع ہو گئی۔ (یہ حالات ابو شامہ' ابن اثیر اور لین پول سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

تیسری جنگ صلیبی کی تیاری: اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے ساری عیسائی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا تھا' بقول لین پول جب یروشلم کی حکومت کے زوال کی خبر یورپ پہنچی تو کوئی شاہی دربار' کوئی لشکر گاہ کوئی قریہ اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سے ایک عالمگیر صدائے طیش و الم نہ اٹھی ہو۔ (صلاح الدین صفحہ ۲۱۹) عیسائیوں نے اپنے ملک کی تمام مصیبتیں یروشلم پر رونے کے لئے فراموش کر دیں۔ اور سارے ذاتی غم اس غم کے سامنے بھول گئے۔ (مچاڈ)

شام کا اسقف اعظم ولیم صوری' قسیسوں اور راہبوں کی جماعت لے کر ماتمی لباس میں روم پہنچا' اور پاپائے روما کی مدد سے یورپ کا دورہ کر کے اپنی پرجوش تقریروں سے مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی' پادری شہر شہر ایسی تصویریں دکھاتے پھرتے تھے' جن میں دکھایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو گھوڑوں سے روند رہے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے آپ کو زمین پر گرا دیا ہے اور بعض تصویروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کو مارتے ہوئے اور آپ کے بدن سے خون جاری دکھایا گیا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳ و مچاڈ اول صفحہ ۳۳۵) پاپائے روما نے فتویٰ دے دیا تھا کہ جو شخص اس مقدس جنگ میں شریک ہو گا اس کے سارے گناہ دھل جائیں گے' انگلستان میں کنٹربری کے بالڈون نے جنگ صلیبی کا وعظ کہا اس کی کوششوں سے فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں نے مسلمانوں کے لئے اپنی ذاتی رنجشیں بھلا دیں۔ اور ہنری دوم بادشاہ انگلستان فلپ اگسٹس بادشاہ فانس اور فریڈرک باربروسہ بادشاہ جرمنی ولیم بادشاہ سقلیہ' ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امراء اور نائٹس مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے' اسی دوران

میں ہنری دوم کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا۔ اس نے باپ سے زیادہ جوش و خروش دکھایا اور تیسری جنگ صلیبی کا ہیرو بن گیا' جنگ کے مصارف کے لئے انگلستان و فرانس وغیرہ میں عشر صلاح الدین کے نام سے ایک عام ٹیکس جاری کیا گیا جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہ تھا' پادریوں نے فتویٰ دے دیا کہ جو شخص اس کار خیر میں شریک نہ ہو گا' وہ مسیحیت سے خارج ہو جائے گا' یہودیوں تک سے یہ ٹیکس بڑی سختی کے ساتھ وصول کیا گیا' رچرڈ نے مصارف جنگ کے لئے اپنی جاگیر بیچ دی اور بڑے بڑے عہدوں کو فروخت کرتا تھا' وہ کہتا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو میں لندن تک بیچنے کو تیار ہوں۔ (مچاڈ اول صفحہ ۴۲ و صلاح الدین صفحہ ۴۲۰) جو لوگ خود کسی معذوری کی بنا پر شریک نہ ہو سکتے تھے انہوں نے اپنے خرچ اور اپنی جانب سے آدمی بھیجے یا اس کے عوض نقد روپیہ اور عورتوں نے اپنی اولادوں کو نذر کیا۔ (ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۳)

ان تیاریوں کے بعد سب سے پہلے فریڈرک باربروسہ بادشاہ جرمنی ۱۱۹۰ء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ ارض شام کی طرف روانہ ہوا ہنگری بلغاریہ کے راستہ سے قسطنطنیہ اور ایشیا ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھا' لیکن دریائے سالس کو عبور کرتے ہوئے' ڈوب گیا' اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے فریڈرک ثانی نے جو باپ کے ساتھ تھا' فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی' لیکن فریڈرک کی موت سے فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کا ایک حصہ ٹوٹ گیا' باقی فریڈرک کے ساتھ شام میں داخل ہوا۔ یہاں فوج میں وبا پھوٹ پڑی تھی اور ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن گئے' سامان رسدت کی قلت نے علیحدہ ان کی حالت ابتر کر دی اور جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان کی بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی بہت تھوڑی تعداد عکہ پہنچ سکی۔ (ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰ و صلاح الدین صفحہ ۱۵۱) رچرڈ اور فلپ ایک سال کے بعد ۱۱۹۰ھ میں روانہ ہوئے اور عکہ کے محاصرہ میں شرکت کی اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس دوران میں شام کے صلیبیوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں' صور میں ان کا بڑا اجتماع تھا اور کانرڈ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نہایت وسیع انتظامات کیے تھے' عسقلان کی فتح کے بعد سلطان نے بیت المقدس کے فرمانروا گائی کو یہ عہد لے کر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ اس کے خلاف تلوار نہ اٹھائے گا' لیکن رہائی کے بعد پادریوں نے اس کو قسم سے بری قرار دے دیا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں لگ گیا' بہت سے صلیبی مجاہدین اس کے ساتھ ہو گئے اور انہیں لے کر صور پہنچا لیکن لیکن کانرڈ نے اس سے کہا کہ صور کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے سپرد ہوئی ہے اس لیے گائی نے شہر کے باہر فوجیں اتار دیں۔ (صلاح الدین صفحہ ۲۲۰) لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دونوں متحد ہو گئے' مسلمان قریب ہی شقیف ارنوم میں تھے' دونوں میں کئی معرکے ہوئے' ابن اثیر اور ابو شامہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۱۴۰' ۱۴۱ اور ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱' ۱۲)

عکہ پر صلیبیوں کی یورش اور سلطان صلاح الدین اور عیسائی دنیا کا متحدہ مقابلہ: فلسطین کی بندرگاہ میں عکہ کی بندرگاہ نہایت اہم تھی۔ اس کے تین سمت پہاڑیاں اور ایک جانب سمندر تھا۔ شام اور یورپ کے درمیان تجارتی درآمد برآمد اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی اور بیت المقدس کے فرنگی زائرین اور یورپ کے صلیبی مجاہدین بھی اسی بندرگاہ پر اترتے تھے۔ یورپ میں تیسری جنگ صلیبی کی منادی ہو چکی تھی اور وہاں کے مجاہدین روانہ ہو چکے تھے۔ اس لیے عکہ پر صلیبیوں کا قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء میں گائی اور کانرڈ نے بری سمت سے عکہ پر متحدہ حملہ کر دیا۔ بحری سمت سے سسلی کا بحری بیڑا حملہ آور ہوا اور عکہ بحری اور بری دونوں سمتوں سے گھر گیا۔ سلطان اس وقت ثقیف ارنوم میں تھا۔ صلیبیوں کے حملہ کی خبر سن کر فوراً عکہ پہنچا اور دشمنوں کے گرد فوجوں کا حصار قائم کر دیا۔ صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں عکہ کا معرکہ سب سے زیادہ طویل' سب سے زیادہ

خونریز اور سب سے زیادہ اہم ہے۔ مورخین نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ اس معرکہ میں ساری عیسائی دنیا مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئی تھی۔ فرانس، جرمنی، انگلستان، اٹلی اور سسلی کے فرمانروا یورپ کے بڑے بڑے نامور امراء اور نبرد آزماء اپنی پوری جنگ کی قوت کے ساتھ آئے تھے۔ رچرڈ بادشاہ انگلستان، فلپ اگسٹس بادشاہ فرانس، فریڈرک ثانی بادشاہ جرمنی، ڈیورک سوابیا کنڑبری کا رئیس الاساقفہ، بالڈون سالبری کا اسقف اعظم، ہیوبرٹ والٹر، کاؤنٹ ہنری اور یورپ کے سینکڑوں نامور سورما، جن میں سے اکثروں کے نام مچاڈ اور لین پول نے لکھے ہیں، اس جنگ میں شریک ہوئے۔ جنگ صلیبی کی پوری تاریخ میں بہ یک وقت اتنے فرمانرواؤں نے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا تھا۔ کامل تین سال یہ جنگ جاری رہی اور اس مدت میں مچاڈ کے قول کے مطابق سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے۔ (مچاڈ اول ص ۴۸۱)

سلطان صلاح الدین کامل تین سال تک بڑی شجاعت کے ساتھ یورپ کی متحدہ حکومتوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ان کو عکا کی فصیل تک نہ پہنچنے دیا، لیکن یورپ سے بری اور بحری فوجوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ آخر میں ان کے جنگی جہازوں نے بحری سمت سے عکا کا راستہ روک دیا اور خشکی کی سمت بھی بڑی چوڑی خندقیں کھود کر اس کے گرد دھس بنا کر اس طرح حصار قائم کیا کہ سلطانی فوجوں کا تعلق عکا سے منقطع اور عکا کے محصور مسلمانوں کو مدد پہنچانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس حالت میں بھی امیر سیف الدین علی بن احمد المعروف بہ مشطوب نے جو شہر کے اندر تھا، بڑی پامردی سے مدافعت کی اور صلیبیوں کو فصیل تک نہ پہنچنے دیا، لیکن فرانس اور انگلستان کی فوجوں کی مسلسل سنگ باری اور آتش زنی سے فصیل کی دیواریں ٹوٹ گیں اور صلیبیوں کے حملوں کو روکنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ صلاح الدین کے پاس فوج اور سامان کی کمی نہ تھی۔ وہ مدد پہنچانے کے لیے بے چین تھا اور برابر محصور مسلمانوں کی ہمت بندھاتا

رہا، لیکن صلیبیوں کا حصار ایسا سنگین تھا کہ سامان رسد تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے امیر مشطوب وغیرہ کی ہمت چھوٹ گئی اور انہوں نے شہر حوالہ کرنے کے لیے شرائط صلح پر گفتگو شروع کر دی۔ صلاح الدین اور رچرڈ کے درمیان بھی نامہ و پیام ہوا، لیکن اس کے شرائط ایسے تھے کہ مفاہمت نہ ہو سکی مگر محصور مسلمان امراء کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ انہوں نے ایک ایک کر کے عکا چھوڑنا شروع کر دیا۔ سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو بچانے کی پھر ایک مرتبہ آخری کوشش کی اور ان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ رات کو نکلنے کی کوشش کریں۔ جس سمت سے نکلیں گے اس سمت فوجیں موجود رہیں گی، ان کی مدد سے وہ لڑتے ہوئے نکل جائیں، لیکن صورت حال ایسی پیش آ گئی کہ مقررہ شب کو صبح کے قریب تک وہ نہ نکل سکے اور صلیبیوں کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی۔ اس لیے دوسرے دن صبح کو انہوں نے پوری قوت سے ہجوم کر دیا۔ امیر مشطوب نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اس نے حسب ذیل شرائط پر جمادی الثانی ۵۸۷ھ کو شہر حوالہ کر دیا۔ (۱) مسلمانوں کو ان کے مال و متاع سمیت نکل جانے دیا جائے۔ (۲) وہ دو لاکھ اشرفیاں صلیبیوں کو اور ۱۴ ہزار کانر ڈوالی صور کو تاوان دیں گے۔ (۳) صلیب اعظم کو مسلمان واپس کر دیں گے۔ (۴) پانچ سو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔

ان شرائط کے ایفاء کے لیے دو مہینے کی مدت مقرر ہوئی، لیکن عکا پر قابض ہو جانے کے بعد صلیبیوں نے پہلی شرط کا کوئی لحاظ نہ کیا اور صلاح الدین سے مطالبہ کیا کہ جب وہ تمام شرطیں پوری کر دے گا، اس وقت مسلمانوں کو نکلنے دیا جائے گا۔ سلطان کو ان کی بدعہدی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس پر آمادہ نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ ہم بالاقساط شرطیں پوری کریں گے۔ جتنا حصہ پورا ہوتا جائے اسی تناسب سے تم بھی مسلمانوں کو نکلنے دو۔ باقی کی تکمیل کے لیے ہم اپنے آدمی تم کو ضمانت میں دیں گے۔ صلیبی مصر رہے کہ جب تک پوری رقم ایک ساتھ ادا نہ ہو گی اس وقت تک وہ کسی کو

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

اثر واقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ کانرڈ کو اندازہ ہوا کہ رچرڈ اس کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر صور چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۲۸) اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان سے اپنا معاملہ طے کرنے کی کوشش کی۔ رچرڈ اور الملک العادل کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ اس نے عادل کے ذریعہ سلطان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ عادل کی بہن جین متوفی فرمانروائے صقلیہ کی بیوہ سے شادی کر لے اور یہ دونوں مل کر فلسطین پر حکومت کریں۔ سلطان صلیب مقدس حوالہ کر کے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دے اور شام میں داد یہ اور البیطار کے سواروں کے قیام کا انتظام کر دے تو وہ انگلستان لوٹ جائے گا۔ (صلاح الدین ص ۲۸۷) ان شرائط کے بارہ میں لین پول اور ابوشامہ کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ابوشامہ کے بیان کے مطابق یہ شرط تھی کہ شادی کے بعد عادل فلسطین کے ساحلی علاقہ کا حکمران ہوگا اور جین قسیسوں اور راہبوں کے ساتھ بیت المقدس میں رہے گی اور سلطان داد یہ اور استباریہ کے گزارہ کے لیے فلسطین کا کوئی ایسا علاقہ دے دے گا، جس میں قلعہ نہ ہوگا۔ سلطان اور عادل دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا، لیکن مسیحی راہبوں نے جین کو ملامت کر کے اس رشتہ سے انکار کرا دیا اور رچرڈ کو سلطان سے معذرت کرنا پڑی کہ جین عادل کے تبدیل مذہب کے بغیر شادی کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۹۳) لیکن لین پول لکھتا ہے کہ سلطان نے اس تجویز کو ایک نامعقول لطیفہ سے زیادہ وقعت نہ دی اور عام طور سے اس کا مذاق اڑایا گیا۔

دوسری طرف کانرڈ نے سلطان کو لکھا کہ اگر وہ صیدا اور بیروت کا علاقہ اس کو دے دے تو وہ صلیبیوں کو چھوڑ کر اس سے مل جائے گا اور عکا پر اس کا قبضہ کرا دے گا۔ رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو عادل سے اور زیادہ تعلقات بڑھائے اور اس کو دوست اور بھائی سے خطاب کرنے لگا اور کوشش کی کہ فلسطین کے بارہ میں مستقل سمجھوتہ ہو جائے۔ (صلاح الدین ص ۲۸۶) چنانچہ سلطان کو لکھا کہ مسلمان اور مسیحی

دونوں لڑتے لڑتے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک ویران ہو گیا ہے اور معاملہ صرف بیت المقدس، فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے۔ بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے اور اس سے ہم کسی حال میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے۔ فلسطین میں ہم کو اردن تک کا علاقہ واپس ملنا چاہیے۔ صلیب اعظم تمہارے لیے محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے، جس کی تمہارے نزدیک کوئی قیمت نہیں، لیکن ہمارے لیے وہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس لیے اس بارہ میں سلطان کو ہمارے اوپر احسان کرنا چاہیے، تاکہ ہم دونوں کو مشقت و مصیبت سے نجات مل جائے۔ سلطان نے اس کے جواب میں لکھا کہ ''قدس ہمارے لیے بھی ویسا ہی مقدس و محترم ہے جیسا تمہارے لیے، بلکہ ہمارے لیے اور زیادہ محترم ہے۔ یہیں سے ہمارے نبی ﷺ کی معراج ہوئی تھی۔ اس کا تو تم تصور بھی دل میں نہ لاؤ کہ ہم کسی حالت میں بھی اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اس کے متعلق مسلمانوں کے سامنے ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکتے ہیں۔ رہ گیا ملک وہ بھی دراصل ہمارا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ صلیب کا توڑنا ہمارے نزدیک ایک بڑی دینی خدمت ہے۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۹۳، لین پول نے اس کے بجائے یہ فقرہ لکھا ہے کہ صلیب پر قبضہ رکھنا نہ رکھنا ہمارے مصالح پر موقوف ہے۔ ص ۔ ۲۸۶) اور ہم اس کے بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے، جو اسلامی حکومت کے خلاف ہو۔ اس خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سلطان سردی کا موسم گزارنے کے لیے بیت المقدس چلا گیا اور اس فرصت میں اس نے اس کے استحکامات کی درستی اور مرمت شروع کر دی اور فصیل کے لیے خود پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتا تھا۔ اس کے امراء بھی اس کام میں لگ گئے اور چند مہینوں میں فصیل بن کر تیار ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۱، ص ۳۲، ۳۳)

بیت المقدس پر قبضہ کی آخری کوشش اور اس میں ناکامی: ۵۸۸ھ میں سلطان کے نامور بھتیجے تقی الدین عمر والی جزیرہ کا انتقال ہو

گیا۔اس کے خودغرض امراء نے اس کے صغیرالسن بچے کو اس کا جانشین بنا دیا۔اس لیے سلطان نے اس بدنظمی کے انسداد کے لیے ملک العادل اور اس کے لڑکے افضل کو مع فوج کے جزیرہ بھیج دیا اور خود اس کے پاس بہت کم فوج رہ گئی۔(ابن اثیر ج ۱۲' ص ۳۲' ۳۳) رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بیت المقدس پر فوج کشی کر دی۔سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً راستہ کے پانی کے تمام ذخیروں کو برباد کرا دیا۔اس لیے رچرڈ بیت نوبہ پہنچ کر رک گیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔بیت نوبہ بیت المقدس کے قریب ہی تھا۔جب دور سے اس پر رچرڈ کی نگاہ پڑی تو اس نے زرہ سے آنکھوں کو چھپا کر دعا کی کہ اے رب تعالیٰ! اگر تیرے اس مقدس گھر کو دشمنوں سے چھڑانا میری قسمت میں نہیں ہے تو مجھ کو اسے نہ دیکھنے دے۔(ابن اثیر ج'۔۔۔ ص ۳۳' وصلاح الدین ص ۲۹۵)

بیت المقدس اور بیت نوبہ میں بہت کم فاصلہ تھا۔سلطانی فوجیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔اس لیے دونوں میں معمولی لڑائیاں بھی ہوئیں۔مسلمانوں نے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے مدافعت کی۔اس درمیان میں ایوبی فوجیں جو جاڑا بسر کرنے کے لیے اپنے وطن چلی گئی تھیں' واپس آ گئیں۔(صلاح الدین ص ۲۹۵) بیت المقدس سامنے نظر آتا تھا' لیکن پانی کے قحط کی وجہ سے صلیبیوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔فرانسیسیوں کی رائے تھی کہ ہم لوگوں نے اپنا وطن' یروشلم کے لیے چھوڑا ہے' اس کو فتح کیے بغیر واپس نہ جائیں گے اور انگریزوں کا یہ عذر تھا کہ مسلمانوں نے پانی کے ذخیرے برباد کر دیئے ہیں' آگے پانی نہیں مل سکتا۔اس لیے بیت نوبہ سے واپس چلنا چاہیے۔یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ اس کا فیصلہ ایک مجلس حکم کے سپرد کر دینا پڑا۔اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت بیت المقدس پر حملہ مناسب نہیں۔اس کے بجائے مصر پر فوج کشی کرنی چاہیے۔اس لیے جمادی الثانی ۵۸۸ھ میں صلیبی جس طرح آئے تھے' اسی طرح بے نیل مرام واپس گئے۔(کتاب الروضتین ج ۲' ص ۱۹۸' ۱۹۹' اور صلاح

الدین ص ۴۹۴ تا ۴۹۷ ملخصاً)

اس دوران میں انگلستان سے بڑی تشویشناک خبریں آ گئیں۔ رچرڈ کے بھائی جون کے مظالم سے جسے وہ اپنا قائم مقام بنا آیا تھا' ملک بالکل تباہ اور حکومت کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ اس نے تاج و تخت پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس لیے رچرڈ کی واپسی ضروری ہو گئی۔ اس کے جانے سے پہلے صلیبیوں نے اپنا مرکز قائم رکھنے کے لیے کانرڈ والی صور کو جو رچرڈ کے بعد سب سے زیادہ قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھتا تھا' اپنا بادشاہ منتخب کیا' لیکن چند ہی مہینوں کے اندر وہ مر گیا۔ اس کے بعد رچرڈ نے اپنے بھانجے ہنری (کندھری) کو بادشاہ بنا دیا۔ (صلاح الدین ص ۲۹۲ ۲۹۳)

واپسی سے پہلے اس نے پھر سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی۔ سلطان بھی آمادہ ہو گیا اور قریب قریب شرائط بھی طے ہو گئیں۔ فلسطین کا جس قدر علاقہ جس کے قبضہ میں تھا' وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہا۔ بیت المقدس کا کنیسہ القمامہ سلطان نے عیسائیوں کو واپس کر دیا اور انہیں بغیر اسلحہ کے زیارت کی عام اجازت دے دی اور رچرڈ کی درخواست پر ہنری کی سرپرستی قبول کی اور وعدہ کیا کہ وہ ہنری کو اپنا فرزند تصور کرے گا' لیکن عسقلان کے مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ عسقلان اس وقت رچرڈ کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کہتا تھا کہ اس پر کسی کا قبضہ نہ رہے اور اس کو برباد کر دیا جائے اور اس کے معاوضہ میں لد دینے کے لیے تیار تھا' لیکن رچرڈ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر مصر تھا اور اس کی ایک اینٹ بھی کھسکانے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے صلح نہ ہو سکی۔ (کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۰۰' اور صلاح الدین ص ۲۹۸' ۲۹۹) صلح میں ناکامی کے بعد رچرڈ نے انگلستان واپس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور چلتے چلتے بیروت پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس لیے سلطان نے بھی یافا پر جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھا حملہ کر دیا۔ یہاں ان کی قوت بہت مضبوط تھی۔ انہوں نے بڑی پرزور مدافعت کی' لیکن مسلمان دیوار توڑ

کر شہر میں گھس گئے۔ صلیبیوں نے قلعہ میں پناہ لی' لیکن آخر میں سلطان کے پیش کردہ شرائط پر انہیں اطاعت قبول کرنی پڑی۔ رچرڈ اس وقت بیروت پر حملہ کی تیاری میں تھا۔ یافا کے واقعہ کی اسے خبر ہوئی تو وہ بیروت کا ارادہ ترک کر کے بحری بیڑے کو لیے سیدھا یافا پہنچا اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمان پوری کوشش کے باوجود اس کو نہ روک سکے اور رچرڈ نے انہیں شکست دے کر دو دن کے اندر یافا واپس لے لیا۔ جنگ صلیبی کے سلسلہ میں یہ ان کا غیر معمولی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ (ابوشامہ اور لین پول نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲' ص ۳۱' وصلاح الدین ص ۲۰۲' ۲۰۳)

انگلستان کے حالات کی وجہ سے رچرڈ کی واپسی جلد سے جلد ضروری تھی۔ اس لیے یافا کے معرکے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر صلح کی کوشش کی اور اتابکی امیر ابوبکر عادلی اور بدرالدین ولدرم وغیرہ کو جن سے اس کے پرانے تعلقات تھے' بلا کر کہا کہ میری جانب سے سلطان کی خدمت میں سلام کے بعد کہو کہ وہ اللہ کے لیے صلح پر تیار ہو جائے۔ ایک نہ ایک دن بہر حال صلح ہونی ہے۔ میرا ملک برباد ہو رہا ہے۔ مستقل جنگ کا سلسلہ ہم دونوں کے لیے مہلک ہے۔ ابوبکر نے جا کر سلطان کو یہ پیغام پہنچایا۔ اسے پہلے بھی صلح میں کوئی عذر نہ تھا۔ اصل مسئلہ عسقلان کا تھا' اس لیے پھر صلح کی گفتگو شروع ہو گئی' لیکن پھر عسقلان کے مسئلہ نے نازک صورت حال اختیار کر لی اور فریقین میں جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اسی دوران میں رچرڈ سخت بیمار پڑ گیا۔ فرانسیسی فوجیں بھی لوٹ گئیں۔ اس لیے رچرڈ عسقلان سے دستبرداری کے لیے رضامند ہو گیا اور کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ رہا اور شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کے مسلسل کشت وخون کے بعد صلح ہو گئی۔ عکا کیہ اور طرابلس کا فرماں روا بوہمنڈ بھی اس صلح میں شریک ہوا۔ رچرڈ کے علاوہ دادیہ اور استباریہ کے تمام بڑے بڑے نائٹوں نے معاہدہ کی حلفیہ تصدیق کی۔ اس صلح کی رو سے یافا' لد'

مجدل، یابا، قیساریہ، ارسوف، حیفا اور عکا کا علاقہ رچرڈ کو ملا۔ ان میں تین مقام رملہ، ناصرہ اور صفوریہ جہاں باطنی آباد تھے، سلطان نے مستثنیٰ کر لیے۔ باقی پورا فلسطین سلطان کے قبضہ میں رہا اور عسقلان کو برباد کر کے آزاد علاقہ قرار دیا گیا اور پانچ سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے لاکھوں آدمی کام آئے اور بے اندازہ دولت صرف ہوئی۔ تیسری جنگ صلیبی کا خاتمہ ہوا۔۔۔ فریقین لڑتے لڑتے تھک چکے تھے، اس لیے اس صلح سے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان نے سارے شام میں اس کا اعلان کرایا اور عام منادی کر دی گئی کہ عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے بے خوف و خطر مل سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے علاقوں میں جا سکتے ہیں۔ (صلح کی تفصیلات کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲، ص ۲۰۲، ۲۰۳) اس جنگ میں یورپ کے لاکھوں آدمی سینکڑوں نامور امراء و عمائد اور متعدد بادشاہ کام آئے اور بے اندازہ دولت برباد ہوئی اور ان قربانیوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ حاصل نہ ہوا، اگرچہ مسلمانوں کو بھی کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن ان کو اس کے بدلہ میں فلسطین کا قریب قریب پورا علاقہ مل گیا۔ مچاڈ نے اس جنگ کے نتائج پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

> تیسرا کروسیڈ اس طرح ختم ہوا کہ یورپ کی تمام مسلح طاقتوں نے عکا کی فتح اور عسقلان کی بربادی سے زیادہ اور کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ اس میں جرمنی نے بغیر کسی عظمت کے اپنے شہنشاہوں میں سے سب سے بڑا شہنشاہ اور اپنی فوجوں میں سب سے بڑی فوج کھودی، اگر ہم عرب مورخوں کے بیان پر اعتماد کریں تو عکا کے سامنے چھ لاکھ کروسیڈ کام آئے اور مشکل سے ایک لاکھ سپاہی ان میں سے اپنے وطنوں کو واپس آ گئے۔ یورپ کے اس نقصان پر نوحہ کرنے کی اور بہت سی وجوہات تھیں۔ پہلی مہموں کی بہ نسبت اس جنگ میں یورپ کی بہت عمدہ فوجیں کام آئیں۔ (مچاڈ ج ۱، ص ۵۰۱، ۵۰۲)

لین پول لکھتا ہے کہ جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی۔ پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں۔ جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی۔ ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کے یافا کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا' اس کا بڑا حصہ فرنجیوں کے پاس رہا' لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے تو نتیجہ نہایت حقیر تھا۔ پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لیے تھے۔ قیصر فریڈرک شاہان انگلستان' فرانس اور سسلی کے سلاطین آسٹریا کا لیوپولڈ' برگنڈی کا ڈیوک' فلانڈرز کا کاؤنٹ' صدہا مشہور معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ' یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دوسرے عیسائی فرمانروا' طبقہ داویہ اور البیطاریہ کے بڑے مشہور شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ جمالیں اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب تھی' پھر سرسبز ہو جائے' لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ اسی درمیان میں فریڈرک قضا کر گیا۔ شاہان انگلستان و فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے اور ان کے بڑے بڑے اشراف ارض ایلیا میں پیوند خاک ہوئے' لیکن اس پر بھی یروشلم صلاح الدین کے قبضہ میں رہا۔ صرف ساحل پر عکا کی مختصر سی ریاست پر ان کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔ تیسری جنگ صلیبی میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی' مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ (صلاح الدین ص ۳۱۰) صلیبیوں سے سلطان کا سلوک: صلح کے بعد سلطان نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی عام اجازت دے دی اور برسوں کے مشتاق زائرین اس کثرت سے ٹوٹ پڑے کہ رچرڈ کیلئے انتظام قائم کرنا مشکل ہو گیا اور اسے سلطان سے درخواست کرنا پڑی کہ وہ اس کی تحریر و اجازت نامہ کے بغیر کسی کو بیت المقدس میں

داخل نہ ہونے دے۔ سلطان نے جواب دیا کہ زائرین بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے زیارت کے شوق میں آتے ہیں۔ ان کو روکنا مناسب نہیں ہے اور اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات، راحت و آسائش اور دعوت کا انتظام کیا اور ان سے مل کر باتیں اور دلجوئی کرتا تھا۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۲۶۴) سالزبرس کا اسقف ہیوبرٹ والٹر بھی اپنے قافلہ کو لے کر زیارت کو آیا تھا۔ سلطان نے اس کے قیام کے لیے مکان پیش کیا۔ اس نے کہا کہ وہ محض زائر کی حیثیت سے چند روز کے لیے آیا ہے، اس لیے مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ سلطان نے اسقف مذکور اور اس کے ہمراہیوں کی خدمت کے لیے خدام مقرر کر دیئے اور اسے قیمتی ہدایا بھیجے اور اس کی دعوت کر کے صلیب مقدس کی، جو سلطان کے پاس تھی، زیارت کرائی اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور اس سے رچرڈ کے عادات و خصائل پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ مسلمانوں کے بارہ میں عیسائیوں کا کیا خیال ہے؟ اسقف نے جواب دیا کہ دنیا کا کوئی نائٹ جنگی امور میں رچرڈ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو، اگر آپ کے اوصاف حمیدہ اس میں اور اس کی خوبیاں آپ میں پیدا ہو جائیں تو پھر تلاش کرنے سے دنیا میں ایسے بادشاہ نہ ملیں۔ سلطان نے اس سے کہا کہ اگر اس کی کوئی خواہش یا ضرورت ہو تو بیان کرے۔ اسقف نے خواہش کی کہ تربت مسیح بیت اللحم اور ناصرہ کی دینی خدمت میں شامی عیسائیوں کے ساتھ دو رومن کیتھلک قسیسوں اور شماسوں کو بھی شرکت کی اجازت دی جائے۔ شامی عیسائی مہد مسیح کی نہایت وحشیانہ طریقہ سے اور ادھوری خدمت انجام دیتے تھے۔ سلطان نے منظور کیا اور تینوں مقاموں پر رومن کیتھلک قسیس اور شماس مقرر کر دیئے۔ (صلاح الدین ص ۳۱۴)

بیت المقدس کی زیارت سے فراغت کے بعد اکتوبر ۱۱۹۲ء میں صلیبی یورپ واپس گئے۔ ان کی واپسی کے بعد سلطان نے بھی اپنی فوجوں کو آرام کرنے کے لیے ان کے وطن واپس کر دیا اور چند مہینے بیت المقدس میں قیام کر کے یہاں کے انتظامات

درست کیے۔شہر پناہ کی مرمت کرائی' خندق کھدوائی' راستے درست کرائے' مدارس کے اوقاف میں اضافہ کیا' خانقاہوں کے لیے نئے اوقاف کیے' ایک بڑا شفاخانہ قائم کیا اور اس کے لیے ہر طرح کی دوائیاں مہیا کیں۔ان سے فراغت کے بعد بیت المقدس کا انتظام امیر عزالدین جردیک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا۔(کتاب الروضتین ج ۲'ص ۲۰۵)

وفات: ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی۔جہاد کی پرمحسن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا۔بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہو گئے تھے۔دمشق آنے کے بعد ان کو پورا کرنا شروع کیا۔روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے۔اس لیے طبیب نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑے گا۔سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کیے۔(کتاب الروضتین ج ۲' ص ۲۱۹) اس سے صحت اور بگڑ گئی اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑ گیا۔علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہوگئی' جو آخر تک قائم رہی۔عالم احتضار میں شیخ ابوجعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی' جب اس آیت ﴿هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب و الشهاد﴾ پر پہنچے تو دفعتہً سلطان نے آنکھ کھول دی' زبان سے نکلا ''سچ ہے'' لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی اور پھر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کر لی۔یہ صفر کی ۲۷/ تاریخ دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔شیخ ضیاء الدین ابوالقاسم عبدالملک دومی خطیب جامع دمشق نے غسل دیا۔عصر کے وقت اسی مکان میں جس میں بیمار رہا تھا' اس مجاہد اعظم کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا۔لاش کے ساتھ وہ تلوار بھی جو ہمیشہ اللہ کی راہ میں بے نیام رہی' دفن کر دی گئی کہ اب اس کا چلانے والا ہاتھ باقی نہ رہ گیا تھا۔دو سال کے بعد سلطان کے لڑکے ملک الافضل نے جامع قدم کے پاس مقبرہ تعمیر کر کے محرم ۵۹۲ھ میں لاش اس میں منتقل کر دی اور جامع مسجد کی عمارت کو بڑھا کر

ایک حبہ نہ رکھتا تھا۔ اس لیے عمر بھر زکوۃ ادا کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ روزے پابندی سے رکھتا تھا' آخر کے چند سالوں میں بیماری کی وجہ سے روزے قضا ہو گئے تھے' لیکن صحت کی خرابی کے باوجود وفات سے پہلے ان کو ادا کر دیا' بلکہ ان ہی روزوں کی وجہ سے اس کی صحت اور بھی بگڑ گئی' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ حج کا ہر سال ارادہ کرتا تھا' مگر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملتا تھا۔ صلیبیوں سے مصالحت کے بعد ۵۸۸ھ میں حج کا مصمم ارادہ تھا اور اس کے انتظامات بھی شروع کر دیئے تھے' لیکن وقت کی تنگی اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور دوسرے سال کے لیے ملتوی کرنا پڑا' لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا۔

کلام مجید کے سماع کا بڑا ذوق تھا۔ ہمیشہ عالم قرآن اور خوش الحان قاری کو امام بناتا تھا۔ روزانہ مجلس خاص میں شب کو اور مجلس عام میں دن کو پابندی سے کلام مجید پڑھوا کر سنتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹے بچے کو قرآن پڑھتے سنا' اس کی تلاوت پسند آئی۔ اپنے خاصہ سے اس کے لیے کھانا بھیجا اور لڑکے کے باپ کو گزارہ کے لیے زمین عطا کی۔ وہ بڑا رقیق القلب اور اثر پذیر دل رکھتا تھا۔ قرآن کی آیات سن کر خشیت الٰہی سے اس کا دل لبریز ہو جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ سماع حدیث کا بھی شائق تھا۔ جب کسی ایسے بڑے محدث کا نام سنتا جس کو اس کے پاس آنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تو اسے بلا کر خود اس سے حدیث سنتا اور اپنی اولاد اور خاص آدمیوں کو سنواتا۔ سماع حدیث کے وقت سامعین کو وقار و متانت کے ساتھ بیٹھنے کی تاکید کرتا اور اگر کوئی ایسا محدث ہوتا جو سلاطین کے درباروں میں جانا پسند نہ کرتا تو خود اس کے پاس جا کر سماع کرتا' چنانچہ حافظ سلفی سے سماع حدیث کے لیے بارہا قاہرہ سے اسکندریہ گیا۔ خود بھی قرات حدیث کرتا تھا اور جب کوئی عبرت و بصیرت کی حدیث آجاتی تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

شعائر دین کا احترام: شعائر دین کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ حشر اجساد' جنت و

دوزخ، جزا و سزا وغیرہ پر، جن پر قرآن ناطق ہے، بغیر کسی تاویل کے ایمان رکھتا تھا۔ فلاسفہ معطلہ دہریہ وغیرہ تمام فرق ضالہ کا سخت دشمن اور اس بارہ میں اتنا متشدد تھا کہ مشہور فلسفی شہاب الدین سہروردی فلسفیانہ خیالات کے الزام میں اسی کے حکم سے قتل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور کارسازی و دستگیری و رحمت پر اس کو بڑا بھروسہ تھا۔ میرا چشم دیدہ واقعہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور سلطان کی فوج میں سرتابی کے آثار نظر آئے، تو سلطان نے نماز پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔ اس کے طفیل میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے شر سے بچالیا۔ ان اوصاف کے ساتھ وہ بڑا عادل، شفیق، رحمدل اور زورآوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کا حامی و مددگار تھا۔ سفر و حضر ہر حالت میں دوشنبہ اور جمعہ کو عدالت کرتا تھا۔ علماء و فقہاء و قضاۃ عدالت میں موجود رہتے تھے۔ بوڑھوں، بچوں، کمزور و ناتوان ہر شخص کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا تھا۔ سلطان تک پہنچنے کے لیے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہ تھی۔ عدالت میں روزانہ جتنے معاملات و مقدمات پیش ہوتے ان کے متعلق ضروری تحقیقات کر کے تمام درخواستیں جمع کر لی جاتیں اور کسی دوسرے وقت ان پر غور کر کے احکام و فیصلے صادر کرتے۔ اس کی عدل پروری کے بعض واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص ابن زبیر نے اس کے بھتیجے تقی الدین عمر کے خلاف دعویٰ کیا۔ تقی الدین نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا دیا۔ امین الدین سلطان کے خاص ندیموں میں تھے۔ میں نے ان کو مدعی کے برابر کھڑا کر کے اظہار کیا۔ دوران مقدمہ میں تقی الدین کے حلف کی ضرورت پیش آئی، سلطان تقی الدین کو بہت محبوب رکھتا تھا، لیکن اس نے بلا تامل اس کو بھیج دیا۔

ایک مرتبہ ایک تاجر عمر خلاطی نے خود سلطان کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس کے ایک متوفی غلام ستقر کی املاک پر جس کا وارث قانوناً مدعی کو ہونا چاہیے، سلطان نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے ثبوت میں غلام کی خریداری کی دستاویز پیش کی۔ اس کے

خلاف اور کوئی اندراج نہ تھا۔ اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے سلطان سے بیان کیا۔ اس نے مدعی کو بلا کر میرے سامنے اس سے دستاویز لے کر دیکھی' اس وقت اس کا جعل کھلا۔ اس میں خریداری کی جو تاریخ درج تھی' اس سے ایک سال قبل سلطان اس غلام کو خرید چکا تھا اور اس کے ثبوت میں اس نے معتبر شہادتیں پیش کیں۔ مدعی بہت گھبرایا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر میں نے سلطان سے عرض کیا کہ مدعی کے اس فعل کی غرض سلطان کے مراحم خسروانہ کا حصول تھا۔ اس لیے اس کو مایوس نہ فرمایا جائے۔ یہ سن کر سلطان نے اس کو خلعت و انعام عطا کیا۔

اس کی فیاضی اور سیر چشمی غلط بخشی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ پورے پورے علاقے اور ضلعے لوگوں کو دے ڈالتا تھا۔ آمد کی فتح کے بعد ابن قراءارسلان نے اس کو سلطان سے مانگا۔ اس نے بلا تامل پورا علاقہ دے دیا۔ تنگی و فراخی کسی حالت میں اس کی داد و دہش میں فرق نہ آتا تھا۔ ایک مرتبہ قدس میں اس کے پاس کئی وفد آئے۔ اتفاق سے اس وقت خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان نے گاؤں بیچ کر ان کو انعام دیا۔ اس کی غلط بخشی کی وجہ سے خزانہ کے منتظمین ناگہانی ضروریات کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رقم اس سے چھپائے رکھتے تھے' تاکہ عین وقت پر روپیہ کی قیمت پیش نہ آئے۔ وہ سائلوں کو ہمیشہ ان کی توقع سے زیادہ دیتا تھا اور کبھی دوسرے سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جس کو جتنا زیادہ دیتا تھا' اتنا ہی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا۔ جسے کسی سبب سے کچھ نہ دے سکتا تھا' اس سے محجوب رہتا تھا۔ لوگ ہمیشہ اس سے عطایا و وظائف میں اضافہ کے خواہش مند رہتے تھے' لیکن سلطان کی زبان سے کبھی یہ نہ نکلا کہ کہاں تک دیتا رہوں۔ اکثر عطایا کے احکام میرے ذریعے سے صادر ہوتے تھے۔ مجھے لوگوں کے سوال کی کثرت پر تو شرمندگی ہوتی' لیکن سلطان کے انکار کی شرمندگی کبھی نہ اٹھانا پڑی' جو شخص بھی سلطان کی خدمت سے وابستہ رہا' اس نے ہمیشہ کے لیے دوسروں کی احتیاج سے مستغنی کر دیا۔

شجاعت: وہ بڑا شجاع، نڈر، قوی دل اور مستقل مزاج تھا۔ کسی واقعہ سے گھبراتا نہ تھا۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی امدادی فوجوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے، لیکن سلطان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، بلکہ اس سے اس کی ہمت و حوصلہ اور زیادہ بڑھتا تھا۔ عکا کے محاصرہ کے زمانہ میں ایک شب فرنگیوں کے ستر سے زیادہ جنگی جہاز آئے۔ میں ان کا شمار کرتا جاتا تھا، لیکن اس سے سلطان کے دل میں اور زیادہ قوت اور اس کے مزاج میں اور زیادہ استقلال پیدا ہو گیا۔ وہ ہر سال جاڑے کے موسم میں فوجوں کو ان کے وطن واپس کر دیتا تھا اور خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں رہتا تھا۔ جنگ کے زمانہ میں دشمنوں کی قوت اور حالات کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے لشکر گاہ کے گرد روزانہ ایک دو مرتبہ ضرور چکر لگاتا تھا۔ عین اس وقت جب لڑائی پورے شباب پر ہوتی، فوج کی صفوں میں گھوم پھر کر ان کی ترتیب قائم کرتا اور جنگی ہدایات دیتا اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی صفوں کے بالکل قریب پہنچ جاتا اور اس حالت میں سماع حدیث بھی کرتا جاتا۔ اس نے دشمنوں کی کثرت کی مطلق کبھی پرواہ نہ کی اور نہ اس کو کوئی اہمیت دی، لیکن جنگی معاملات پر غور و فکر اور اس کی تدبیروں سے غافل نہ رہتا تھا۔ فوجی افسر اس کے سامنے اپنی رائیں پیش کرتے، سلطان بغیر کسی ناگواری کے ان کو سنتا اور مناسب برائیوں پر عمل بھی کرتا۔ عکا کے سب سے بڑے معرکہ میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی فوجیں پسپا ہو گئیں، اس وقت بھی سلطان چند جان نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا اور منتشر فوجوں کو للکار کر اور شرم دلا کر پھر سے جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ سات ہزار فرنگی مارے گئے اور سلطان برابر ان کے مقابلہ میں ڈٹا رہا، لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ آخر میں صلح کر لینا پڑی۔

سلطان پر صحت اور بیماری کے مختلف دور آتے رہتے تھے۔ بعض اوقات بڑی نازک صورت پیدا ہو جاتی تھی، لیکن اس سے جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آتا تھا، چنانچہ

اس کی ساری عمر میدان جنگ میں گزری۔ وہ ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے لیے بڑا اہتمام و انتظام کرتا تھا۔ اس کی ساری توجہ جہاد ہی کی طرف رہتی تھی۔ جب اس نے میدان جہاد میں قدم رکھا' اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا۔ اس کی فیاضی بھی عموماً جہاد ہی کے سلسلہ میں یا اسی کے فائدہ کی غرض سے ہوتی تھی۔ اس کو جہاد سے اتنا شغف اور انہماک تھا کہ اس کے قلب و دماغ اور سارے اعضاء پر جہاد ہی چھایا رہتا تھا۔ جہاد کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا نہ دوسرا کام کرتا۔ جہاد کے آلات و اسلحہ کے علاوہ اور کی ساز و سامان کی جانب نگاہ نہ اٹھاتا تھا۔ ہر وقت فوجی تیاری میں منہمک رہتا۔ مجاہدین کے علاوہ دوسرے اشخاص کی جانب ملتفت تک نہ ہوتا تھا۔ غرض جہاد ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس کے لیے اس نے بیوی' بچے' وطن' گھربار' لذت و راحت کے سارے سامان چھوڑ دیئے تھے اور میدان جنگ میں خیمہ کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ جس کے ہر طرف ہوا کے جھکڑ چل رہے ہوں۔ عکا کی جنگ کے زمانہ میں ایک شب کو ہوا کے طوفان سے خیمہ گر پڑا۔ اتفاق سے اس وقت سلطان اس میں موجود نہ تھا' ورنہ جان نہیں بچ سکتی تھی۔ مصائب و مشکلات اس کے ولولہ جہاد کے لیے مہمیز کا کام دیتے تھے۔ ان سے اس کا ذوق اور صبر و استقلال اور زیادہ بڑھتا تھا۔ (اس کے بہت سے واقعات قاضی بہاؤالدین نے نقل کیے ہیں) جو لوگ اس کے مزاج میں تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے' وہ جہاد کو وسیلہ بناتے۔ علماء نے جہاد پر اس کے لیے کتابیں لکھیں۔ میں نے بھی ایک کتاب لکھی تھی' اس میں جہاد کے آداب اور جہاد سے متعلق آیات و احادیث جمع کی تھیں اور اس کی شرح بھی لکھی تھی۔ یہ کتاب اکثر سلطان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

کوکب پر قبضہ کے بعد ۵۸۴ھ میں سلطان نے فوجوں کو آرام کرنے کے لیے انکے وطن واپس کر دیا۔ مصری فوج اس کے بھائی عادل کے ہمراہ مصر جانے والی تھی۔ سلطان نے ارادہ کیا کہ عسقلان تک اس کے ساتھ جائے اور ساحلی علاقہ کا

معائینہ کرے اور اس کے انتظامات کرتا ہوا بحری راستہ سے واپس آئے۔ میں نے مخالفت کی اور کہا کہ سب فوجیں واپس جا چکی ہیں۔ صرف تھوڑی سی فوج رہ گئی ہے۔ فرنگی فوجیں صور میں جمع ہیں۔ ایسی حالت میں بحری سفر مناسب نہیں ہے' لیکن سلطان نہ مانا اور عسقلان تک عادل کے ہمراہ گیا اور اس کو رخصت کرنے کے بعد ساحلی علاقہ کی سمت سے واپس ہوا۔ یہ جاڑے کا موسم تھا۔ سمندر میں سخت طلاطم تھا۔ پہاڑ کے برابر اونچی موجیں اٹھتی تھیں۔ ہم لوگوں کے دل میں بڑا ہول پیدا ہو گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر ایسے پرشور سمندر میں ایک میل سفر کے معاوضے میں مجھ کو ساری دنیا کی بادشاہت بھی ملے تو میں قبول نہ کروں۔ یہ خیال کر رہا تھا کہ سلطان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "اگر رب تعالیٰ باقی ساحلی علاقہ کو بھی فتح کرا دے تو میں اس کو تقسیم کر کے سب سے رخصت ہو کر سمندر کے جزائر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوں تا کہ پھر کوئی روئے زمین پر اللہ کا منکر باقی نہ رہے' یا اسی راہ میں مجھے موت آ جائے۔ سلطان کی ان باتوں کا میرے دل پر بڑا اثر پڑا۔ میں نے اس سے کہا' روئے زمین پر سلطان سے زیادہ بہادر اور اللہ کے دین کی حمایت و نصرت میں اس سے زیادہ مضبوط دل اور خالص نیت رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے اور میرے دل میں جو خطرات گزرتے تھے' ان کو بیان کر کے عرض کیا کہ آپ کے حسن نیت میں شبہ نہیں ہے' لیکن آپ کے ساتھ اس وقت فوج بہت کم ہے۔ آپ کی ذات اس زمانے میں اسلام کی پشت و پناہ ہے۔ اس کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ سلطان نے پوچھا: اچھا بتائیے شرعاً سب سے بہتر و معزز کون سی موت ہے؟ میں نے کہا جو اللہ کی راہ میں ہو۔ سلطان نے کہا تو میرے لیے زیادہ سے زیادہ جو خطرہ ہو سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ میں ایک بہتر اور معزز موت مروں گا۔

صبر و استقلال: اس کی ہمت' صبر و استقلال کا یہ حال تھا کہ عکا کے محاصرہ کے دوران میں نچلے آدھے دھڑ میں اس کثرت سے دنبل نکل آئے تھے کہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا

سکتا تھا، لیکن اس حالت میں جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آیا۔ صبح سے ظہر تک اور عصر سے مغرب تک برابر گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا تھا۔ اس کو خود تعجب ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا ہوں، ساری تکلیف جاتی رہتی ہے اور اس سے اترتے ہی پھر عود کر آتی ہے۔ یہ صرف فضل الٰہی ہے۔ ایک مرتبہ جبکہ ہم لوگ خروبہ میں تھے۔ سلطان سخت بیمار پڑ گیا اور تل حجاب نہ پہنچ سکا۔ فرنگیوں کو خبر ہوئی تو وہ تل حجاب کی جانب بڑھے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیماری کی حالت میں ان کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ دشمن کو کمزور کیے بغیر خیمہ میں نہ جاتا تھا۔ گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی، سلطان نے دھوپ سے بچنے کے لیے چہرہ پر رومال ڈال لیا۔ تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر جاتا تھا۔ اسی طریقے سے اس نے پورا راستہ طے کیا اور فرنگیوں کے قریب ہو کر فوج مرتب کر کے اپنے تین لڑکوں، افضل، ظاہر اور ظافر کو فوج کے آگے کیا اور فرنگیوں کا منصوبہ پورا نہ ہونے دیا۔ اسی طریقے سے صفد کے محاصرہ کے زمانہ میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اتفاق سے بارش بھی ہو گئی تھی، جس سے سردی اور چمک گئی تھی۔ سلطان نے پوری رات جاگ کر اپنے اہتمام میں پانچ منجنیقیں نصب کرائیں۔

ایک مرتبہ کسی جنگ کے دوران میں اس کے نوجوان لڑکے اسماعیل کی موت کی خبر آ گئی۔ سلطان نے اس کو نہ کسی سے بیان کیا اور نہ کسی طرز عمل سے ظاہر ہونے دیا، البتہ جب موت کی اطلاع کا خط پڑھتا تھا تو آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں۔ اسی طریقے سے رملہ کے معرکہ کے زمانے میں اس کے نامور اور جوان بھتیجے تقی الدین عمر کی موت کی خبر آئی۔ سلطان اس کو بہت محبوب رکھتا تھا۔ اس کی موت کا سلطان کو اتنا قلق ہوا کہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ تاہم اس کا عام اعلان نہیں کیا اور لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا کر صرف مخصوص لوگوں سے گلوگیر آواز میں بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ تقی الدین کا انتقال ہو گیا اور بے قرار ہو کر رونے لگا اور ہم سب لوگوں سے تاکید کر دی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ اس کو اپنی چھوٹی اولادوں سے زیادہ محبت تھی، لیکن اللہ کی راہ میں ان

سب کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کو دنیاوی عیش و راحت کے تمام سامان حاصل تھے' مگر ان سب کو چھوڑ کر جہاد کی محسن زندگی اختیار کی تھی۔

حلم و بردباری: حلم و بردباری کا پیکر تھا۔ روزانہ کا معمول یہ تھا' جنگی انتظامات کے معائینہ کے بعد کھانا کھاتا تھا' تھوڑی دیر آرام کر کے ظہر کی نماز پڑھتا تھا۔ نماز کے بعد ایک خاص صحبت ہوتی تھی' جس میں حدیث یا فقہ پڑھی جاتی تھی۔ مرج عیون کے معرکہ میں ایک دن حسب معمول جنگی کاموں سے فراغت کے بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ کھانے کے بعد سلطان نے آرام کے لیے اٹھنا چاہا' لیکن نماز کا وقت آ گیا تھا' اس لیے پھر بیٹھ گیا۔ اس وقت صرف مقربین خاص تھے کہ اتنے میں سلطان کا ایک معزز غلام آیا اور کسی مجاہد کے متعلق کوئی درخواست پیش کرنی چاہی۔ سلطان نے کہا کہ اس وقت میں تھکا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد لانا' لیکن غلام نے درخواست سامنے بڑھا دی۔ سلطان نے اس کو پڑھ کر کہا ہاں یہ مستحق ہے۔ غلام نے عرض کی' پھر اس کے متعلق حکم صادر فرمایا جائے۔ سلطان نے کہا' اس وقت قلم دوات موجود نہیں ہے۔ غلام بولا خیمہ کے اندر ہے۔ سلطان کو بھی خیال آ گیا' چنانچہ وہ خود اٹھ کر لے آیا اور درخواست پر حکم لکھ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ سلطان کا اخلاق' خلق نبوی ﷺ کا نمونہ ہے۔ اس نے کہا اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور ایک شخص کی حاجت پوری ہو گئی۔ جس کا ثواب مجھ کو حاصل ہوا۔ بعض اوقات عرضی گزاروں کے اژدھام سے اس کا فرش مل دل جاتا تھا' لیکن سلطان کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ میں اور سلطان پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ میری سواری بھڑک کر سلطان کی سواری سے بھڑ گئی اور سلطان کے کولہے میں رگڑ لگ گئی' وہ صرف مسکرایا۔ ایک مرتبہ کیچڑ پانی میں ہم دونوں ساتھ خچر پر جا رہے تھے۔ میری خچر نے کیچڑ اچھال دی' جس سے سلطان کے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔ سلطان اس پر بھی مسکرا دیا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر چلنا چاہا' لیکن اس نے ہٹنے نہ دیا۔ وہ داد خواہوں اور فریادیوں کی زبان سے ایسی

باتیں سنتا تھا کہ دوسرا ان کو تاب نہ لا سکتا تھا' لیکن سلطان ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ فوجی افسروں کی جنگی عدول حکمی پر بھی مواخذہ نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی جنگ کے سلسلہ میں رچرڈ تھوڑی سی فوج کے ساتھ سامنے آ گیا۔ سلطان نے امراء کو حملہ کا حکم دیا۔ انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی۔ سلطان نہایت آزردہ خاطر ہوا اور لوگوں کو یقین تھا کہ ان نافرمانوں کو تو سلطان ضرور سزا دے گا۔ واپسی میں دمشق سے بہت سے میوے آئے۔ سلطان نے ان امراء کو بلا کر اسی خندہ پیشانی کے ساتھ کھلایا اور ان کو اس کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا۔

مہمان نوازی: مہمانوں کی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم بڑی عزت و مدارت کرتا تھا۔ صلح کے بعد برنس والی عطا کیہ سلطان کا مہمان ہوا۔ اس کے آنے کے ساتھ ہی سلطان اس کے خیمہ میں جا کر اس سے ملا۔ برنس اس سے کسی علاقہ کا طالب ہوا۔ سلطان نے عمق کا علاقہ جس کو اس نے ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا' اس کو دے دیا۔ ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی اس کے پاس آیا۔ سلطان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی۔ خود اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کر کے اس کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ علماء و مشائخ کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ ہم لوگوں کو ہدایت تھی کہ جو علماء و مشائخ سلطانی فرودگاہ کے قریب سے گزریں ان کو سلطان کی جانب سے دعوت دی جائے اور ان کی خدمت کی جائے۔ ۵۸۴ھ میں ایک بڑے ممتاز عالم اور شیخ وقت بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے اور سلطان سے مل کر اس کی اسلامی خدمات پر اس کا شکریہ ادا کیا اور کچھ نصیحتیں کیں اور شب کو قیام کر کے صبح کو رخصت ہونا چاہا۔ ہم نے ہر چند روکا کہ بغیر سلطان سے ملے ہوئے چلے جانا مناسب نہیں ہے' لیکن شیخ نے نہ مانا اور کہا میرا مقصد صرف سلطان کی زیارت تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے اور سلطان سے رخصت ہوئے بغیر چلے گئے۔ دو چار دن کے بعد سلطان نے پوچھا تو میں نے واقعہ بیان کیا۔ وہ سخت برہم ہوا

کہ تم لوگوں نے مجھ کو ان کے جانے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں۔ میں ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ سلطان کی برہمی دیکھ کر میں نے دمشق کے قاضی محی الدین کے ذریعہ شیخ مذکورہ کو سلطان کی برہمی کی اطلاع دے کر دوبارہ بیت المقدس آنے کی استدعا کی' چنانچہ وہ تشریف لائے' سلطان نے بڑی عزت وتوقیر کے ساتھ چند دنوں تک مہمان رکھا اور خلعت' سواری اور ہدایا وتحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک مرتبہ ایک فرنگی قیدی سلطان کے سامنے لایا گیا۔ وہ مارے ڈر کے کانپ رہا تھا۔ سلطان نے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ اتنا خوفزدہ کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا' سلطان کا چہرہ دیکھنے سے قبل بیشک مجھ پر خوف طاری تھا' لیکن چہرہ پر نظر پڑنے کے بعد اب خوف جاتا رہا کہ ایسے چہرے سے برے سلوک کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ سن کر سلطان نے اس کو رہا کر دیا اور اس کے ساتھ بڑے لطف وکرم کا سلوک کیا۔ وابستگان دولت سے خواہ کتنا ہی بڑا سلطان کا ذاتی گناہ سرزد ہو جاتا' مواخذہ نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خزانہ کے کسی عہدہ دار نے خزانہ سے مصری سونے کی دو تھیلیاں غائب کر کے ان کی بجائے پیسوں کی تھیلیاں رکھ دیں۔ سلطان نے اس سنگین جرم کی صرف اتنی سزا دی کہ خزانہ کے عمال کو دوسرے شعبوں میں منتقل کر دیا۔ وہ بڑا خوش اخلاق اور اپنے رفقاء کے لیے بہترین ساتھی تھا۔ عرب کے انساب واخبار اور ان کے گھوڑوں کے نسب ناموں کا حافظ اور دنیا کے عجائب وغرائب اور ان کے نوادر وواقعات کا عالم تھا۔ ہم لوگ اس کے ان محاضرات سے مستفید ہوتے تھے' جو اور کسی سے سننے میں نہ آتے تھے۔ اس کی مجلس نہایت پاکیزہ ہوتی تھی۔ ان میں کسی برائی کا تذکرہ نہ ہوتا تھا۔ پاکیزہ سماعت تھا' ہمیشہ بھلی ہی باتیں سنتا تھا' پاکیزہ زبان تھا' کبھی کسی کے حق میں کوئی فحش اور سخت کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ پاکیزہ قلم تھا' اپنی تحریر سے کسی مسلمان کی تذلیل وتحقیر وایذا رسانی نہیں کی۔ عہد کا پابند اور یتیموں کا مربی اور سرپرست تھا۔ ان کے حال پر بڑی شفقت اور ان

کی تالیف قلب کرتا تھا' اگر یتیموں کے اعزہ میں سے کوئی قابل اعتماد بڑا بوڑھا موجود ہوتا تو ان کو اس کی نگرانی میں دے دیتا' ورنہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کر کے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتا جو ذمہ داری کے ساتھ ان کی تربیت و نگہداشت کا فرض انجام دے سکے۔ بوڑھوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتا تھا۔ ان کے ساتھ احسان و سلوک کرتا تھا اور اس کے یہ اخلاق اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک برابر قائم رہے۔ (یہ حالات کتاب الروضتین ج ۲' ص ۴۱۸ تا ۴۲۴ قاضی ابن شداد کے بیان سے ماخوذ ہیں) ان ذاتی محاسن و فضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی و تمدنی اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے کام انجام دیئے' جن کی تفصیل طویل ہے۔ سارے ممالک محروسہ میں مدرسے اور دارالعلوم قائم کیے۔ بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے اور شفاخانے بنوائے۔ علماء و مشائخ و صوفیہ کے وظائف مقرر کیے۔ صوفیہ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان سب کے مصارف کے لیے اوقاف کیے۔ اس کے زمانہ میں مسلمانوں کا کوئی دینی و قومی کام بلکہ کوئی کار خیر ایسا نہ تھا جس کے لیے اس نے وسیع اوقاف نہ کیے ہوں۔

مدارس کا قیام: مصر' شام' فلسطین اور جزیرے تمام شہروں میں سلطان اور اس کے متوسلین نے صدہا مدارس قائم کیے۔ ان میں سے بعض ایسے عظیم الشان دارالعلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام میں ان کی شہرت تھی۔ فاطمی خلفاء کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے ان کے زمانہ میں مصر کا ملک مدارس سے تقریباً خالی تھا۔ سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کئے۔ اس کے تعلیمی ذوق کو دیکھ کر اس کے لڑکوں اور اہل خاندان اور امراء بلکہ عورتوں تک میں مدرسے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا اور مصر' قاہرہ' شام اور جزیرہ وغیرہ میں انہوں نے بکثرت مدارس قائم کیے۔ (ابن خلکان ج ۲' ص ۴۰۲' حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲' ص ۱۰۴) خطط مقریزی' حسن المحاضرہ سیوطی' جواہر مضیہ' الدر المنتخب' کتاب الروضتین' ابن خلکان وغیرہ میں ان مدارس کے حالات ملتے ہیں۔ خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں میں مصر کے

مدارس کے کسی قدر تفصیلی حالات ہیں۔ ان کے نام یہ تھے۔ مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ صوفیہ، مدرسہ شرفیہ، مدرسہ قمحیہ، مدرسہ عالیہ، مدرسہ فائزیہ، مدرسہ فاضلیہ، مدرسہ ارکشیہ، مدرسہ فخریہ، مدرسہ عاشوریہ (یہ مدرسہ ایک ایوبی امیر کی بیوی نے قائم کیا تھا) مدرسہ قطبیہ (یہ مدرسہ سلطان کی بھتیجی ملک العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ مہدبیہ، مدرسہ شریفیہ، مدرسہ صالحیہ، مدرسہ مسروریہ اور مدرسہ ناصریہ۔ ان میں سے بعض مدرسے ایسے عظیم الشان اور اس سروسامان کے تھے کہ آج اس کا یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ ہر بانی مدرسہ اس کے مصارف کے لیے وقف بھی کرتا تھا اور طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری ضروریات کی کفالت وقف ہی سے ہوتی تھی، چنانچہ ان تمام مدارس کے لیے ان کے بانیوں کی جانب سے اوقاف تھے۔ مقریزی اور سیوطی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (مقریزی جلد ۴، ص ۱۹۲، ۱۹۳، سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵، اور تفصیل کے لیے دیکھئے خطط مقریزی جلد ۴، حالات مدارس و حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲، ص ۱۴۰) اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے مدارس تھے۔ مشہور سیاح ابن جبیر جس نے سلطان کے زمانہ میں مصر و شام کی سیاحت کی تھی۔ اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کے مناقب و مفاخر میں جس کا سہرا سلطان کے سر ہے۔ اس کے مدارس و اقامت گاہیں ہیں، جو اس نے ان طلبہ اور صوفیہ کے لیے بنوائی ہیں جو دور دراز ملکوں سے حصول تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لیے آتے ہیں۔ مدارس میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے قیام و طعام وغیرہ کا بھی انتظام ہے۔ پردیسیوں اور مسافروں کی راحت و آسائش کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے۔ ان کے لیے اس نے حمام اور ایک بڑا شفاخانہ بنوایا ہے۔ اس میں علاج کے لیے طبیب اور مریضوں کی خدمت اور ان کی دوا و غذا کے انتظام کے لیے خدام مقرر ہیں، جو بیمار شفاخانہ عام میں آنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے لیے علیحدہ انتظام اور خاص آدمی مقرر ہیں، جو طبیبوں کو ان کے حالات کی اطلاع دیتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۴۱، ۴۲)

دمشق و حلب، خصوصاً حلب میں اتنے مدرسے قائم تھے کہ وہ شام کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔ قاضی القضاۃ محمد بن شحنہ حلبی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

مدرسہ حبیہ، مدرسہ ظاہریہ، مدرسہ اسدیہ، مدرسہ بدریہ، مدرسہ سیفیہ، مدرسہ فردوس (یہ مدرسہ الملک العادل کی لڑکی ضیفہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ بلدقیہ، مدرسہ قمریہ، مدرسہ حداویہ، مدرسہ جردکیہ، مدرسہ قلیجیہ، مدرسہ قسطلیہ، مدرسہ علائیہ، مدرسہ کمالیہ عدیمیہ، مدرسہ اتابکیہ۔

ابن جبیر دمشق کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں جو نیا مدرسہ خانقاہ یا مسجد بنتی ہے، اس کے مصارف کے لیے سلطان کی جانب سے وقف کیا جاتا ہے۔ اس کا شوق یہاں اتنا عام ہے کہ عورتیں تک مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں بنواتی ہیں اور ان کے مصارف کے لیے بڑے بڑے اوقاف کرتی ہیں۔ امراء کا بھی یہی حال ہے اور اس میں لوگ ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کرتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵) ان مدارس کے علاوہ یتیموں اور غرباء کے بچوں کی تعلیم قرآن کے لیے علیحدہ مدارس ہیں، جن کے جملہ مصارف سلطان ادا کرتا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۳۵۲) اس کی جانب سے علماء کی جو تنخواہیں اور جو وظائف مقرر تھے۔ ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ یعنی موجودہ سکہ کے حساب سے تقریباً پندرہ لاکھ روپے تھے۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۳۸) تمام بڑے بڑے شہروں میں صوفیہ و مشائخ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے لیے اوقاف کیے۔ قاہرہ کی خانقاہ بڑی عظیم الشان اور فاطمی دور کے ایک محل میں تھی۔ سلطان نے اس کے متعلق ایک حمام بنوایا اور اس کے لیے وقف کیا۔ اس خانقاہ کے مقیم صوفیہ و مشائخ کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔ خانقاہ کا منتظم اعلیٰ شیخ الشیوخ کہلاتا تھا۔ (مقریزی ج ۴، ص ۲۷۳) بیت المقدس میں بھی ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ (کتاب الروضتین ج ۲، ص ۱۱۴) صوفیہ سے سلطان کو خاص عقیدت تھی۔ ان کے لیے مجلس سماع

منعقد کرتا تھا اور جب وہ کیفیت میں کھڑے ہو جاتے تھے تو سلطان بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک وہ نہ بیٹھتے برابر کھڑا رہتا۔

شفاخانے: جابجا مسافروں کے لیے اقامت گاہیں بنوائیں۔ اسکندریہ کی اقامت گاہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے تھے۔ اسکندریہ کے شفاخانے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ سب سے بڑا شفاخانہ قاہرہ میں تھا۔ ابن جبیر نے ان الفاظ میں اس کی عظمت و شان کا ذکر کیا ہے۔

قاہرہ کا شفاخانہ: قاہرہ کا شفاخانہ سلطان کے مفاخر میں ہے۔ یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان معلوم ہوتا ہے۔ اس میں دواؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ مریضوں کے لیے بہت سے کمرے ہیں' جن میں پلنگ اور بستروں کا پورا انتظام ہے۔ شفاخانہ کا اہتمام ایک مہتمم کے متعلق ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے خدام ہیں' جو صبح و شام دونوں وقت مریضوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی دوا و غذا وغیرہ کا انتظام اور اس میں تبدیلی اور اصلاح کرتے ہیں۔ اس سے متصل عورتوں کے لیے زنانہ ہسپتال ہے۔ ان کے علاج اور تیمارداری کے لیے عورتیں مقرر ہیں۔ شفاخانہ سے متعلق ایک پاگل خانہ ہے' اس کے دریچوں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کا علاج اور ان کی دیکھ بھال مریضوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس شفاخانے کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے اور وہ برابر اس کے حالات کی تحقیقات اور مریضوں کے علاج اور ان کی نگرانی کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ اسی سروسامان کا ایک شفاخانہ مصر میں بھی ہے۔ (ابن جبیر ص ۵۱' ۵۲)

سلطان نے اپنے زمانے میں امور خیر کے لیے اتنے اوقاف کیے کہ تاریخ اسلام میں اس کی دوسری مثالیں نہیں ملتیں۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ سلطان دین و دنیا دونوں میں سعید تھا۔ دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں اور کتنے بڑے بڑے اوقاف کیے۔ (ابن خلکان ج ۲' ص ۴۰۳)

ابن جبیر کہتا ہے کہ قاہرہ میں کوئی مسجد' کوئی مزار' کوئی اقامت خانہ' کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے۔جس کے متوسلین کے مصارف سلطان کی جانب سے مقرر نہ ہوں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۵۴) اسکندریہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے باشندوں کو بڑی فارغ البالی حاصل ہے۔اس سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔سلطان کو اس شہر سے کوئی آمدنی نہیں ہے اور اس کی جانب سے مختلف کار خیر کیلئے اوقاف ہیں۔(سفرنامہ ابن جبیر ص ۵) صلحاء اور اخیار کے مزارات کے لیے علیحدہ اوقاف تھے' جو لوگ ان مشاہد ومزارات میں مقیم ہوتے' ان کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے۔مساجد کے اوقاف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تنہا جامع عمرو بن العاص ؓ کے مصارف تیس اشرفی روزانہ تھے۔(سفرنامہ ابن جبیر ص ۵) دمشق میں کثرت سے اوقاف تھے کہ شہر کی تقریباً پوری آمدنی امور خیر کے لیے وقف تھی۔(سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵) سب سے بڑا وقف حرمین کے لیے تھا' جو آج تک قائم ہے۔اس کی تاریخ یہ ہے کہ فاطمیہ مصر اپنے زمانہ میں فی حاجی ۱۱/۲ اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے اور جو ناداراس کو ادا نہ کر سکتا تھا۔اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔امرائے مکہ بھی اس ناجائز آمدنی کے خوگر ہو گئے تھے۔سلطان نے اپنے زمانہ میں یہ ٹیکس بند کر کے امیر مکہ کے لیے جاگیر اور حرمین کے خدام کے لیے وظائف اور اہل حرمین کے لیے آٹھ ہزار اردب سالانہ غلہ مقرر کر دیا۔(ابن جبیر ص ۵'۶' وحسن المحاضرہ ج ۲' ص ۵۶) جو موجودہ وزن کے اعتبار سے کم وبیش ۲۳ ہزار من کے قریب ہوتا ہے۔یہ وقف اب تک قائم ہے اور حکومت مصر کی جانب سے حجاز کو یہ چیزیں دی جاتی تھیں۔ان کے علاوہ اور بہت سے اوقاف تھے جن کے حالات جستہ جستہ تاریخوں میں مذکور ہیں۔

سلجوقی حکومت کا خاتمہ: صلاح الدین ایوبی اور صلیبی لڑائیوں کو اگرچہ براہ راست عباسی خلافت کے حالات سے کوئی تعلق نہیں تھا' لیکن یہ تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ تھا۔اس لیے اس کا ذکر ضروری تھا۔اب پھر اصل موضوع یعنی خلافت بغداد اور

سلجوقیوں کے حالات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ناصر کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔اس کا آخری فرمانروا طغرل بن ارسلان اپنے اولوالعزم اسلاف کے اوصاف وخصوصیات کا حامل کوئی فرمانروا نہ گزرا تھا۔(راحتہ الصدور ص ۳۳۳) اس کو کارپرداز بھی بڑے لائق مل گئے تھے۔شمس الدین محمد بن ایلدکز والی آذربائیجان اس کا نائب الحکومت اور محمد بن طغرل سپہ سالار افواج تھا۔یہ دونوں اپنے کاموں میں بڑے ماہر تھے۔شمس الدین مدبر وعالی دماغ اور محمد جری اور بہادر تھا۔انہوں نے سلجوقی حکومت میں دوبارہ جان ڈال دی اور ان تمام علاقوں کو جو سلجوقیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔دوبارہ حاصل کرلیا تھا اور اس کے قرب وجوار کے تمام حکمرانوں کو زیر کر کے اس کا تابع بنا دیا اور شمس الدین نے خلافت بغداد میں بھی سلجوقی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی اور اعلان کر دیا کہ خلیفہ کو صرف امامت' خطبہ اور دوسرے مذہبی کاموں سے سروکار رکھنا چاہیے اور ملک کا انتظام سلجوقی حکومت کے ہاتھوں میں دے دینا چاہیے۔ (راحتہ الصدور ص ۳۳۳' ۳۳۴) لیکن ناصر زور وقوت کا خلیفہ تھا۔اس لیے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔شمس الدین نے مختلف حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو اتنی ترقی دی کہ اس کی پرانی شان وعظمت دوبارہ قائم ہوگئی۔(راوندی نے اس کے متفرق حالات لکھے ہیں)

ذی الحجہ ۵۸۱ھ میں شمس الدین کا انتقال ہوگیا اور آذربائیجان کی حکومت پر اس کا لڑکا قزل ارسلان اس کا جانشین ہوا۔طغرل نے بھی سلجوقی حکومت کی نیابت کا موروثی منصب اس کو عطا کر دیا' لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ چند ہی دنوں میں باہم اختلاف ہوگیا اور قزل طغرل کے خلاف ہوگیا۔اس کی مخالفت سے سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا۔راوندی نے اس کی تفصیل لکھی ہے:

طغرل خود حوصلہ مند فرمانروا تھا۔اس نے شمس الدین کی موت کے بعد خود بھی خلافت بغداد کو اپنے ماتحت لانے کی کوشش کی اور ناصر کو لکھا کہ وہ خلافت بغداد کے انتظام

ونگرانی کے لیے بغداد میں قیام کرنا چاہتا ہے۔اس لیے سلجوقیوں کے بغدادی دارالحکومت کو اسے آباد کرنے کی اجازت دی جائے۔یہ وہ زمانہ تھا جب قزل سے اس کا اختلاف شروع ہو چکا تھا۔قزل نے ناصر کو لکھ بھیجا کہ طغرل کی قوت بہت بڑھ گئی ہے' اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو خلافت بغداد کے حق میں اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا اور طغرل کے مقابلے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں' چنانچہ اس نے طغرل کے قاصد کو واپس کر دیا اور اس کے بغدادی دارالحکومت کو مسمار کر دیا اور قزل کو اس کے مقابلے پر مامور کر دیا۔(تاریخ گجرات ص ۴۶۶' وابن اثیر ج ۱۲' ص ۲۱۲)

ناصر کا حکم ملتے ہی قزل نے طغرل پر فوج کشی کر دی' لیکن طغرل نے اس کو بڑی فاش شکست دی اور وہ ناکام آذربائیجان لوٹ گیا۔(تاریخ گزیدہ ج' ص ۴۵۷) اس شکست سے قزل کی دشمنی اور بڑھ گئی اور وہ حریفانہ اس کے مقابلہ میں آ گیا۔کئی سال تک دونوں میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔اسی دوران میں طغرل کا چچا اور اس کے چچیرے بھائی اور متعدد امراء اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔اس نے گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن کامیابی نہ ہوئی۔قزل کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ہمدان پر فوج کشی کر دی۔سلجوقیوں کے آپس کے اختلاف سے قزل کی قوت کمزور ہو گئی تھی۔اس لیے وہ مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے لڑکے کو ہمدان چھوڑ کر خود یہاں سے چلا گیا۔طغرل نے کچھ دور تک تعاقب کیا' لیکن طغرل قفجاق کے علاقہ کی طرف نکل گیا اور قزل نے پلٹ کر طغرل کی جاگیروں پر قبضہ کر کے اسے لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا۔چند دنوں کے بعد طغرل باحال تباہ پھر ہمدان واپس آیا' لیکن یہاں کوئی امید نظر نہیں آئی۔اس لیے تاج و تخت کو خیرباد کہہ دیا' لیکن اس کا وجود بھی قزل کے لیے خطرہ سے خالی نہ تھا۔اس لیے اس نے اس کو گرفتار کرا لیا اور سلجوقی خاندان کے ایک رکن سنجر بن سلیمان کو تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر ناصر کے اشارے سے خود بادشاہ بن گیا۔(راوندی نے یہ حالات بہت طویل لکھے ہیں۔ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے) حمداللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے'

لیکن آخری نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ (تاریخ گزیدہ ج ا' ص ۴۷۵) لیکن اس کو زیادہ دنوں تک حکومت کا موقع نہ مل سکا اور خود ان سلجوقی امراء نے تغلق کو گرفتار کر لیا تھا۔ شوال ۵۸۷ھ میں قزل کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے بھائی امیر قتلغ ایناخ اور دوسرے عراقی امراء نے سلجوقی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا' لیکن اقتدار قتلغ کا رہا۔ قزل کے موروثی علاقہ آذربائیجان کی حکومت اس کے دوسرے بھائی ابوبکر کے ہاتھوں میں آئی۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۱) اس واقعہ کے چند دنوں بعد سلجوقی حکومت کے قدیم نمک خوار امراء امیر حسام الدین' درزمائی میر ناسوغ لی اور امیر سیف الدین وغیرہ طغرل کو قید سے چھڑا لائے اور قتلغ اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر طغرل کو دوبارہ تخت نشین کیا۔

قتلغ علاؤ الدین تکش فرمانروائے خوارزم سے مدد کا طالب ہوا۔ یہ خوارزمی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا۔ علاؤ الدین توسیع سلطنت میں مصروف تھا۔ قتلغ کی درخواست پر اسے عراق و فارس میں اقتدار قائم کرنے کا موقع مل گیا وہ فوراً قتلغ کی مدد کے لیے پہنچا۔ قتلغ کو علاؤ الدین کی نیت کا اندازہ ہو گیا۔ اس لیے وہ پہلو بچا کر طبرک کے قلعہ میں چلا گیا اور علاؤ الدین نے قلعہ اور رے پر قبضہ کر لیا۔ طغرل میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے صلح کر لی۔ اسی دوران میں خوارزم پر علاؤ الدین کے بھائی سلطان شاہ کی فوج کشی کی خبر آ گئی' اس لیے وہ خوارزم لوٹ گیا۔

قتلغ خاموش بیٹھنے والا نہ تھا' اس لیے علاؤ الدین تکش کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی لڑکی قتیبہ خاتون سے شادی کر لی' لیکن اس تعلق کے بعد بھی قتلغ اس کی مخالفت سے باز نہ آیا اور اپنی لڑکی کے ذریعے طغرل کو زہر دینے کی کوشش کی' مگر راز فاش ہو گیا اور طغرل نے زہر کا وہ پیالہ جو اس کے لیے تیار کیا گیا تھا' زبردستی اپنی بیوی کو پلوا دیا۔ وہ مر گئی اور قتلغ ایناخ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ پھر چند دنوں کے بعد امرائے دولت کی سفارش پر رہا کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ا'

قید سے چھوٹنے کے بعد قتلغ رے چلا گیا اور طغرل سے مل گیا۔ ناصر ایسے مواقع کا منتظر ہی رہتا تھا۔ طغرل اور علاؤ الدین خوارزم شاہ کی مخالفت کو دیکھ کر اس نے خوارزم شاہ کو باضابطہ مفتوحہ ممالک کی سند حکومت عطا کر کے اس کے لیے وزیر مئوید الدین کے ہمراہ خلعت بھیجا اور خوارزم شاہ کو طغرل کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۴۲) راوندی کے بیان کے مطابق جب خوارزم شاہ کی حکومت کا دائرہ ماژندران کے حدود تک پہنچ گیا اور طغرل کو رے تک اس کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو وہ خود اس کے تدارک کے لیے رے گیا۔ اس کا خطرہ صحیح نکلا۔ اس کے بعد ہی خوارزم شاہ قتلغ کی دعوت پر رے پہنچا۔ قتلغ نے طغرل کے فوجی افسروں کو ملا لیا تھا۔ اس لیے عین میدان جنگ میں انہوں نے طغرل کا ساتھ چھوڑ دیا اور خوارزمی فوج نے طغرل کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۳۷۰، ۳۷۱) اور خوارزم شاہ نے اس کا سر ناصر کے ملاحظہ کے لیے بغداد بھجوا دیا۔ طغرل کے قتل کے بعد مئوید الدین خلعت لے کر ہمدان پہنچا، لیکن اس میں اور خوارزم شاہ میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس لیے مئوید الدین خلعت دیئے بغیر لوٹ گیا۔ طغرل کے قتل کے بعد ۵۹۰ھ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خوارزم شاہ اس کا وارث بنا اور پایہ تخت ہمدان پر قتلغ کو اور دوسرے علاقوں پر اپنے مختلف غلاموں کو میانجی کے زیر سیادت مقرر کر کے خوارزم واپس گیا۔

عراق و فارس پر ناصر کا قبضہ: مقتفی نے اپنے زمانہ میں گو خلافت بغداد سے سلجوقیوں کا اثر و اقتدار ختم کر دیا تھا، لیکن خوزستان اور عراق کے علاقے سلجوقیوں یا ان کے عمال ہی کے زیر سیادت تھے اور خوزستان پر ان کی جانب سے امیر شملہ حکمران تھا۔ سلجوقیوں کے خاتمہ کے بعد عباسی وزیر مئوید الدین کو خوزستان اپنے قبضہ میں لینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت شملہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے لڑکوں میں

پھوٹ پڑ گئی تھی۔ایک لڑکا اپنے بھائیوں کے مقابلے میں مویدالدین سے مدد کا طالب ہوا۔ یہ اس موقع کا منتظر ہی تھا' اس لیے ۵۵۱ھ میں فوج کشی کر کے خوزستان اور اس کے آس پاس کے قلعوں پر جن پر چھوٹے چھوٹے حکمران قابض تھے' قبضہ کر لیا اور شملہ کے لڑکوں کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا۔ (راحتہ الصدور ص ۳۷۰' ۳۷۱) اسی دوران میں امیر قتلغ اور میانجق میں جنہیں خوارزم شاہ' عراق و عجم کا حاکم بنا گیا تھا' اختلاف ہو گیا۔میانجق نے قتلغ کو یہاں سے نکال دیا۔اس نے مویدالدین کے پاس جا کر اس سے مدد چاہی۔اس لیے اسے عراق عجم میں بھی مداخلت کا موقع مل گیا اور وہ قتلغ کے ساتھ ہمدان پہنچا۔میانجق میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔اس نے ہمدان چھوڑ دیا اور ہمدان' خرقان' مرزغان' سادہ' آوہ اور رے وغیرہ عراق عجم کے بڑے حصہ پر مویدالدین کا قبضہ ہو گیا۔قتلغ ایناخ نے میانجق سے اپنا علاقہ چھڑانے کے لیے مویدالدین کی مدد حاصل کی تھی' لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ خود قابض ہو گیا' تو اس سے بھی لڑنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔مویدالدین نے اسے بھی شکست دی۔خوارزم شاہ نے یہ صورت دیکھ کر مویدالدین سے مفاہمت کی کوشش کی' لیکن اس نے انکار کر دیا۔اس کے انکار پر خوارزم شاہ نے یہ صورت دیکھ کر مویدالدین سے مفاہمت کی کوشش کی' لیکن اس نے انکار کر دیا۔اس کے انکار پر خوارزم شاہ نے فوج کشی کر دی۔اس درمیان میں مویدالدین کا انتقال ہو گیا تھا۔اس لیے پھر خوارزم شاہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ اصفہان میں خوارزم شاہ کی جانب سے اس کا لڑکا حاکم تھا۔اصفہانی' خوارزمیوں کو ناپسند کرتے تھے۔یہاں کے ممتاز عالم صدرالدین خجندی بھی جن کا بڑا اثر تھا' ان کے خلاف تھے۔انہوں نے ناصر کو لکھ کر ۵۵۱ھ میں اصفہان پر اس کا قبضہ کرا دیا۔ ہمدان پر قبضہ کے بعد خوارزم شاہ خراسان چلا گیا تھا۔اس کی واپسی کے بعد امیر ایلدگز بن بہلوان والی آذربائیجان کے ایک غلام کوکبہ نے رے اور اصفہان دونوں پر قبضہ کر لیا اور ناصر کو لکھ کر اصفہان ہمدان' زنجان و قزوین عباسی

خلافت کے حوالے کر کے اس سے رے، سادہ، قم و قاشان کی سند حکومت حاصل کر لی۔ ناصر نے اسے خلعت بھی عطا کیا، اس سے کوکچہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی۔

۵۹۶ھ میں علاؤالدین تکش خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا علاؤالدین محمد تخت پر بیٹھا۔

۶۰۰ھ میں ایک دوسرے پہلوانی غلام اتغمیش نے کوکچہ کو قتل کر کے اس کے مقبوضات حاصل کر لیے۔ یہ آٹھ سال تک حکمران رہا۔ ۶۰۸ھ میں تیسرے پہلوانی غلام منکلی نے اتغمیش کو شکست دے کر اس کے مقبوضات چھین لیے۔ اس نے بغداد جا کر ناصر سے فریاد کی۔ ناصر نے مدد دینے کا وعدہ کیا، لیکن بغداد سے واپسی میں منکلی نے اس کو قتل کر دیا۔ ناصر کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس نے منکلی کو ملامت کی۔ اس نے اس کو بڑا سخت جواب دیا اور قوت کے گھمنڈ میں اپنے آقا زادہ ازبک بن پہلوان والی آذربائیجان کو بھی اپنے خلاف بنا لیا۔ ناصر کو موقع مل گیا۔ اس نے ازبک کو اس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیا اور جلال الدین اسماعیلی والی قلعہ الموت اور جزیرہ و حلب کے فرمانرواؤں کو اس کی مدد کا حکم دیا۔ خود بھی بغداد سے فوجیں بھیجیں۔ ان سب نے مل کر منکلی کو بڑی فاش شکست دی اور اپنے دوست سادہ کے شحنہ کے پاس چلا گیا۔ اس نے اس کا سر قلم کر کے بغداد بھجوا دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۱۸) ۶۱۴ھ میں پھر خوارزم شاہ نے عراق عجم پر فوج کشی کر کے اس کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔

علاؤالدین محمد اور ناصر کا اختلاف: اس دور کے تمام مسلمان سلاطین میں علاؤالدین محمد خوارزم شاہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ ماوراء النہر اور خراسان سے لے کر سندھ و کابل تک اس کی حکومت تھی اور سارے وسط ایشیاء میں اس کی عظمت و شان کا ڈنکا بجتا تھا، لیکن خلافت بغداد میں اس کو اس کے مقبوضہ ملکوں کی سند حکومت کے علاوہ جو ہر حکمران کو مل جاتی تھی، کوئی امتیاز خاص حاصل نہ تھا اور اس کی یہ دلی خواہش تھی

کہ سلجوقیوں کی طرح اسے بھی خلافت بغداد کی جانب سے سلطان کا خطاب ملتا اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا' لیکن ناصر اس کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے عراق عجم پر قبضہ کے بعد اس نے بغداد پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور روانگی سے پہلے پندرہ ہزار سپاہ آگے بھیج دی۔ یہ ہمدان سے نکلی ہی تھی کہ اس شدت کی برفباری ہوئی کہ فوج کے کل جانور اور بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ علاؤالدین محمد نے اس کو بدشگونی پر محمول کیا اور بغداد پر فوج کشی کا ارادہ ملتوی کر کے ناصر کا خطبہ بند کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۲۲)

تاریخ جہانکشاء جوینی سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤالدین نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ناصر کی مخالفت میں ایک فتویٰ بھی مرتب کرایا کہ عباسی خلفاء دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور کفار سے جہاد کی قوت نہیں رکھتے اور وہ اسلام کے اس سب سے بڑے فرض سے غافل ہیں۔ اس لیے خلافت کے مستحق نہیں رہے اور اہل بیت کے ایک بزرگ علاء الدین کے جو ترند میں تھے' خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا' لیکن اسی دوران میں عراق پر اتابک سعد کی فوج کشی کی خبر آ گئی اور خوارزم شاہ ادھر متوجہ ہو گیا اور اس کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ (تاریخ جہانکشا جوینی ج ۲' ص ۹۶' ۹۷)

تاتاری: چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام خصوصاً وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے لیے انتہائی ہولناک دور تھا۔ اسی زمانہ میں وحشی تاتاریوں کا طوفان اٹھا اور ترکستان سے لے کر وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا اور چند برسوں کے اندر مشرق کے سارے اسلامی ملکوں کو زیروزبر کر ڈالا۔ بے شمار مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے۔ سینکڑوں بڑے بڑے شہر خاک کا ڈھیر ہو گئے اور وسط ایشیا کا پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا' بالکل ویران ہو گیا۔ دنیائے اسلام پر ایسی تباہی کبھی نہ آئی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک خاک اڑنے لگی۔ اس کا آغاز علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی ایک غلطی سے ہوا' جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔ تاتاریوں کا وطن منگولیا یا مغلستان کا صحرائے گوبی تھا۔ یہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے بالکل محروم بے

آب و گیاہ تھا۔ سایہ دار درختوں کا کہیں وجود نہ تھا۔ نباتات میں صرف جا بجا مویشیوں کی چراگاہیں تھی۔ گرمی اور سردی دونوں موسم میں نہایت سخت ہوتے تھے۔ (چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۸) تاتاری اسی بے آب و گیاہ صحرا میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شکار کے جانوروں اور کتوں تک کا گوشت کھاتے تھے اور انہیں کی کھال اوڑھتے تھے۔ قبائل میں کوئی ضبط و نظام نہ تھا۔ سب جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے اور آپس میں ہمیشہ جنگ برپا رہتی تھی اور وہ ہر قسم کے فواحش میں مبتلا تھے۔ (تاریخ جہانکشا جوینی ج ۱، ص ۵۱) صحرائے گوبی کے شمالی علاقے میں چنگیز کے آباؤ اجداد کو ایک طرح کی سیادت حاصل تھی۔ (چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۲۰) ابھی چنگیز نوعمر تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ تاتاری قبائل نے ایک نوعمر کی سرداری قبول نہ کی۔ اس کے خلاف ہو گئے اور چنگیز پر مشکلات و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لیکن چنگیز فطرۃً نہایت جری اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے بڑے استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی مشکلات جھیلنے کے بعد بالآخر سب پر غالب آیا اور تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ریاست قائم کر لی اور چند برسوں کے اندر صحرائے گوبی سے نکل کر چین و ترکستان تک زیر نگیں کر لیے۔ (چنگیز خان، اس کی تفصیل موضوع سے خارج ہے)۔

چنگیز جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا۔ اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مرتب کیے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے۔ جوینی نے اس کو نقل کیا ہے۔ چنگیز نے تمدنی حیثیت سے تاتاری حکومت کو بڑی ترقی دی۔ وحشی تاتاریوں کی زندگی یہ تھی کہ وہ کتے کا گوشت کھاتے تھے اور اس کی کھال اوڑھتے تھے۔ صرف سرداروں کے گھوڑوں کی رکاب لوہے کی ہوتی تھی، یا چنگیز نے چند برسوں میں اس ویرانہ کو عشرت کدہ بنا دیا۔ جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ زندان سے چمنستان اور بیابان سے ایوان مسرت بن گیا اور تاتاری دوزخ سے جنت میں پہنچ گئے۔ مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں کی

مصنوعات اور ہر طرح کے سازوسامان کھینچ کر تاتار کے بازاروں میں پہنچ گئے۔کھانے پینے کے سامانوں کو بڑی فراوانی ہوگئی اور ملک زراعت سے سرسبز وشاداب وآباد ہوگیا۔(جہانکشائے جوینی ج ا ص ۱۵ و ۱۲۰۰ ملخصاً)

چنگیز اور علائوالدین محمد کا اختلاف: ۶۱۷ھ میں چنگیز عذاب الٰہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا۔اس کا آغاز علاؤالدین محمد اور چنگیز خاں کے اختلاف سے ہوا۔اس کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں' لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ ابتداء میں تاتار کا علاقہ متمدن دنیا سے بالکل الگ تھا اور تاتاری خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔اس لیے باہر کے تاجر اور بیرونی مصنوعات وہاں بہت کم پہنچتی تھیں اور مشرقی ملکوں کے اعلیٰ کپڑے تاتار میں بہت گراں ملتے تھے۔چنگیز خان ان کا شائق تھا۔اس نے اپنے عمال کو ہدایت کی تھی کہ دوسرے ملکوں کے اعلیٰ کپڑوں کے جو تاجر تاتار آئیں' انہیں اس کے پاس حاضر کر دیا جائے۔اتفاق سے اسی زمانہ میں خوارزم کے چند مسلمان تاجر تاتار گئے تھے۔عمال نے انہیں چنگیز کے پاس پہنچا دیا۔اس نے کپڑے خریدے اور ان تاجروں کی واپسی کے وقت خوارزم شاہ کے ملک کی عمدہ مصنوعات کی خریداری کے لیے اپنے یہاں کے کئی سو آدمی ان کے ساتھ کر دیے اور خوارزم شاہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ملک کے تاجروں کے ہمراہ اپنے یہاں کے تاجروں کی ایک جماعت تمہارے یہاں کی مصنوعات کی خریداری کے لیے بھیجتا ہوں۔امید ہے کہ اس سے ہم دونوں کے درمیان بدگمانی دور ہوگی اور آپس میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد پڑے گی۔تاجروں کا یہ قافلہ جب خوارزمی حکومت کی سرحد اترار پہنچا تو یہاں کے حاکم اینال جق المعروف بہ غائر خاں نے ایک ہندی تاجر کو جس سے پہلے کی شناسائی تھی' بلا بھیجا۔یہ چنگیز خان کے گھمنڈ میں نہ گیا۔اس سے غائر خان بگڑ گیا اور اس قافلہ کے پاس جو مال تھا' اس کی بھی اس کو طمع دامن گیر ہوئی۔اس نے اس کو روک لیا اور علاؤالدین محمد کو اس کی اطلاع دی۔اس نے انجام پر غور کیے بغیر ان کا

سامان ضبط کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ غائر خاں نے بلا تامل اس کی تعمیل کی۔ ان میں سے ایک شخص جان بچا کر بھاگ گیا اور چنگیز کو اس واقعہ کی خبر کی۔ وہ سن کر جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور علاؤ الدین محمد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے میرے آدمیوں کو دھوکے سے قتل کیا ہے' اس کے انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (تاریخ جہانکشا جلد اول ص ۶۱' ۶۲) حمداللہ مستوفی کا بیان ہے کہ چنگیز خان نے پہلے خوارزم شاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ غائر خان کو قصاص کے لیے اس کے حوالہ کرے' خوارزم شاہ اس پر آمادہ نہ ہوا بلکہ الٹے چنگیز کے قاصد کو قتل کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱' ص ۴۵۷)

ابن اثیر میں اتنا اور اضافہ ہے کہ خوارزم شاہ نے اصل قاصد کو قتل کر دیا اور اس کے باقی ساتھیوں کی ڈاڑھیاں منڈوا کر ان کی زبانی چنگیز خان کے پاس کہلا بھیجا کہ میں خود تمہارے مقابلہ میں آتا ہوں' اگر تم دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہو گے تو تم کو نہ چھوڑوں گا اور تمہارے قاصدوں کو جو سزا دی ہے' وہی سزا تم کو بھی دوں گا۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۰) اتفاق سے اسی زمانہ میں تاتاریوں کی ایک فوج ایک ترک فرمانروا توق خان کے مقابلہ کے لیے گئی ہوئی تھی۔ خوارزم شاہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اس کے مقابلے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور جب تاتاری توق خان کی مہم سر کر کے واپس ہو رہے تھے تو راستے میں ان کا اور خوارزم شاہ کا سامنا ہو گیا۔ تاتاریوں نے اس کو سمجھایا کہ ہم ایک دوسری مہم کے لیے نکلے تھے۔ تمہارے مقابلے کے لیے نہیں بھیجے گئے تھے' اس لیے تم سے لڑنا نہیں چاہتے' لیکن خوارزم شاہ نے سماعت نہ کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی' مگر ایک ہی معرکہ کے بعد دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ (جہانکشاہ ج ۲' ص ۱۰۴' ۱۰۵)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ خوارزم شاہ نے چنگیز کو الٹی میٹم بھیجنے کے بعد اپنے ہم سرحد تاتاری علاقہ پر فوج کشی کر دی۔ اتفاق سے اس وقت یہاں کے سب مرد' چنگیز کے لڑکے کے ساتھ ترک فرمانروا کشلو خاں کے مقابلے میں چلے گئے تھے۔ صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ خوارزم شاہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ اس دوران میں

چنگیز خان کالڑکا کشلو خان کی مہم سے فارغ ہو کر لوٹ چکا تھا۔ راستہ میں اس کو خوارزم شاہ کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً اس کی تلاش میں پہنچا۔ خوارزم شاہ موجود تھا' دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی اور تین دن کے بعد خوارزم شاہ لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۱) اس درمیان میں چنگیز خان ایک لشکر جرار کے ساتھ اترار پہنچ گیا اور یہاں سے خوارزمی حکومت کے مختلف حصوں پر حملہ کیلئے علیحدہ علیحدہ امراء مامور کیے۔ اپنے لڑکے چغتائی اور اکتائی کو اترار کے محاصرہ پر متعین کیا۔ دوسرے لڑکے توشی اور تاتاری امراء کو ترکستان کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ کیا اور خود بخارا کی طرف بڑھا۔ چغتائی اور اکتائی نے پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد اترار کو فتح کر لیا اور غائر خان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اترار کے بعد سمرقند روانہ ہو گیا۔ امیر توشی اور راش ایدی نے جند' بارجیلغ کنت اور کند اور اشناس وغیرہ کو فتح کر کے ان شہروں کو لوٹا اور آبادی کا قتل عام کیا۔ صرف جند کے باشندوں کو اس لیے چھوڑ دیا کہ جنھوں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ جند کو فتح کرنے کے بعد توشی اور راش ایدی' علی خواجہ کو یہاں کا حاکم بنا کر قراقرم لوٹ گئے اور تاتاری فوج نے نیکی کنت کا رخ کیا۔ امیر آلاق' نویں' امیر سکتو اور امیر نقالی نے فناکت اور خجند کو زیر نگین کر کے ان کو لوٹ کر ویران کیا۔ (جوینی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے) خوارزمی سلطنت میں ماوراءالنہر کا صوبہ اپنی سرسبزی' شادابی اور علمی و تمدنی ترقی کے اعتبار سے سلطنت کی جان تھا۔

''بخارا' زیلا و مشرقی قبہ اسلام است و درمیان آں نواحی بمثابت مدینۃ اسلام (بغداد) سواد آن بہ بیاض نور علماء و فقہاء آراستہ و اطراف آں بطرف معالی پیراستہ از قدیم باز و ہر قرنے مجمع بخار پر علمائے ہر دین آں روزگار بودہ است' سمرقند منظم ترین بقاع مملکت سلطان بفسحت رقعہ و خوش ترین رباع بطیب بقعہ و نزہ ترین بہشتہائے دنیا باتفاق از جملہ جنان اربعہ'' (جہانکشائے جوینی ج ۱' ص ۷۵' ۹۰)

اس صوبہ کی اہمیت کی بنا پر چنگیز خان نے اس پر فوج کشی کی تھی۔ خوارزم شاہ نے بھی اس کی حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات کیے تھے۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۱۴۰) چنگیز خان زرنوق اور نور بخارا کو فتح کرتا ہوا محرم ۶۱۷ھ میں بخارا پہنچا اور اس کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا۔ خوارزمی فوج اور اہل بخارا نے دو چار دن تک مدافعت کی، لیکن تاتاری سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر تھا۔ بعض افسروں کی بھی ہمت چھوٹ گئی۔ اس لیے بخارا کے علماء و عمائد چنگیز کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے۔ اس نے منظور کر لیا، بخاریوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور تاتاری فوج بخارا میں داخل ہو گئی۔

بخارا کی جامع مسجد بہت عظیم الشان تھی۔ چنگیز نے اس کو دیکھ کر پوچھا کیا یہ شاہی محل ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اللہ کا گھر ہے۔ چنگیز نے گھوڑوں کو دانہ کھلانے کا حکم دیا۔ اس حکم پر تاتاری غلہ کے ذخیروں پر ٹوٹ پڑے اور شہر بھر کا غلہ جمع کر کے کلام مجید کے صندوقوں کو توڑ کر کلام مجید پھینک دیئے اور صندوقوں میں گھوڑوں کو چارہ دیا اور علماء و مشائخ کو ان کی نگرانی پر متعین کیا اور شہر کی پوری آبادی کو باہر میدان میں لے جا کر ارباب ثروت سے ان کی دولت نکلوائی۔ خوارزمی فوج کا ایک حصہ قلعہ میں رہ گیا تھا۔ جو تاتاریوں پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ اس لیے چنگیز نے شہر میں آگ لگوا دی اور سارا شہر جل کر خاک ہو گیا۔ صرف جامع مسجد کی عمارت باقی رہ گئی۔ قلعہ کی فوج نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ اس میں بہت سے تاتاری مارے گئے، لیکن آخر میں تاتاریوں نے قلعہ بھی فتح کر لیا۔ قلع فتح کرنے کے بعد انہوں نے شہر کے ان تمام باشندوں کو جو کام کے لائق تھے، جنگی کاموں کے لیے چھانٹ لیا۔ باقی ماندہ کو چھوڑ دیا اور بخارا بالکل ویران ہو گیا۔ ایک عینی شاہد نے بخارا کی تباہی کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''آمدند و کندند و سوختند و بردند و رفتند''

(جوینی نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ دیکھو ج ۱، ص ۷۶ تا ۸۵)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ بخارا پر قبضہ کے بعد یہاں کے جو باشندے زندہ بچ رہے تھے، تاتاریوں نے ان کو قتل کر دیا یا لونڈی غلام بنالیا۔ بخارا کی تباہی اور قتل عام پر لوگوں کی گریہ و زاری سے بڑا دردناک منظر پیدا ہو گیا تھا۔ تاتاری علانیہ عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ بخارا کے سارے مدارس جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۴۱) بخارا کو تباہ کرنے کے بعد چنگیز نے سمرقند کا رخ کیا۔ خوارزم شاہ نے اس کی حفاظت کا پورا انتظام کیا تھا۔ اس کے گرد نہایت بلند و مستحکم شہر پناہ تعمیر کرائی تھی۔ اس کے چاروں طرف گہری اور وسیع خندق کھود کر اس کو دریا سے ملا دیا تھا اور ایک لاکھ دس ہزار منتخب سپاہ اس کی حفاظت کے لیے متعین کی تھی۔ اس لیے چنگیز نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ اس پر فوج کشی کی تھی۔ اس کی فتح کی تفصیلات میں عربی و فارسی مورخین کے بیان میں اختلاف ہے، لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ اہل سمرقند نے بڑی پامردی سے مدافعت کی، لیکن تاتاری سیلاب کو نہ روک سکے اور آخر میں ان کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ سمرقند پر قبضہ کے بعد تاتاریوں نے بخارا کی طرح اس کی بھی کل دولت لوٹ لی۔ جنہوں نے چھپانے کی کوشش کی، انہیں اذیتیں دے کر اقرار کرایا۔ کچھ مسلمانوں نے مسجد کو آڑ بنالیا تھا۔ اس لیے تاتاریوں نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور سمرقند کے ان باشندوں کو جو لونڈی غلام بنانے کے لائق تھے، قید کر لیا۔ باقی عورتوں اور بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ (جوینی نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھو جہانکشائے جوینی ج ۱، ص ۹۱ تا ۹۵، وابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۴۱، ۱۴۲) اس زمانہ میں خوارزم شاہ بلخ میں تاتاریوں کے مقابلے کی تدبیر میں مصروف تھا اور امراء کے مشورہ سے وہ جنگ کی تیاری کے لیے بخارا سے عراق روانہ ہو گیا تھا۔ ترمذ کے قریب پہنچ کر خبر ملی کہ سمرقند و بخارا پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس خبر

سے سلطان کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ نیشاپور چلا گیا۔ جوینی کا بیان ہے کہ وہ غم غلط کرنے کے لیے عیش ونشاط میں مشغول ہو گیا۔ (یہ جوینی کا بیان ہے۔ عربی مورخین کے بیان کے مطابق جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا خوارزم شاہ ہر قسم کی لغویات سے پاک اور بڑا محتاط فرمانروا تھا)

یہ صورت حال دیکھ کر خراسان کے عمائد نے نیشاپور کے حاکم مجیر الملک کے پاس جا کر اس کو ملامت کی کہ ملک کا یہ حال ہو رہا ہے اور تم لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے۔ اس نے کہا تم لوگوں کی ملامت بجا ہے' لیکن میں حکم سلطانی سے مجبور ہوں۔ جوینی کے بیان کے مطابق سلطان عیش ونشاط میں مشغول تھا کہ مخبروں نے اطلاع دی کہ تاتاری امراء یمہ نوین اور ستبائی جنہیں چنگیز نے سلطان کی تلاش میں بھیجا تھا' کہ قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر خوارزم شاہ کو ہوش آیا اور وہ ربیع الاول ۶۱۷ھ میں نیشاپور سے عراق روانہ ہو گیا۔ رے پہنچ کر معلوم ہوا کہ تاتاری بھی تعاقب میں آ رہے ہیں۔ اس لیے خوارزم شاہ یہاں نہ ٹھہر سکا اور قزوین ہوتا ہوا ماژندران نکل گیا۔ تاتاری برابر تعاقب کر رہے تھے۔ سلطان نے جب دیکھا کہ ان سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے تو جزیرہ آبسکون میں چلا گیا' پھر قریب ہی ایک دوسرے جزیرہ میں منتقل ہو گیا۔ اس کے آبسکون چھوڑتے ہی تاتاری وہاں پہنچ گئے' لیکن سلطان کو نہ پا کر واپس چلے گئے اور واپسی میں دمشق میں سلطانی اہل وعیال کو جو ماژندران کے قلعہ میں تھے' قلعہ پر قبضہ کر کے قید کر لیا۔ (یہ حالات ملخصاً جہانکشائے جوینی جلد اول سے ماخوذ ہیں) ان حوادث ومصائب' مسلسل سفر اور گرم وسرد آب وہوا کے اثر سے سلطان ذات الجنب میں مبتلا ہو گیا اور جزیرہ میں جانے کے چند ہی دنوں کے بعد ۶۱۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس غربت میں کفن تک میسر نہ آ سکا' جو کپڑے جسم پر تھے' انہی میں دفن کیا گیا۔ (ابوالفداء ج ۳' ص ۱۴۹) علاؤالدین محمد خوارزم شاہ خوارزمی کا سلسلہ کا بڑا باعظمت فرمانروا تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع

تھا۔عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ سجستان' کرمان' طبرستان' جرجان' عراق' عجم' خراسان اور فارس کے کچھ حصے اس کے زیر نگین تھے۔ خطائیوں کو شکست دے کر خطا کے علاقہ کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا۔ ذاتی حیثیت سے وہ فاضل فقہ و اصول وغیرہ مذہبی علوم کا عالم' علم دوست اور علماء نواز فرمانروا تھا۔ علماء کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آتا تھا۔ ان کے علمی مباحث میں حصہ لیتا تھا۔ اس کی ساری دلچسپی ملک کی حفاظت' اس کے انتظام و انصرام' رعایا کی خبر گیری اور دوسرے امور مملکت تک محدود تھے۔ دیندار علماء و مشائخ سے عقیدت رکھتا اور ان سے برکت اندوزی کرتا تھا۔ اس کی ذات میں وہ تمام کمالات اور خوبیاں جمع تھیں' جو سلاطین عجم میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں' مدت حکومت ۲۱ سال تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۴۳' جوینی کا بیان اس سے مختلف ہے جو اوپر گزر چکا ہے)

جلال الدین خوارزم شاہ کے میر منشی جلال الدین نسوی کا بیان ہے کہ اس کے آستانے پر دنیا کے بڑے بڑے سلاطین و امراء کا ہجوم رہتا تھا اور وہ اس کی خاک پا کو چھونا فخر سمجھتے تھے۔ اس کے غلام اور حاشیہ نشین تک تخت فرمانروائی تک پہنچ گئے۔ اس کے طشت دار رکابدار' سلحدار اور جندار وغیرہ سب سلاطین تھے۔ اس کا پس خوردہ بڑے بڑے امراء فخریہ کھاتے تھے۔ اس کو بہت سے ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کے زمانہ کے دوسرے فرمانرواؤں کو حاصل نہ تھے۔ (ابو الفداء ج ۳' ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی) جلال الدین خوارزم شاہ: علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے لڑکوں اور تاتاریوں سے ان کی جنگ کے بارے میں عربی اور فارسی دونوں مورخین کے بیانات نہایت گنجلک اور باہم مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ صاف' واضح اور معتبر بیان جلال الدین کے میر منشی جلال الدین نسوی کا ہے' جسے ابو الفداء نے نقل کیا ہے۔ اس کے مطابق علاؤ الدین محمد کے چار بیٹے تھے۔ قطب الدین ازلاق یا ازلاغ' غیاث الدین'

تیز شاہ، رکن الدین غور شاہ اور جلال منکبرتی، علاؤالدین نے اپنی زندگی ہی میں چاروں میں ملک تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے قطب الدین ازلاق کو ولی عہد نامزد کیا تھا، لیکن پھر اس کا نام خارج کر کے جلال الدین کو ولی عہد بنایا اور باپ کی موت کے وقت یہ ولی عہد تھا۔ (ابوالفداء ج ۳، ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی) چاروں بھائیوں میں جلال الدین ہی باپ کی جانشینی کا سب سے زیادہ اہل تھا، چنانچہ علاؤالدین کی وفات کے بعد اس نے تاتاریوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر عین اس نازک زمانہ میں امراء کی فتنہ انگیزی سے بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض امراء نے جلال الدین کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس لیے وہ خوارزم چھوڑ کر نساء روانہ ہو گیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا سامنا ہوا، لیکن جلال الدین لڑتا ہوا غزنین نکل گیا۔ اس کے خوارزم چھوڑتے ہی تاتاریوں نے خوارزم کا رخ کیا۔ قطب الدین ازلاق میں ان کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اس لیے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی اس نے خوارزم چھوڑ دیا، لیکن راستہ میں ان سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ تاتاریوں نے اس کو شکست دے کر مع خدم و حشم کے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ (جہانکشائے جوینی ج ۲، ص ۱۳۰، ۱۳۱ ملخصا)

سمرقند کی فتح کے بعد ہی چنگیز نے چغتائی اور اکتائی کو خوارزم پر مامور کیا۔ جلال الدین کے خوارزم چھوڑنے کے بعد وہ خوارزم پہنچے۔ اس وقت علاؤالدین کی اولاد میں سے یہاں کوئی نہ تھا۔ اہل خوارزم نے خمارتر کی کو اپنا حاکم بنا لیا تھا۔ تاتاری شہر کے قریب پہنچ کر کمین گاہ میں چھپ گئے اور تھوڑی تعداد شہر کی طرف بڑھی۔ خوارزمیوں نے اس غلط فہمی میں کہ تاتاریوں کی کل تعداد اتنی ہی ہے، باہر نکل کر ان پر حملہ کر دیا۔ تاتاری پیچھے ہٹ گئے۔ خوارزمی دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے۔ جیسے ہی کمین گاہ میں چھپے ہوئے تاتاریوں کی زد میں آ گئے، وہ نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک لاکھ خوارزمیوں کو قتل کر ڈالا۔ باقی ماندہ شہر میں پسپا ہو کر محصور ہو گئے اور کئی مہینے اندر سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں تاتاری فصیل توڑ کر شہر میں گھس

گئے۔شہر بڑا وسیع اور آبادی بڑی گنجان تھی۔ ہر محلّہ ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتا تھا۔اہل شہر نے مختلف محلوں میں مورچے قائم کر کے مقابلہ شروع کر دیا۔اس لیے تاتاریوں نے آگ لگا دی اور بہت سے محلے جل کر راکھ ہو گئے اور تاتاریوں نے ایک ایک محلّہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کی آبادی کو باہر لے جا کر ایک لاکھ اہل حرفہ کو تاتار بھیجنے کے لیے چھانٹ لیا۔باقی ماندہ آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا اور شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔(جہانکشائے جوینی ج ا،ص ۹۸ تا ۱۰۱ ملخصا) ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعے شہر میں پانی آتا تھا، کھول دیا اور سارا شہر مع آبادی کے تہ آب ہو گیا، صرف آبادی کا نشان باقی رہ گیا۔(ابن اثیر ج ۱۲،ص ۱۵۲)

جوینی لکھتا ہے کہ ''خوارزم کہ مرکز رجال رزم و مجمع نسائے بزم بود، ایام سر بر آستانہ او نہادہ و ہمائے دولت آں را کہ آشیانہ ساختہ مادی ابن آدی گشت و نشیمن بوم و زغن شد۔(جہانکشائے جوینی ج ا،ص ۱۰۱) دوسری طرف چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اور یہاں کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ قلعہ اور فصیل کو منہدم کر دیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا، لیکن وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔چنگیز نے شکست دے کر ترمذ پر قبضہ کر لیا اور پوری آبادی کو تہ تیغ کر ڈالا۔ترمذ کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی۔(جہانکشائے جوینی ج ا،ص ۱۰۲) بدخشاں کے بعد بلخ پہنچا۔یہاں کے باشندوں نے اہل ترمذ کا انجام دیکھ کر اطاعت قبول کر لی، لیکن جلال الدین خوارزم شاہ قریب ہی غزنین میں موجود تھا۔اس لیے چنگیز نے اس کی اطاعت پر اعتماد نہ کیا اور پوری آبادی کو قتل کرا دیا۔ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔بلخ کے بعد اپنے لڑکے تولی خان کو خراسان بھیجا اور خود طالقان کا رخ کیا۔یہاں کے باشندوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن اس بلائے بے درماں کا روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔اس لیے انہیں بھی شکست ہوئی اور چنگیز نے ترمذ و بلخ کی طرح اس کی

آبادی کو بھی ختم کر کے شہر کو زمین کے برابر کر دیا۔ طالقان کے بامیان کی آبادی کا بھی یہی انجام ہوا۔ بامیان کے معرکہ میں چنگیز کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے انتقام میں اس نے بامیان کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور یہاں کے جانور تک زندہ نہ چھوڑے۔ بامیان کے بعد جلال الدین کے مقابلے کے لیے غزنین پہنچا۔ معلوم ہوا کہ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے جا چکا ہے۔ اس لیے چنگیز اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اتفاق سے جلال الدین دریائے سندھ کے ساحل پر موجود تھا۔ چنگیز نے اس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں، لیکن ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری سمت کمان کی شکل میں تاتاری ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ حصار کا دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے۔ جلال الدین نے جب دیکھا کہ اس کا بچنا مشکل ہے تو بے محابا گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا نکل گیا۔ اس دلیری پر چنگیز بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے اپنے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا ''ہر باپ کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جلال الدین کے اہل و عیال چھوٹ گئے تھے، چنگیز نے ان سب کو گرفتار کر کے کل اولاد ذکور کو جس میں شیر خوار بچے بھی تھے، قتل کر دیا۔ (جہانکشائے جوینی ج ۱، ص ۱۰۶، ۱۰۷) جلال الدین کے ہندوستان جانے کے بعد غزنہ اور غور بالکل خالی ہو گئے تھے۔ چنگیز نے ان پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور ان کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور جلال الدین کے تعاقب میں ایک فوج ہندوستان بھیجی۔ اس نے پنجاب تک پیچھا کیا، لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا اور تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے لوٹ گئے۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۱۵۳) ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ہی تاتاری سارے وسط ایشیا میں پھیل گئے تھے اور خراسان فارس آذربائیجان، ارمنستان، آران، کرج اور قپچاق کے سارے علاقوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے روس تک پہنچ گئے تھے۔ ابن اثیر اور جوینی وغیرہ نے اس کے مفصل حالات لکھے

ہیں، لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس یورش میں تاتاریوں نے کسی ملک میں مستقل قیام نہیں کیا، بلکہ طوفان کی طرح زیروزبر کرتے ہوئے نکل گئے۔ ان کے چھٹنے کے بعد جن فرمانرواؤں میں دم باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آبادی کی طرف توجہ کی۔ اسی سلسلہ میں جلال الدین بھی واپس آیا۔ عراق کا ملک علاؤالدین خوارزم شاہ نے اپنے لڑکے رکن الدین غورشاہ کو دیا تھا، وہ تاتاریوں کی یورش میں کام آیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے دوسرے بھائی غیاث الدین تیز شاہ والی کرمان ومکران نے اس کے علاقہ اور اتابک سعد بن وکلاء سلغری والی فارس کے بعض مقبوضات پر قبضہ کرلیا، لیکن عراق کے باشندے جلال الدین کی طرف مائل تھے۔ (تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲، ص ۱۴۹، وابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۶۳)

اس لیے جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہوتا ہوا واپس آیا اور عراق وفارس کو غیاث الدین کے ہاتھوں سے چھڑا کر اتابک سعد کا علاقہ اس کے حوالے کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کی حیثیت سے عراق کی حکومت پر بحال رہنے دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۶۳، وابو الفدا، ج ۲، ص ۱۳۴)

عراق کے بعد جلال الدین نے خلافت عباسیہ کے علاقہ خوزستان پر فوج کشی کی۔ جوینی کا بیان ہے کہ جلال الدین نے پہلے خلافت بغداد اور خوارزمی حکومت کی پرانی عداوت کو بھلا کر ناصر سے دوبارہ تعلقات درست کرنے کی کوشش کی اور تاتاریوں کے مقابلے کے لیے اس سے مدد مانگی، لیکن ناصر کے دل سے کینہ دور نہ ہوا تھا۔ اس نے جلال الدین کی درخواست کی جانب توجہ نہ کی اور امیر قشتمر کو اسے عراق سے نکالنے کا حکم دے دیا۔ (تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۲، ص ۱۵۴) لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ جلال الدین نے بغیر کسی نامہ و پیام کے خوزستان پر حملہ کردیا۔ جہاں کے حاکم قشمتر نے خوزستان کے صدر مقام تستر کو بچالیا۔ اس کے علاوہ باقی علاقہ کو خوارزم شاہ نے تاخت و تاراج کرڈالا اور اس کی آبادی کو بے دریغ قتل کیا اور بڑھتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ

گیا۔ناصر نے اس کے مقابلہ کے لیے مظفر الدین کوکری والی موصل کو بلا بھیجا تھا۔اس نے اپنے لڑکے کوفوجیں دے کر بھیجا' لیکن اس نے جلال الدین کی اطاعت قبول کر لی۔(خوزستان پر حملہ کی تفصیلات میں جوینی اور ابن اثیر کے بیان میں جزوی اختلاف ہے۔ہم نے ان سے قطع نظر خلاصہ نقل کیا ہے۔جوینی جلد اول ص ۱۵۴'۱۵۷'وابن اثیر ج ۱۲'ص ۱۶۳'۱۶۴)

آذربائیجان کا والی مظفر الدین ازبک بڑا نااہل تھا۔ہر وقت شراب و کباب میں مست رہتا تھا۔امور مملکت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔اس لیے خوزستان کو لوٹنے کے بعد جلال الدین نے آذربائیجان پر حملہ کر دیا۔مظفر الدین اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور آذربائیجان چھوڑ کر گنجہ چلا گیا اور جلال الدین نے اس کے پایہ تخت تبریز پر قبضہ کر لیا۔آذربائیجان کے بعد جلال الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور اس نے گرجوں کو مغلوب کر کے گرجستان پر قبضہ کر لیا' لیکن اس کی تکمیل ظاہر کے دور میں ہوئی۔اس کا حال آئندہ آئے گا۔اسی سلسلہ میں اس نے گنجہ پر قبضہ کر لیا اور مظفر الدین یہاں سے بھاگ کر لاپتہ ہو گیا۔ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔ہم نے ابوالفداء کا مختصر بیان کیا ہے۔(ابوالفداء ج ۳' ص ۱۳۵) ابھی جلال الدین کی مہمات کا سلسلہ جاری تھا کہ ناصر کا زمانہ ختم ہو گیا۔

ناصر کی وفات: ناصر کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی۔کئی سال سے فالج میں مبتلا تھا۔آنکھوں کی بینائی قریب قریب جاتی رہی تھی۔اس لیے بیس دن کی مختصر علالت کے بعد رمضان ۶۲۲ھ میں انتقال کر گیا۔مدت خلافت سینتالیس سال تھی۔عباسی خلفاء میں اتنا طویل زمانہ کسی خلیفہ نے نہیں پایا۔ناصر اپنے نامور اسلاف کی بہت سی خصوصیات کا حامل اور عباسی جاہ و جلال کی آخری یادگار تھا۔ابن طقطقی لکھتا ہے وہ بڑا فاضل اور ممتاز خلیفہ تھا۔جملہ امور میں بصیرت رکھتا تھا۔سیاست دان' باہیبت' جری' بہادر' تیز طبع' حاضر دماغ' ذہین' طباع اور فصیح و بلیغ تھا۔کسی علم و فن اور نکتہ آفرینی میں

بند نہ تھا۔علماء سے واقف کارانہ بحث کرتا تھا اور امور سلطنت کو ماہرانہ انجام دیتا تھا۔ (الفخری ص ۲۸۷) ذہبی کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ طویل کسی خلیفہ کا دور حکومت نہ تھا۔اس نے سینتالیس سال تک حکومت کی اور اس کی زندگی نہایت عزت وجلال کے ساتھ بسر ہوئی۔اس نے دشمنوں کا استیصال اور سلاطین پر غلبہ حاصل کیا۔جس قوت نے سر اٹھایا اس کو کچل کر رکھ دیا۔جس نے اس کے ساتھ برائی کی نیت کی' اس کو اللہ نے ناکام کیا۔باوجود اس خوش بختی کے وہ مصالح ملکی کی جانب پوری توجہ رکھتا تھا۔رعایا کی کوئی چھوٹی بڑی بات اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔اس کے مخبر ہر ایک ملک میں پھیلے ہوئے تھے' جو وہاں کے فرمانرواؤں کے حالات کی اطلاع برابر کرتے رہتے تھے۔وہ سیاسی شاطر تھا۔اس کی چالیں ایسی گہری ہوتی تھیں کہ وہاں تک لوگوں کی نگاہ نہ پہنچ سکتی تھی۔اپنی سیاسی تدبیروں سے وہ دشمن سلاطین میں اتحاد و دوستی اور دوست فرمانرواؤں میں اختلاف و دشمنی پیدا کر دیتا تھا اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہونے پاتی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۹' ۴۶۰ بحوالہ ذہبی) عبداللطیف کا بیان ہے کہ دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔جس طرح بغدادی اس سے ڈرتے تھے۔اسی طرح مصر و ہندوستان اس سے ڈرتا تھا۔اس نے خلافت کی ہیبت کو جو معتصم کے بعد ختم ہوگئی تھی' دوبارہ زندہ کر دیا۔مصر و شام تک کے سلاطین اپنی خلوتوں میں اس کا ذکر کرتے ڈرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱) دنیائے اسلام کے کل سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے اور خلافت بغداد کے تمام پرانے باغی اور سرکش حکمرانوں کی گردنیں اس کے سامنے خم ہوگئی تھیں۔اس کی تلوار نے بڑے بڑے جبابرہ کو مغلوب اور دشمنوں کو مقہور کر لیا تھا۔اس نے ملکوں کو فتح کیا اور اندلس سے لے کر چین تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱' ۴۶۲)

راتوں کو بغداد کی گلیوں میں پاپیادہ گشت لگاتا تھا۔اس لیے رعایا اور عمال حکومت دونوں ڈرتے تھے' کہ اس کو گھر کی باتوں تک کا علم ہو جاتا ہے۔ (الفخری

ص ۲۸۷) اس کے شعبہ خبر رسانی کے بہت سے حیرت انگیز واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ اس کے کار خیر اور اوقاف حد شمار سے باہر ہیں۔ اس نے بکثرت مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ (الفخری ص ۲۸۷) لیکن ان اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ وہ دولت کا بڑا حریص تھا۔ حصول زر کے لیے اس نے رعایا پر بڑی زیادتیاں کیں۔ بہت سے ٹیکس جاری کیے۔ مال و جائیداد کے لیے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا۔ خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھا دی۔ ابن کثیر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس کے مظالم سے عراق ویران ہو گیا۔ درحقیقت اس کی طبیعت میں شدت اور غلو زیادہ تھا۔ جس جانب رجوع ہوتا تھا' اس میں غلو کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلاتا تھا' یعنی لیتا دیتا تھا تو آسودہ حال کر دیتا تھا اور جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۶۰) اس لیے اس کی حرص دولت بھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی' لیکن اس حرص و طمع کے ساتھ اس کی فیاضی کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہندوستانی انعام کی امید میں اس کے لیے ایک طوطا لے گیا جو سورۂ اخلاص پڑھتا تھا۔ اتفاق سے یہ طوطا ناصر کے سامنے پیش کیے جانے سے پہلے ہی مر گیا۔ ناصر کو مخبروں کے ذریعے اس کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے پانچ سو اشرفیاں اس کے مالک کے پاس بھجوا دیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۶۱) علمی اعتبار سے وہ بڑا فاضل تھا۔ دینی علوم میں حدیث نبوی سے خاص ذوق رکھتا تھا۔ بہت سے علماء سلاطین اور عمائد کو اپنی جانب سے قرات و روایت حدیث کی اجازت دی تھی اور راوی علماء کے وظائف مقرر کیے تھے۔ لوف' شرف نسبت کے لیے فخریہ اس سے روایت کرتے تھے' ستر حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۔۴۵۹' ۴۶۲)

ابونصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامر اللہ

(۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۵ء تا ۱۲۲۶ء)

ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال ۶۲۲ھ کو اس کا لڑکا اور ولی عہد ابو نصر محمد تخت پر بیٹھا اور ظاہر بامر اللہ لقب اختیار کیا۔ اس وقت اس کی عمر باون سال کی تھی اور وہ اپنی دینداری اور مذہبی کاناموں کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی خلیفہ تھا۔ تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ اس کی تمام گزشتہ بے عنوانیاں یک قلم موقوف کر دیں اور جب تک زندہ رہا اس کار خیر کو انجام دیتا رہا، لیکن افسوس موت نے مہلت نہ دی۔ وہ کل نو مہینے زندہ رہا، ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یاد تازہ کر دیتا۔ گرجستان پر جلال الدین کا قبضہ: اوپر ناصر کے زمانے میں گرجستان پر جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج کا ذکر گزر چکا ہے۔ گرجستان اسلامی قلمرو کی بالکل سرحد پر تھا۔ گرجی بڑے وحشی اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور ہر زمانہ میں وہ اسلامی حکومت کے حدود پر وحشیانہ تاخت کرتے رہے تھے۔ خلاط، آذربائیجان، اران، ارزن الروم، دربند، شروان وغیرہ کے علاقے ان کے حملوں کا ہدف بنے رہے۔ کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی۔ وہ بے محابا ان ملکوں میں گھس آتے تھے اور وحشیانہ طریقے سے قتل و غارت کرتے تھے۔ سرحد کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران ان کے مقابلہ سے عاجز تھے اور ان علاقوں کے مسلمان ان کے ہاتھوں بڑی ذلت اور بے بسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۷) ناصر کے آخری زمانہ میں جلال الدین خوارزم شاہ نے گرجستان پر فوج کشی کی تھی اور اس کا سلسلہ ظاہر کے زمانہ تک رہا اور اس میں اور گرجوں میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں، جن میں ہزاروں گرجی کام آئے۔ جلال الدین نے ان کے مرکز تفلیس پر قبضہ کر کے ان کی قوت بالکل توڑ دی۔ اس کے اس کارنامے پر ساری دنیائے اسلام مشکور ہوئی۔ ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

ناصر کی وفات: ظاہر، تخت نشینی کے کل نو مہینے بعد رجب ۶۲۳ھ میں انتقال کر گیا۔ اس وقت ۵۳ سال کی عمر تھی۔

خلافت کی اصلاح: وہ دینداری اور اسلامی روح کے اعتبار سے عمر بن عبدالعزیز ثانی تھا۔ اس نے نو مہینے کی قلیل مدت میں اتنے کارخیر انجام دیئے جو دوسرے فرمانرواؤں سے برسوں میں ممکن نہ تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ:

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اس نے اپنے عدل و انصاف و احسان سے حضرت عمر بن الخطابؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی سنت زندہ کر دی اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد ایسا خلیفہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس نے ان تمام مال و جائیدادوں کو جو اس کے باپ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے کے عباسی خلفاء نے جبراً ضبط کی تھیں، ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ ساری قلمرو سے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس یک قلم موقوف کر دیئے۔ ناصر نے اپنے زمانہ میں عراق کا خراج بہت بڑھا دیا تھا۔ ظاہر نے اس کو منسوخ کر کے پرانا خراج جاری کر دیا۔ ان دونوں کی شرح میں تفاوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مقام یعقوبا کا پرانا خراج دس ہزار اشرفی سالانہ تھا، ناصر نے بڑھا کر اسی ہزار کر دیا تھا۔ یہی حال سارے عراق کا تھا۔ یہاں کے باشندوں نے ظاہر کے زمانہ میں اس پر نظر ثانی کی درخواست کی۔ اس نے گھٹا کر پرانی شرح کے مطابق کر دیا اور پورے عراق سے جدید اضافہ کو گھٹا دیا۔

ناصر کے زمانے میں بہت سی پرانی جائیدادوں اور کھجور کی پیداوار کا خراج وصول کیا جاتا تھا، جو اب ضائع ہو چکی تھیں۔ ظاہر نے ان کو خراج سے مستثنیٰ کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو جائیدادیں محفوظ اور جو درخت سالم ہوں، انہی کا خراج لیا جائے۔ شاہی خزانہ میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے۔ ایک عام بازار کے رائج پیمانہ کے برابر تھا، دوسرا اس سے ایک قیراط زیادہ تھا۔ شاہی محاصل بڑے پیمانے سے وصول کیے جاتے تھے اور خزانہ سے دوسرے لوگوں کو بازار کے عام پیمانے سے دیا جاتا تھا۔ ظاہر کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو ایک تحریر لکھی۔ اس کے شروع میں کلام مجید کی یہ آیت تھی، ''کم دینے والوں پر افسوس ہے جو دوسرے لوگوں سے خود تو

ناپ تول کر پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو کم دیتے ہیں۔ کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ بڑے دن (قیامت) کو اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ خزانہ کا پیمانہ ان عام پیمانوں کے برابر کر دیا جائے' جس سے یہود و نصاریٰ سب وزن کرتے ہیں۔ بعض حکام نے کہا کہ اس سے پینتیس ہزار اشرفی سالانہ کا نقصان ہو گا۔ ظاہر نے جواب دیا اگر ساڑھے تین لاکھ اشرفی کا بھی نقصان ہو تب بھی پیمانہ گھٹا دیا جائے گا۔

قاضی شہر کو عام حکم دے دیا تھا کہ جو شخص کسی ضبط شدہ مال و جائیداد کے متعلق ثبوت پیش کر دے۔ اس کو بغیر میری اجازت کے اس کی املاک واپس کر دی جائے۔ ایک حنبلی کو اس نے حشری اور بیت المال کا متولی بنانا چاہا۔ اس نے کہا میرے مذہب میں ذوی الارحام کا بھی ترکہ ہے' اگر امیر المومنین اس کی اجازت دیں تو میں یہ منصب قبول کروں گا' ورنہ معذور ہوں۔ اس نے کہا ہر حقدار کا حق اس کو دو اور اس میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ کرو۔ ناصر نے بغداد کے گلی کوچوں میں مخبر مقرر کر رکھے تھے' جو روزانہ ان گلیوں کے دن بھر کے چھوٹے بڑے واقعات کی تحریری رپورٹ اس کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس میں یہاں تک لکھا جاتا تھا کہ تفریح گاہوں اور گانے کی مجلسوں میں فلاں فلاں لوگ آپس میں ملے۔ مخبری سے لوگ تنگ تھے' ظاہر کی تخت نشینی کے بعد جب حسب معمول اس کے سامنے بھی یہ رپورٹ پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ مجھ کو لوگوں کے پرائیویٹ حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ میرے سامنے صرف وہی امور پیش کیے جائیں' جن کا تعلق حکومت کے مصالح سے ہو۔ لوگوں نے کہا اگر مخبری کا طریقہ بند کر دیا گیا تو عوام بگڑ جائیں گے اور ان کا شر و فساد بڑھ جائے گا۔ ظاہر نے کہا کہ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے دعا کریں۔ ناصر نے اپنے آخر زمانہ میں ایک محصل کو روپیہ کی وصولی کے لیے واسط بھیجا تھا۔ یہ اس وقت روپیہ لے کر واپس ہوا' جب اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک لاکھ

تھا۔ظاہر نے چند مہینوں کے اندر کل صرف کر دیا۔ (الفخری ص ۷، ۸ وتاریخ الخلفاء ص ۴۷۱) اس کا بڑا حصہ غالباً لوگوں کے غصب شدہ مال کی واپسی میں صرف ہوا ہو گا۔

ایک دن ظاہر خزانہ میں گیا' اس کے عہدہ داروں نے عرض کیا کہ آپ کے اسلاف کے زمانہ میں خزانہ بھرا ہوا تھا۔ظاہر نے کہا خزانہ بھرنے کے لیے نہیں بلکہ خالی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے' جمع کرنا تو تاجروں کا شیوہ ہے۔اپنی وفات سے چند دن پیشتر حکومت کے عمال اور عہدداروں کی تنبیہ واصلاح کے لیے یہ فرمان جاری کیا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' میں نے تم لوگوں کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اور تمہارے افعال سے جو چشم پوشی کرتا ہوں۔اس کا سبب غفلت اور لاپرواہی نہیں ہے' بلکہ عمداً اس لیے ہوتا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔تمہاری تمام گزشتہ بداعمالیاں ملک کی بربادی' رعایا کی خانماں خرابی' شریعت کی اہانت' مکروفریب سے حق کی خفی شکل میں کھلے ہوئے باطل کا اظہار' ذاتی اغراض کے لیے استیفار'' (استیفا رو استدراک تحصیل محاصل کی ظالمانہ صورتیں تھیں' جو حصول زر کے لیے پیدا کی گئی تھیں۔جس طرح آج ظالم حکومتیں مختلف خوبصورت ناموں سے ناجائز طریقہ سے روپیہ وصول کرتی ہیں)

استدراک کے خوشنما الفاظ سے استیصال اور احتیاج کی تعبیر وغیرہ' جس کے تم ایک شیر غرا کے سامنے موقع پا کر مرتکب ہوئے ہو' معاف کی جاتی ہیں۔تم اس شیر کے امین اور معتمد ہو۔اس کے باوجود اس کی رائے کو اپنی خواہشوں کے مطابق اور اپنے باطل کو اس کے حق کے ساتھ خلط ملط کرنا چاہتے ہو۔وہ تم کو دیتا ہے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو۔وہ تمہاری موافقت کرتا ہے اور تم اس کی مخالفت پر کمربستہ

ہو۔اب اللہ نے تمہارے خوف و ہراس کو امن اور تمہارے فقر و احتیاج کو دولت و تونگری اور تمہارے باطل کو حق سے بدل دیا ہے اور تم کو ایک ایسا حکمران عطا کیا جو لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور صرف اسی سے مواخذہ کرتا ہے اور اسی سے انتقام لیتا ہے جو اپنی غلطیوں پر مصر و قائم رہتا ہے۔وہ تم کو عدل کا حکم دیتا ہے اور تم سے انصاف چاہتا ہے۔تم کو ظلم سے روکتا ہے اور اس کو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے۔وہ خود اللہ سے ڈرتا ہے اور تم کو بزور اس سے ڈرانا چاہتا ہے اور اللہ تعالی کی ذات سے اچھی امید رکھتا ہے اور تم کو اس کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے۔پس اگر تم خلفاء اللہ فی الارض کے اور اس کی مخلوق کے امینوں کے طریقے پر چلو گے تو فبہا' ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

اس فرمان کے ساتھ زبانی پیام کو بھیجا کہ اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ صرف زبان سے یہ کہنے پر اکتفا کریں کہ ''فرمان شرف صدور لایا'' اور اس کا کوئی اثر اور نتیجہ ان کے عمل میں ظاہر نہ ہو۔تم لوگوں کے لیے زبانی باتیں بنانے والے امام سے زیادہ باعمل امام کی ضرورت ہے۔(ابن اثیر ج ۱۲'ص ۱۷۶'۱۷۷)

ابو جعفر منصور الملقب بہ مستنصر باللہ

(۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء)

ظاہر کی وفات کے بعد رجب ۶۲۳ھ میں اس کا لڑکا ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا اور مستنصر باللہ لقب اختیار کیا۔یہ ایک ترکی لونڈی کے بطن سے تھا۔تخت نشینی کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستنصر اپنے محاسن اور کارناموں کے لحاظ سے ظاہر کا خلف الصدق تھا۔ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نیکی اور احسان و سلوک میں اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا۔تخت نشینی کے ساتھ اس نے اعلان عام کر دیا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف برتا جائے گا۔ہر حاجت مند کی حاجت پوری اور ہر مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔تخت نشینی کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہا۔اس لیے عباسی خلافت کو مختلف حیثیتوں

سے ترقی دینے کا اس کو پورا موقع ملا۔ اس کے نام کا خطبہ مشرق سے لے کر اندلس اور مغرب کے بعض علاقوں تک پڑھا جاتا تھا۔ آخری دور میں اس کا زمانہ خلافت عباسیہ کا دور زریں تھا۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۶، ۱۷)

بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ: اس کے دور میں دنیائے اسلام میں دو خاص واقعے رونما ہوئے۔ ایک بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ ہو گیا۔ دوسرے مشرق پر تاتاریوں کی دوسری یورش ہوئی، جس نے سارے مشرق کو ویران کر ڈالا اور اسی یورش میں خوارزمی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

بیت المقدس کا اصل محافظ ایوبی خاندان تھا۔ صلاح الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس سے ایوبی بیت المقدس کی حفاظت سے قاصر ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صلاح الدین کی وفات کے وقت اس کا جو لڑکا جہاں تھا۔ وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کر لی، چنانچہ عزیز نے مصر میں، افضل نے دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں اور ایک متحدہ حکومت کے بجائے تین حکومتیں قائم ہو گئیں اور ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے ۵۹۶ھ میں مصر و دمشق پر حملہ کر کے اس منتشر شیرازہ کو پھر سے مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ رچرڈ اور صلاح الدین کی صلح کے بعد صرف چند برسوں کے لیے صلیبی لڑائیاں بند ہو گئی تھیں۔ عادل کے زمانہ میں پھر اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس نے صلیبیوں کے مقابلے میں صلاح الدین کی پوری جانشینی کی اور شام میں ان کی قوت نہ بڑھنے پائی۔

۶۱۵ھ میں عادل کا انتقال ہو گیا۔ اس کے پانچ لڑکے تھے۔ عادل نے اپنی زندگی میں ان پانچوں میں سلطنت تقسیم کر دی تھی۔ مصر کی مرکزی حکومت میں بڑے لڑکے الملک الکامل کو جانشین بنایا تھا۔ دمشق، قدس، طبریہ، اردن اور کرک کا علاقہ معظم

عیسیٰ کو دیا۔ خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو دیا۔ شہاب الدین غازی کو اور حبیر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔ باپ کی وفات کے بعد چند سال تک پانچوں بڑے اتفاق و اتحاد سے رہے۔ سب کامل کو بزرگ خاندان اور اپنا مربی اور سرپرست مانتے تھے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔ (ابن اثیر ج ۱۲، ص ۱۳۴، ۱۳۵) لیکن یہ اتحاد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور معظم فرمانروائے دمشق قدس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف شروع ہو گیا۔ کامل نے اس کو رفع کرنے کی کوشش کی، لیکن معظم کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ (ابن خلدون نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے، ملاحظہ ہو جلد ۵، ص ۳۵۰) یہ وہ زمانہ تھا جب فریڈرک دوم بادشاہ جرمنی اور آسٹریا اور سسلی کے زیر قیادت چھٹی جنگ صلیبی شروع ہو چکی تھی اور فلسطین کے ساحلی علاقہ پر فرنگیوں کا ہجوم تھا، لیکن معظم نے اندرونی فتنہ انگیزی کے باوجود فرنگیوں کا پورا مقابلہ کیا اور جب تک زندہ رہا ان کو ان کے قدیم مقبوضات سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ۶۲۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا صغیر السن لڑکا داؤد تخت نشین ہوا۔ کامل نے جنگی ضرورت کے لیے اس سے شوبک کا قلعہ مانگا۔ اس مطالبہ پر داؤد نے اس کا خطبہ بند کر کے علم بغاوت بلند کر دیا۔ کامل نے فوج کشی کر کے نابلس اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ داؤد نے اپنے دوسرے چچا اشرف کو مدد کے لیے بلا بھیجا۔ وہ آیا، لیکن کامل نے دمشق پر قبضہ کر کے اس کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر کے اس کو اپنے ساتھ ملایا۔ (ابن خلدون جلد ۵، ص ۳۵۱) فلسطین کے ساحل پر صلیبیوں کی یورش برابر قائم تھی اور انہوں نے ایک دو مقاموں پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔

فریڈرک کی پرورش سسلی کی اسلامی فضا میں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں سے بہت مانوس تھا۔ (ابوالفدا، ج ۳، ص ۱۴۱) اور سسلی کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ) اور وہ ایک مرتبہ جنگ صلیبی سے واپس چلا گیا تھا۔ اس جرم میں پوپ

گریگوری نے اس کو مسیحیت سے خارج کر دیا تھا۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ وتاریخ عرب صلیبیہ ص ۲۴۱) اس کو جنگ صلیبی کے دوسرے قائدوں کی طرح مسلمانوں سے عناد نہ تھا۔ وہ صرف بیت المقدس پر قبضہ یا کم از کم اس میں عیسائیوں کے کچھ حقوق چاہتا تھا' چنانچہ اس نے جنگ وخونریزی کے بجائے صلح وآشتی کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس بارہ میں کامل سے خط وکتابت کی۔ اس کے دماغ پر اس وقت دمشق پر قبضہ کرنے کا خیال مسلط تھا کہ اس نے ربیع الثانی ۶۲۶ھ میں حسب ذیل شرائط پر بیت المقدس اس کے حوالہ کر دیا۔

۱۔ فرنگی بیت المقدس کی شہر پناہ' جس کو ایوبی سلاطین نے مسمار کر دیا تھا' دوبارہ نہ تعمیر کریں گے۔

۲۔ قبتہ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔

۳۔ بیت المقدس اور ساحل سے اس کے راستہ چند مقامات کے علاوہ باقی پورا علاقہ خلیل' نابلس' طبریہ اور سارے مواضعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے۔

(ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۸۷' و ابو الفدا ج ۴' ص ۱۴۱)

یہ عربی مؤرخین کا بیان ہے۔ انگریزی مؤرخین لکھتے ہیں کہ درحقیقت وہ قابض نہیں ہوا' بلکہ صرف فلسطین میں مسیحی زائروں کے داخلہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۲) مصنف خطط الشام کا بیان ہے کہ کامل نے صرف دس سال کے لیے عارضی قبضہ دیا تھا۔ (خطط الشام کرد علی ج ۲' ص ۹۲) بہرحال دنیائے اسلام اس عارضی قبضہ سے بہت متاثر ہوئی اور مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناپسندیدگی ظاہر کی۔

تاتاریوں کی دوسری یورش اور خوارزمی حکومت کا خاتمہ: گرجستان پر قبضہ تک جلال الدین کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ آذربائیجان اور خلاط کی فوج کشی میں مشغول ہو گیا تھا اور اس کے اور ملک

الاشرف ایوب فرمانروائے خلاط کے درمیان بڑی خونریزیاں ہوئیں۔ ۶۲۶ھ خلاط پر قبضہ کر کے بڑی وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اور تاتاریوں کی طرح خلاط کو بالکل ویران کر ڈالا' لیکن پھر ایک ہی سال بعد ۶۲۷ھ میں علاؤ الدین کے قباد بن کیخسرو سلجوقی فرمانروائے ایشیاء کوچک کی مدد سے جلال الدین کو شکست دے کر خلاط واپس لے لیا۔ اس شکست سے جلال الدین کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا اور اسے مجبور ہو کر اشرف اور علاؤ الدین سے صلح کرنی پڑی۔ (ابو الفدا ج ۴' ص ۱۴۶)

۶۲۴ھ میں چنگیز خان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد تاتاریوں کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا۔ ہندوستان سے جلال الدین کی واپسی کے بعد اس کی قوت پھر بڑھ گئی تھی اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس نے عراق' فارس' گرجستان' آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لیے اکتائی نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی اور امیر جرماغون کو اسی (۸۰) ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جلال الدین کی بدقسمتی سے جرماغون اس وقت آذربائیجان پہنچا۔ جب اشرف سے جلال الدین کی شکست کے بعد اس کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور اس میں تنہا تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ اشرف اور دوسرے فرمانرواؤں سے مدد لینے کے لیے خلاط چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۹۴) جوینی کا بیان ہے کہ اس نے خلافت بغداد اور شام اور روم کے تمام مسلمان فرمانرواؤں کے پاس مدد کے لیے قاصد بھیجے لیکن سب سے اس کے تعلقات خراب تھے' اس لیے کسی نے مدد نہ کی۔ (جوینی ج ۲' ص ۱۸۳) ابھی جلال الدین خلاط ہی میں تھا کہ تاتاری پہنچ گئے۔ جلال الدین یہاں سے دیار بکر روانہ ہو گیا۔ آمد میں منزل کی تھی کہ تاتاری بھی تعاقب کرتے ہوئے سر پر پہنچ گئے اور جلال الدین کی قیام گاہ پر حملہ کر دیا۔ وہ اس وقت نشہ میں مدہوش تھا۔ امیر اورخان نے ہوشیار کر کے گھوڑے پر بٹھا کر نکل جانا چاہا۔ جلال الدین نے اس سے کہا کہ تم ان کو جنگ میں الجھائے رکھو تا کہ میں نکل جاؤں۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور جلال الدین موقع پا کر

باسورہ آمد پر چلا گیا' لیکن آمد میں داخل نہ ہو سکا اور مجبور ہو کر میافارقین کے ایک گاؤں میں پناہ لی۔ یہاں آنے کے ساتھ تاتاریوں کا ایک دستہ پہنچ گیا۔ اس لیے یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور کوہستانی علاقہ کی جانب نکل گیا۔ یہاں جرائم پیشہ کردوں نے پکڑ لیا اور اس کا قیمتی لباس چھین کر قتل کر دینا چاہا۔ جلال الدین نے اس سے کہا کہ میں سلطان ہوں' مجھ کو قتل نہ کرو' میں تم کو بادشاہ بنا دوں گا۔ یہ سن کر کردی اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنا کچھ سامان لینے کے لیے کوہستان چلا گیا۔ ایک دوسرے کرد کو جس کا بھائی جلال الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا' پتہ چل گیا' وہ پہنچا۔ کرد کی بیوی سے کہا' اس خوارزمی کو تم لوگوں نے قتل کیوں نہیں کیا؟ اس نے جواب دیا' میرا شوہر اسے امان دے چکا ہے۔ کرد بولا' یہ سلطان ہے اور میرے بھائی کو خلاط میں قتل کر چکا ہے اور نیزہ مار کر جلال الدین کا کام تمام کر دیا۔ (جوینی نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے اور مذکور بالا بیان اور اس کے بیان میں خفیف سا فرق ہے۔ ہم نے ابوالفداء کا بیان نقل کیا ہے' جو خاص الدین کے مشیر منشی جلال الدین محمد نسوی کی کتاب سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا بیان معتبر نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو ابوالفداء ج ۳' ص ۱۵۰' ۱۵۱) یہ واقعہ وسط شوال ۶۲۶ھ میں پیش آیا۔ جلال الدین کے قتل کے بعد خوارزمی حکومت ختم ہو گئی۔ اس دوسری یورش میں تاتاریوں نے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا اور دیار بکر' جزیرہ اور خلاط وغیرہ کو فتح کر کے ماوراء النہر کی طرح بالکل ویران کر ڈالا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی دہشت چھا گئی تھی کہ تنہا ایک تاتاری پورے ایک گاؤں اور بڑے بڑے مجمعوں میں گھس جاتا اور سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالتا اور کسی کو اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۲' ص ۱۹۴' ۱۹۵)

تاتاری اور خلافت بغداد : مستنصر کے زمانے میں تاتاریوں نے سلطنت عباسیہ کے آس پاس کے سارے ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ابن خلدون ج ۳' ص ۶۳۶) اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے تھے' لیکن اس کے حدود میں قدم نہیں رکھا۔ سیوطی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی علاقہ کی طرف بھی قدم بڑھایا

تھا' لیکن مستنصر کی فوجوں نے پسپا کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳) لیکن یہ روایت تمام مورخین کے متفقہ بیانات کے خلاف ہے۔ البتہ ان کی یورش کا خطرہ ضرور پیدا ہو گیا' چنانچہ مستنصر نے مدافعت کا پورا انتظام کرلیا تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے اتنی بڑی فوج تیار کی تھی کہ اس کے پیشروؤں میں سے کسی کے زمانہ میں نہ تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳)

وفات مستنصر: جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں مستنصر کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت کل چالیس اکتالیس سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت سترہ سال۔

اخلاق و اوصاف: مستنصر اپنے اوصاف حمیدہ اور کارناموں کے اعتبار سے ظاہر کا صحیح جانشین تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ مستنصر بہادر' فیاض و سیر چشم تھا۔ اس کے انعام و عطایا اور جود و کرم کی شہرت ثبوت سے مستغنی اور حد شمار سے باہر ہے۔ عباسی خلفاء میں فیاضی میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں بڑے بڑے کام کیے اور اپنی بڑی یادگاریں چھوڑ گیا۔ ان میں سب سے بڑی یادگار مدرسہ مستنصریہ تھا۔ جس کے وصف سے بیان قاصر ہے۔ اس کے علاوہ سرائے حربی' اس کا پل سرائے نہر سالیس سرائے خرنبی اور بکثرت مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے۔ وہ کہا کرتا تھا' میری نگاہ میں سونا اور مٹی دونوں برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون﴾ اس لیے مجھ کو خطرہ ہے کہ میں نے جو کچھ صرف کیا ہے اس کا مجھے کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اس کا عہد سرور و شادمانی کا زمانہ تھا۔ (مراد عباسی خلیفہ) میں امن و سکون اور عمال خیر کا دور دورہ تھا اور ملک شاد و آباد تھا۔ (الفخری ص ۲۹۵)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت بڑے شکوہ و تجمل کی تھی۔ خدم و حشم کی کثرت تھی۔ وہ بڑا عادل دیندار اور سرکشوں کا دشمن تھا۔ اس نے خلافت کی ذمہ داریوں کو بڑی

خوبی سے سنبھالا۔ بکثرت مسجدیں اور مدرسے بنوائے۔ روپیہ بے دریغ صرف کیا۔ سارے سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے۔ اس کا دادا ناصر اس کی عقل و فرزانگی اور حق پرستی کی وجہ سے اس کو قاضی کہا کرتا تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا۔ جس کی نظر دنیائے اسلام میں نہ تھی۔ تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا۔ جس کی سوار فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اندلس اور شمالی افریقہ کے بعض علاقوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ (دول الاسلام ج ۲، ص ۱۱۱) سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تخت نشینی کے بعد رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ علماء و اہل دین کو مقرب بنایا۔ مسجدیں، خانقاہیں مدرسے اور شفاخانے قائم کیے۔ دین کا آوازہ بلند کیا۔ سرکشوں کا قلع قمع کیا۔ سیرت نبوی کی اشاعت کی، فتنوں کا انسداد کیا، لوگوں کو صحیح راستہ پر لگایا، جہاد کا پورا فرض انجام دیا۔ اسلام کی مدد اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں جمع کیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۲) اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ ہے۔ اس کے قیام سے پہلے بغداد کا سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ تھا، لیکن وہ نظام الملک طوسی کی یادگار تھا۔ خاص عباسی خلفاء کی کوئی تعلیمی یادگار نہ تھی۔ مستنصر نے اس کمی کو پورا کیا اور ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا، جس کے سامنے نظامیہ ماند پڑ گیا۔

مدرسہ مستنصریہ: ذہبی کا بیان ہے کہ ۶۲۵ھ میں دجلہ کے ساحل پر اس مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ سات برس میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۶۳۲ھ میں بڑی شان و شوکت سے اس کے افتتاح کی تقریب عمل میں آئی۔ قضاۃ علماء و مدرسین اور ارکان دولت و عمائد سلطنت اس تقریب میں شریک تھے۔ مدرسے سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں ۶۰ بار شتر نفیس اور منتخب کتابیں تھیں۔ مدرسہ میں چاروں مذاہب کے ۲۴۸ طلبہ داخل ہوئے اور چار بڑے استاد شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الطب اور شیخ الفرائض مقرر کیے گئے۔ (چھوٹے مدرسین کی تعداد ان کے علاوہ تھی) طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانے کے علاوہ مٹھائیاں اور میوے بھی ملتے تھے۔ مدرسہ کے مصارف

کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف کی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۳) ابن واصل کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی مدرسہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ کا وقف اتنا بڑا تھا۔ اس میں چاروں مذاہب کے طلبہ تھے۔ مدرسہ سے متعلق ایک شفاخانہ، مطبخ اور ٹھنڈے پانی کے لیے ایک آب دار خانہ تھا۔ طلبہ کو چٹائیاں، فرش، تیل کاغذ، قلم دوات مفت اور کھانے کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۵)

مستنصر شعروشاعری میں بھی ذوق رکھتا تھا۔ شعراء کا قدردان تھا۔ ایک مرتبہ ایک شاعر وجیہہ قیروانی نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس کا ایک شعر یہ تھا۔

﴿لو کنت یوم السقیف حاضرا کنت المقدم و الامام الاورعا﴾

''اگر آپ سقیفہ کے دن موجود ہوتے تو آپ ہی امام منتخب کیے جاتے''

مستنصر نے اس شعر کو بہت پسند کیا۔ دربار میں ایک حق گو اور حق پرست بھی موجود تھا۔ اس نے شاعر کو ٹوکا کہ تم نے غلط کہا۔ امیر المومنین کے جد امجد (حضرت عباس بن عبدالمطلب) اس زمانہ میں موجود تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کو کسی نے امام نہیں بنایا۔ یہ سچا جواب مستنصر نے بھی پسند کیا اور ٹوکنے والے کو خلعت عطا کیا اور وجیہ کو شہر بدر کرا دیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۵)

ابواحمد عبداللہ بن مستنصر الملقب بہ مستعصم باللہ

(۶۴۰ھ تا ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۴۱ تا ۱۲۵۷ء)

مستنصر کے بعد اہلیت وقابلیت کے اعتبار سے اس کا بھائی خفاجی سب سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا، لیکن امیر دیوار اور امیر شرابی وغیرہ ارکین دولت نے اپنے ذاتی مفاد ومصالح کے اعتبار سے مستنصر کے لڑکے ابواحمد عبداللہ کو خلیفہ بنا دیا اور وہ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا۔ یہ ایک لونڈی ہاجرہ کے بطن سے تھا۔ مستعصم میں ذاتی خوبیاں بہت تھیں۔ نیک فطرت نرم خو شیریں زبان پاکباز وخوش

اخلاق تھا۔ سخت گیری مطلق نہ تھی، لیکن جہانبانی کے اوصاف سے تہی دامن تھا۔ طبیعت کا کمزور، رائے کا کچا، امور مملکت سے ناواقف اور بے رعب تھا۔ اس کا سارا وقت گانے بجائے اور ہنسی مذاق وغیرہ تفریحی مشاغل وغیرہ میں گزرتا تھا۔ علم دین اور مطالعہ کا ذوق کم رکھتا تھا۔ اس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے۔ البتہ اس کا وزیر مؤید الدین محمد بن علقمی بڑا عاقل و فرزانہ تھا، لیکن اس کی طینت خراب تھی۔ بڑا بے فیض و ناقابل اعتبار تھا۔ اس کا کام صرف عمال کی معزولی اور ان کو گرفتاری تھی۔ (الفخری ص ۲۹۷) مستعصم کی نااہلی کی وجہ سے ارکین سلطنت خصوصاً ابن علقمی اس پر بہت حاوی ہو گیا تھا۔ (ابوالفداء ج ۳، ص ۱۷۱) جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مصر کی ایوبی حکومت کا خاتمہ اور ممالیک کی حکومت کا قیام

مصر کی ایوبیہ حکومت گو عباسیہ خاتمے کے دو تین سال بعد ختم ہو گئی، لیکن عملاً اس کا خاتمہ عباسیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔ آئندہ مصر کے عباسی خلفاء کے حالات میں ضمناً اس کا ذکر آئے گا۔ اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الملک العادل کے بعد اس کے لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ دو پشتیں اس میں گزر گئیں۔ الملک العادل کے بعد اس کا لڑکا الملک الکامل اور اس کے بعد اس کا لڑکا عادل بن کامل، کامل کے بعد اس کا بھائی الملک الصالح تخت نشین ہوا۔ یہ بڑے دبدبہ و شکوہ کا فرمانروا تھا۔ معتصم عباسی کی طرح اسے ترکی غلاموں کا بہت شوق تھا، چنانچہ اس نے اس کی بڑی تعداد جمع کی اور انہیں آگے بڑھایا۔ اس کی فوج کے اکثر افسر ترک تھے۔ اس کی ڈیوڑھی پر بھی ترک دستہ متعین رہتا تھا۔ یہ ترک بحریہ کہلاتے تھے، چنانچہ اس کے زمانہ میں بحریہ کا بڑا غلبہ ہو گیا۔ (ابوالفداء ج ۳، ص ۱۷۹)

۶۴۷ھ میں الملک الصالح کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ایک ہی لڑکا تورانشاہ

الملقب بہ الملک المعظم تھا۔ باپ کی وفات کے وقت وہ دارالسلطنت سے دور حصین کیفا (شام) میں تھا۔ اس لیے صالح کی وفات کے بعد بدنظمی کا خطرہ تھا۔ صالح کی سوتیلی ماں شجرۃ الدر بڑی عاقلہ تھی۔ اس نے شوہر کی موت کو مخفی رکھا اور امراء سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ تورانشاہ کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے بعد الملک الصالح کی موت کا اعلان کر دیا۔ (ابوالفداء ج ۳، ص ۱۸۰) اور تورانشاۃ کے مصر پہنچنے تک حکومت کے فرائض خود انجام دیتی رہی۔ تورانشاۃ نے حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے بعد شجرۃ الدر سے باپ کی دولت کا مطالبہ کیا اور اسے دھمکایا۔ اس نے ممالک بحریہ سے شکایت کی کہ تورانشاۃ میری خیرخواہی کا یہ صلہ دے رہا ہے۔ اس سے ان کو ناگواری پیدا ہوئی۔ (خطط مقریزی ج ۳، ص ۳۸۵) تورانشاۃ نے بحریہ کی بھی تحقیر و تذلیل کی اور ان کے مقابلہ میں ان امراء کو جو شام سے اس کے ساتھ آئے تھے، بڑھانا شروع کیا۔ اس لیے وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور موقع پا کر محرم ۶۴۸ھ میں تورانشاۃ کو قتل کر دیا۔ اس کی مدت حکومت کل چھ مہینے تھی۔ (ایضاً خطط مقریزی ج ۳، ص ۳۸۵، وابوالفداء ج ۳، ص ۱۸۱)

تورانشاۃ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے بحری امراء نے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا اور اپنے ایک سردار امیر معز الدین ایبک جاشنگیر ترکمانی کو سپہ سالار افواج مقرر کیا، لیکن شام کے ایوبی امراء نے شجرۃ الدر کی حکومت تسلیم نہیں کی اور اپنے یہاں انہوں نے ایوبی خاندان کے ایک رکن ملک الناصر صلاح الدین یوسف والی حلب کو اپنا بادشاہ بنالیا اور اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا، قبضہ کر لیا۔ اس سے مصری فوج بھی مذبذب ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر شجرۃ الدر نے امیر معز الدین سے شادی کر لی اور اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئی اور وہ مصر کا مستقل بادشاہ ہو گیا۔ (خطط مقریزی ج ۳، ص ۳۸۵) بحری امراء میں لوگ امیر معز الدین کے حریف تھے۔ ان کو ان کی بادشاہت گوارا نہ ہوئی، چنانچہ انہوں نے موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک

الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر تخت نشین کیا اور امیر معز الدین کو کارپرداز سلطنت بنایا' لیکن اشرف محض نام کا حکمران تھا۔ اختیارات تمام تر معز الدین کے ہاتھوں میں تھے۔ اشرف باختلاف روایت دو یا چار سال تک حکمران رہا اور ۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ معز الدین نے اس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمران بن گیا اور مصر سے ایوبی حکومت ختم ہو گئی۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۶' ابوالفداء ج ۳ ص ۱۸۳' ۱۹۰ ملخصاً) لیکن معز الدین کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ مصر کی فرمانروائی ملنے کے بعد اس نے بدرالدین لولو والی موصل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ شجرۃ الدر کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے ربیع الاول ۶۵۵ھ میں ترکی امراء کو ملا کر معز الدین کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نورالدین علی الملقب بہ ملک المنصور تخت نشین ہوا۔ (ایضاً ص ۱۹۲) نورالدین کے بعد سیف الدین قطز اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بندقداری تخت نشین ہوا۔ اسی کے زمانے میں مصر میں عباسی خلافت قائم ہوئی' جس کا حال آخر میں آئے گا۔

تاتاری: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز کے بعد قراقرم کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا۔ اکتائی کے بعد ۶۴۳ھ میں اس کا لڑکا کیوک خان تخت پر بیٹھا۔ کیوک کے بعد ۶۴۸ھ میں اس کا چچا زاد بھائی منکوقاآن اس کا جانشین ہوا۔ اس کا ایک بھائی برکہ شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہو گیا۔ شیخ نے اس کو خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی۔ اس نے مستعصم کو خط لکھ کر تحریری بیعت کی اور اس کے ساتھ اس کے عقیدت مندانہ تعلقات قائم ہو گئے اور جب تک برکہ زندہ رہا تاتاریوں نے خلافت بغداد کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ منکوقاآن کے زمانہ میں عراق عجم میں اسماعیلیوں نے بڑا ظلم و فساد مچایا۔ اس وقت یہ علاقہ تاتاریوں کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ اس لیے یہاں کے باشندوں نے جن میں ایک ممتاز مسلمان قاضی شمس الدین قزوینی تھے۔ منکوقاآن سے اس کی فریاد کی۔ اس

نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایران کا حاکم بنا کر اسماعیلیوں کے استیصال پر مامور کیا۔اس نے ان کے قلعے فتح اور ان کے بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر کے منکوقاآن کے پاس بھجوا دیا اور وہ راستہ میں قتل کر دیا گیا۔(تاریخ گزیدہ ج ا'ص ۵۷۹'۵۸۰'وابن خلدون ج ۵'ص ۵۲۹)

بغداد پر ہلاکو خان کا حملہ اور عباسی خلافت کا خاتمہ:

مستعصم کی نا اہلی اور اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت اس زمانہ میں بہت ابتر ہو رہی تھی۔شیعہ'سنیوں اور سنیوں کے مختلف فرقوں کے اختلاف و جنگ و جدال اور شہر کے فتنہ پرور بدمعاشوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا۔عباسی حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی کہ اس کے مصارف پورے ہونا مشکل ہو گئے۔مستعصم نے ابن علقمی کے مشورہ سے فوج کا ایک حصہ برخواست کر دیا اور باقی فوج اور دوسرے عمال حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں' اہل حرفہ اور کاشتکاروں پر پھیلا دیئے گئے۔اس سے شورش اور بڑھ گئی۔دوسری طرف شیعہ سنیوں کے اختلافات میں شیعوں نے ابن علقمی کے بل پر سنیوں پر زیادتی شروع کر دی۔گو ابن علقمی مستعصم پر حاوی تھا' لیکن مستعصم کو شیعوں کی زیادتی ناگوار گزری۔اس نے اپنے لڑکے ابوبکر اور امیر نورالدین کو بھیج کر کرخ کا محلّہ جس میں شیعہ آباد تھے' لٹوا دیا۔ (ابن خلدون ج ۳'ص ۵۳۷) ابن علقمی پہلے سے خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا۔اس واقعہ کے بعد اس نے عباسی خلاف کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔(دول الاسلام ذہبی ج ۲'ص ۱۱۹) اور عباسی فوج کے باقی حصہ کو بھی مستعصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کر دیا کہ اس سے جو روپیہ بچے گا' وہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں کام آئے گا۔(ابن خلدون ج ۳'ص ۵۳۷) فوج برخاست کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی۔ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلاباوالی

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

زور کا دوسرا حملہ کیا کہ عباسی فوجیں اس کی تاب نہ لاسکیں اور شکست کھا کر بغداد کی جانب پسپا ہوگئیں۔ اتفاق سے عین اس وقت دجلہ کا ایک بند ٹوٹ گیا تھا۔ اس سے راستہ میں پانی حائل ہوگیا اور تاتاریوں نے تعاقب کر کے پوری فوج تہ تیغ کر دی۔ امیر دیودار قتل ہوا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے اور تاتاریوں نے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کرلیا۔ اب اہل بغداد میں کوئی سکت باقی نہ تھی، لیکن ابھی ابن علقمی کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماء و فقہاء و مدرسین و اکابر و اعیان کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ہلاکو مستعصم کو منصب خلافت پر برقرار رکھے گا اور اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے ابوبکر کے ساتھ کر دے گا اور یہ سب ایک ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کیا اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا۔ (ابن خلدون ج ۳، ص ۵۳۷، وابوالفدا، ج ۳، ص ۱۹۴) اور ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسر نہ ہوا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔

اس کے بعد وحشی تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دنوں تک قتل عام کرتے رہے۔ عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا، لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد لوٹتے رہے۔ بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں عروس البلاد تھا۔ دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہ کرسکتا تھا۔ اس گئی گزری حالت میں بھی جب کہ وہ مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا۔ دنیائے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا۔ مشہور سیاح ابن جبیر نے مستعصم سے ایک ہی پشت پہلے چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کا سفر کیا تھا۔ اپنے سفرنامہ میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ اس کا یہ بیان دور عروج کے بغداد کا گویا مرثیہ ہے۔ تاہم اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔ وحشی تاتاریوں نے

اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ صرف شاہی محلات سے انہوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا' اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ عباسی کتب خانہ کی تمام کتابوں کو جو صدیوں کا سرمایہ تھیں' دجلہ میں ڈبو دیا۔ مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔ (ابن خلدون ج ۳' ص ۵۳۷) ابن طقطقی کا بیان ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا اجمالی حال سننا بھی بڑی بات ہے۔ تفصیل سننے کی تاب کس کو ہوگی۔ اس شہر پر جو کچھ گزری وہ گزر گئی۔ اس کا حال قلم انداز کیا جاتا ہے' صرف اس کا قیاس کر لو' اس کا حال نہ پوچھو۔ (الفخری ص ۳۰) بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیر نگیں ہو گیا اور پانچ صدیوں کے بعد ۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی تھی اور محرم ۶۵۶ھ میں مستعصم قتل ہوا۔ عباسی خلافت ختم ہو گئی اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس کی نمک حرامی کے صلے میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور چند ہی دنوں کے بعد وہ بھی مر گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۸۳)

خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزی حکومت تھی۔ اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا۔ اس سے ساری دنیائے اسلام میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی۔ شعراء نے بڑے بڑے پر زور مراثی لکھے۔ ان میں تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور و مؤثر ہے۔

﴿لسائل الدمع عن بغداد اخبار﴾
﴿فما وقوفک والاحباب قد ساروا﴾

بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔ سارے احباب تو رخصت ہو گئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔

﴿یا زائرین الی الزوراء لا تفدوا﴾
﴿فما بلاک الحمی والدار دیار﴾

اے زوراء کے زیارت کرنے والو اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا۔

﴿تاج الخلاف والربع الذی شرفت
به المعالم قد اعفاه اقفار﴾

خلافت کے تاجدار اور اس کے مرغزاروں کو جس پر کنگرے بلند تھے۔ویرانی نے بالکل ہٹا دیا۔

﴿اضحیٰ لعطف البلی فی ربعه اثر
ولدموع علی الاثار اثار﴾

اس مرغزار میں پیرانہ سالی کی جھریوں کا نشان ہے اور ان کھنڈروں کے نشانات پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔

﴿یانار قلبی من نار بحرب وغی
شبت علیه ووافی الربع اعصار﴾

اے میرے دل کی آگ جو لڑائی کی آگ سے پیدا ہوئی ہے' وہ ایسی بھڑکی کہ مرغزار پر بادِ سموم چلی گئی۔

﴿علی الصلیب علیٰ اعلیٰ منابرها
وقام بالامر من لحویه زنار﴾

صلیب اس کے منبروں پر چڑھ گئی اور ایک زنار پوش حکمران ہو گیا۔

﴿وکم حریم سبته الترک غاصب
وکان دون ذاک الستر استار﴾

کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو ترکوں نے جبر و ظلم سے قید کرلیا ہے جو پردہ در پردہ رہتی تھیں۔

﴿وکم بدور علی البدری انخسفت
ولم بعد لبدور منه ابدار﴾

اور بدریہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آگئے اور جا کر اس کا کوئی ماہ کامل واپس نہیں آیا۔

﴿وکم ذخائر اصحت وهی شائع
من انهاب وقد حازته کفار﴾

اور کتنے ذخائر لوٹ مار میں بٹ گئے اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔

﴿وکم حدود اقیمت من سیوفهم
علی الرقاب وحطت فیه اوزار﴾

اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیئے گئے۔

﴿نادیت والسبی مهنوک بجرهم﴾
﴿الی السفاح من الاعداء ذعار﴾

میں نے قیدیوں کو پکارا، اس حال میں کہ وہ سفاح کی جانب گھسیٹ کر ذلیل کیے جا رہے تھے اور دشمنوں سے خوفزدہ تھے۔

سعدی شیرازی نے عربی اور فارسی دونوں میں مرثیہ لکھا ہے۔ فارسی کا زیادہ مشہور اور پرسوز ہے:

آسماں راحق بود گر خون ببارد برزمین
برزوال مل مستعصم امیرالمومنین
اے محمد گر قیامت سربرواں آری ز خاک
سربروں آرد قیامت درمیان خلق بیں
نازنینان حرم را موج خون بے دریغ
زآستاں بگذشت ومارا خون دل درآستیں
زینہار از دورگیتی و انقلاب روزگار
درخیال کس نگشتے کانچناں گردو چنیں
دیدہ رابرادرا یکہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر برخاک و خاقان برزمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ
ہم برآں جائیکہ سلطاناں نہاوندے جبیں
بعد ازیں آسائش از دنیا نیاید چشم داشت
قیرور انگشتری ماند چو برخیز و نگیں
دجلہ خوں تاب است ازیں پس گرنہد سر بر زمین
خاک نخلستان بطحا راکند باخون عجیں
نوحہ لائق نیست برخاک شہیداں زانکہ ہست

کمتریں دولت مرایشاں را بہشت برتریں
لیکن از روئے مسلمانی وراہ مرحمت
مہرباں رادل بسوزد در فریق نازنین
باش تافردا بہ بینی روز داور رستخیز
کز لحد باروئے خوں آلودہ برخیزد زمین
تکیہ بردنیا بناید کرد ودل بروے نہاد
کاسماں گاہے بمہراست اے برادرگہ بکیں
زور باروئے شجاعت برنیاید بااجل
چوں قضا آید نماند قوت رائے رزین
تیغ ہندی برنیاید روز ہیجا از نیام
شیر مردے راکہ باشد مرگ پنہاں درکمیں
تجربت بے فائدہ است آں راکہ برگردید بخت
حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زین
کرگساں اند از پے مردار دنیا جنگ جوے
اے برادر گر خردمندی چو سیمرغاں نشین

IqbalCyberLibrary.Net
all rights reserved

خلافت عباسیہ مصریہ

ابوالقاسم احمد بن ظاہر بامر اللہ الملقب بہ مستنصر باللہ عباسی

(۶۵۹ھ تا ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء تا ۱۲۶۳ء)

بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد مصر میں قائم ہوئی۔ گو یہ خلافت ڈھائی صدیوں سے اوپر قائم رہی، لیکن اس کے خلفاء محض تبرکاً تھے۔ اصل حکومت ممالیک کی تھی، جن کی تاسیس کا حال اوپر گزر چکا ہے اور خلفاء ان کے وظیفہ خوار تھے۔ ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے امور مملکت کا مختار بنا کر خلعت عطا کرتے تھے، لیکن یہ صرف ایک رسمی کارروائی تھی۔ خلفاء کو اتنے اختیارات بھی حاصل نہ تھے۔ جتنے خلفاء بغداد کے دیالمہ اور سلجوقیوں کے زمانے میں تھے۔ اسی لیے ان کی کوئی مستقل تاریخ نہیں ہے۔ ممالیک کے حالات میں ضمناً ان کا ذکر آتا ہے، لیکن مصری خلافت بھی عباسی خلافت کی شاخ تھی۔ اس لیے ان کا مختصر حال لکھ دینا ضروری ہے۔ اس خلافت کے قیام کی تاریخ یہ ہے کہ خلافت بغداد کے خاتمہ کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا ایک لڑکا ابوالقاسم احمد الملقب بہ مستنصر باللہ تاتاریوں کی قید سے چھوٹ کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ہمراہ ۶۵۹ھ میں مصر آیا۔ اس وقت خاندان مملوک کا چوتھا فرمانروا الملک الظاہر بیبرس بند قنداری برسر حکومت تھا۔

خلافت بغداد کو دنیائے اسلام میں دینی مرکزیت کی حیثیت حاصل تھی۔ سارے مسلمان عباسی خلفاء کو اپنا دینی پیشوا سمجھتے تھے اور ان کو اس خلافت کے خاتمہ کا بڑا غم تھا اور اس کے دوبارہ قیام کی دلی آرزو تھی۔ مملوکی حکومت کو قائم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ جس ملک میں عباسی خلافت کا دوبارہ احیاء ہوتا، مسلمانوں میں اس کا اعزاز بہت بڑھ جاتا۔ ظاہر بیبرس کو گھر بیٹھے یہ دولت مل رہی تھی۔ اس لیے جب ۶۵۹ھ میں مستنصر کو بڑے تزک و احتشام سے قاہرہ لے

گیا۔ سارے ارکان سلطنت وعمائد مصر' علماء وقضاۃ بلکہ یہود ونصاریٰ تک انجیلیں لیے ہوئے جلوس میں شریک تھے۔ (حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۴) اس شان وشوکت سے مستنصر کو لا کر قلعہ الجبل میں ٹھہرایا اور ایک خاص دربار میں قاضی القضاۃ قاضی تاج الدین نے ارکان وعمائد سلطنت اور سرکاری گواہوں کے سامنے مستنصر کے نصب کے بارہ میں ان عربوں کی شہادت لینے کے بعد جن کے ساتھ وہ مصر آیا تھا۔ اس کی صحت کی تصدیق کی اور شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام خود قاضی تاج الدین' سلطان ظاہر پرس اور دوسرے ارکان سلطنت وعمائد مصر نے رجب ۶۵۹ھ میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مصر میں ان کے نام کا خطبہ وسکہ جاری ہوگیا اور دنیائے اسلام میں خلافت کے احیاء کا اعلان عام کر دیا گیا۔ بیعت خلافت کے بعد ملک الظاہر نے مستنصر کے لیے لاکھوں روپے کے صرف سے جملہ لوازم شاہی مہیا کیے اور اس نے ایک دربار عام میں عمائد سلطنت کے سامنے سلطان بیرس کو اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت عمامہ اور طوق زرین پہنایا اور اپنی جانب سے اس کو مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور عالم اسلام کے متعلق خلفت کی ذمہ داریوں کا مختار مجاز بنایا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲' ص ۴۴' وابوالفداء ج ۳' ص ۲۱۳) اور مصر میں عباسی خلافت کا ٹھاٹھ دوبارہ کھڑا ہوگیا' لیکن خلفاء کا اس سے زیادہ کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ہر مملوک بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے حکومت کا مختار بنا دیتے تھے۔ بعض حوصلہ مند خلفاء نے خلافت کا وقار قائم کرنے کی کوشش کی اور ان کو اس میں عارضی کامیابی بھی ہوئی' لیکن زیادہ تر اس کی پاداش میں خلافت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا۔ ظاہر بیرس نے دس لاکھ روپے کے صرف سے فوج مہیا کر دی اور دمشق تک خود اس کی مشایعت میں گیا اور ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا اور موصل سنجار وجزیرہ کے فرمانرواؤں کی مدد سے حدیثہ اوریت پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ

کیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہوگیا۔ مصری فوج نے شکست کھائی اور خود مستنصر ایسا لاپتہ ہوا کہ یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ قتل ہوا یا روپوش ہوگیا اور کل چھ مہینے کے بعد اس کی خلافت ختم ہوگئی۔ (ابوالفدا ۱ص ۲۱۳)

ابوالعباس احمد بن ابوعلی حسن الملقب بہ حاکم بامر اللہ

(۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء تا ۱۳۰۱ء)

عباسی خاندان کا ایک اور رکن ابوالعباس احمد جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں تھا۔ شام چلا آیا تھا اور رحبہ میں مقیم تھا۔ مستنصر کے بعد ظاہر نے اسی شان وشوکت کے ساتھ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس کو قاہرہ لے جا کر خلیفہ بنایا۔ بیعت خلافت کے بعد اس نے بھی معمول کے مطابق ظاہر کو خلعت عطا کر کے امور مملکت کا مختار بنا دیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۴۷، ۴۸، وخطط مقریزی ج ۳، ص ۳۹۳)

حاکم چالیس سال تک زندہ رہا، لیکن اس کا بڑا حصہ نظر بندی میں گزرا۔ اس کے زمانہ میں نو سلاطین مصر کے تخت پر بیٹھے۔ ظاہر بپرس برقداری ۶۵۸ھ تا ۶۷۶ھ، محمد سعید برکہ خان ۶۷۶ھ تا ۶۷۸ھ، سلامش بن بپرس ۶۷۸ھ تا ۶۷۸ھ، سیف الدین قلاون الملقب بہ ملک المنصور ۶۷۸ھ تا ۶۷۹ھ، صلاح الدین خلیل بن قلاؤن الملقب بہ ملک الاشرف ۶۸۹ھ تا ۶۹۳ھ، الملک الظاہر بیدرا ۶۹۳ھ تا ۶۹۴ھ، ناصر بن محمد قلاؤن ۶۹۳ھ تا ۶۹۴ھ، الملک العادل کتبغا ۶۹۴ھ تا ۶۹۶ھ، منصور لاجین ۶۹۶ھ تا ۶۹۸ھ، ناصر محمد قلاؤن دوسری مرتبہ ۶۹۶ھ تا ۷۰۸ھ۔

بپرس نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے لیے خلافت کا ٹھاٹھ کھڑا کیا تھا۔ اس کے خلاف وہ خلیفہ کے کسی اقدام کو پسند نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے حاکم کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال دونوں میں اختلاف شروع ہوگیا اور بپرس نے محرم ۶۶۳ھ میں اس کو نظر بند کر دیا اور وہ سیف الدین قلاؤن کے زمانے تک کامل ۲۷ سال نظر بند

(حسن المحاضرہ ج ۵ ص ۵۲)

مقریزی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک تعلقات میں خوشگواری رہی اور قوص بھیجنے سے پہلے ناصر نے مستکفی کو دو مرتبہ نظر بند کیا اور قوص بھیجنے کے بعد وظیفہ گھٹا کر محض بسر اوقات کے لیے معمولی گزارہ مقرر کیا۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۹۴) قوص ہی میں ۷۴۰ھ میں انتقال ہو گیا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مستکفی فاضل، خطاط، فیاض اور بہادر خلیفہ تھا۔ علماء اور ارباب کمال کا قدردان تھا۔ اس کا دربان ان کا مرجع تھا۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۵۰۳)

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حاکم الملقب بہ واثق باللہ

(۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۰ء)

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنایا تھا، لیکن ناصر کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اس لیے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس نے مستکفی کے نالائق چچیرے بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۵۳) لیکن یہ انتخاب غلط تھا۔ اس لیے ناصر کو خود بعد میں پشیمانی ہوئی۔ واثق کی بیعت کے چند ہی دنوں بعد ناصر کا وقت آخر ہو گیا اور وہ مرتے وقت اپنے لڑکے منصور سے احمد کو خلیفہ بنانے کی وصیت کرتا گیا۔ واثق کی مدت خلافت کل چھ مہینہ تھی۔

ابو العباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ ثانی

(۷۴۱ھ تا ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۷ء)

ناصر کی وفات کے بعد ۷۴۱ھ میں اس کا لڑکا منصور ابو بکر تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ کی وصیت کے مطابق قاضی القضاۃ سے احمد الملقب بہ حاکم کے استحقاق کا فتویٰ لے کر واثق کو معزول کر کے احمد کو خلیفہ بنایا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۵۳) اس کے زمانہ میں سات سلاطین ہوئے۔ منصور ابو بکر ۷۴۱ھ تا ۷۴۲ھ، علاؤ الدین کجک ابن محمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۲ھ، ناصر شہاب الدین احمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۳ھ، ملک الصالح اسماعیل

The image cannot be displayed. Your computer may not have enough memory to open the image, or the image may have been corrupted. Restart your computer, and then open the file again. If the red x still appears, you may have to delete the image and then insert it again.

جانشین ہوا۔اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئیں۔منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ تا ۷۶۴ھ اشرف شعبان ابن حسن ۷۶۴ھ تا ۷۷۸ھ' منصور علی بن شعبان ۷۷۸ھ تا ۷۸۳ھ' صالح حاجی بن شعبان ۷۸۳ھ تا ۷۸۴ھ' ملک الظاہر برقوق ۷۸۴ھ تا ۸۰۱ھ۔متوکل دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا۔اس نے ذاتی اثر و اقتدار قائم اور خلافت کے وقار کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔اس سلسلہ میں اس کو دو مرتبہ معزول ہونا پڑا' لیکن بالآخر کامیاب ہوا اور سلاطین سے خلافت کی حیثیت منوالی۔ اس کی آزادی اور خودسری کو سلاطین اور امرائے مصر پسند نہ کرتے تھے' چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اس کا نائب الحکومت امیر اینبک متوکل کے خلاف ہو گیا اور ۷۷۹ھ میں اس کو معزول کر کے اس کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا گیا' لیکن کسی نے اس کو تسلیم نہ کیا۔اس لیے پندرہ دن کے بعد امرائے مصر نے اینبک سے گفتگو کر کے متوکل کو اس کے منصب پر بحال کرا دیا۔(حسن المحاضرہ جلد۲' ص۶۰)

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہو گیا۔اس کے نائب الحکومت طاہر برقوق چرکسی نے منصور کے صغیر السن لڑکے ملک الصالح کو تخت نشین کیا' لیکن اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔اصل حکمران برقوق تھا' پھر چند ہی دنوں کے بعد اس نے مستقل تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی۔برقوق کی حکومت اکثر امراء کو گوارہ نہ تھی۔انہوں نے متوکل کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔اس نے مصر و شام و عراق کے امراء کو مدد کے لیے خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت حاصل کی ہے اور عدل و انصاف کو بھی پامال کر رہا ہے۔اس لیے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ گوئے چوگان کھیلتے وقت برقوق کو قتل کر دیں۔اس کو اس کی خبر ہو گئی۔اس نے قضاۃ کے سامنے یہ واقعہ پیش کر کے ان سے متوکل کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرنا

چاہا۔انہوں نے انکار کیا۔ان کے انکار پر برقوق نے خود ۷۸۵ھ میں اس کو معزول کر کے قید کر دیا۔(حسن المحاضرہ جلد ۲‘ ص ۶۰)

ابو حفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

(۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۳ء تا ۱۳۸۶ء)

متوکل کو معزول کرنے کے بعد برقوق نے عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا۔یہ چار سال زندہ رہا۔اس کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔۷۸۸ھ میں انتقال کیا۔

زکریا بن معتصم الملقب بہ مستعصم

(۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۶ء تا ۱۳۸۹ء)

واثق کی موت کے بعد برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا۔یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر امراء برقوق کے مخالف تھے اور اس کے خلاف پہلے شورش بپا تھی۔متوکل کی معزولی کا اثر بہت برا پڑا تھا اور اس وقت سے برابر برقوق کی مخالفت جاری تھی۔۷۹۱ھ میں حلب کے نائب الحکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

متوکل علی اللہ دوسری مرتبہ

(۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ مطابق ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۵ء)

برقوق نے جب دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے اس کی حکومت خطرہ میں پڑ گئی‘ تو اس نے ۷۹۱ھ میں اس کو قید سے رہا کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ اس کے منصب پر بحال کیا اور اس کی بڑی دلجوئی کی اور متوکل جب تک زندہ رہا‘ عزت و وقار کے ساتھ اس کی زندگی بسر ہوئی۔وہ عزت و جاہ‘ مال و دولت‘ آل و اولاد ہر حیثیت سے خوش نصیب تھا۔نقد و دولت کے علاوہ اس کے پاس کافی جاگیر تھی۔اولادیں بکثرت تھیں۔۸۰۸ھ میں انتقال کیا۔(حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲‘ ص ۶‘ و مقریزی ج ۳‘ ص ۳۹۵)

ابو الفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

(۸۰۸ھ تا ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۰۵ء تا ۱۴۱۴ء)

متوکل کے بعد اس کا لڑکا ابو الفضل عباس الملقب بہ مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ یہ ظاہر برقوق کے لڑکے ملک الناصر فرج بن برقوق کا زمانہ تھا۔ سات برس تک متوکل کی زندگی سکون کے ساتھ گزری۔ ۸۱۵ھ میں ملک الناصر کے دو شامی امراء شیخ محمودی اور نوروز نے علم بغاوت بلند کیا۔ ناصر کے مقابلے کے لیے شام گیا اور مستعین کو بھی ساتھ لیتا گیا' لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ حاصل کر لیا اور مستعین کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا۔ اسے قبول کرنے میں تامل ہوا' لیکن پھر امراء کے اصرار پر ان سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر راضی ہو گیا اور پہلے شام میں پھر مصر میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی اور وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کا بادشاہ بھی ہو گیا۔ شیخ محمودی کا اصل مقصد مستعین کے ذریعہ ناصر کو معزول کر کے خود اس کی جگہ لینا تھی۔ اس لیے مصر آنے کے بعد ہی اس نے مستعین پر زور ڈالا کہ وہ سلاطین مصر کی طرح اسے بھی اپنی جانب سے سلطان بنا دے۔ وہ اس پر آمادہ نہ تھا۔ شیخ محمودی نے اسے قلعہ کے ایک مکان میں نظر بند کر کے پہرہ بٹھا دیا تا کہ وہ کسی سے نہ ملنے پائے اور قاضی جلال بلقینی سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کر کے ۸۱۶ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا اور خود مصر کا مطلق العنان فرمانروا بن گیا۔ مستعین نے ۸۳۳ھ میں اسکندریہ میں انتقال کیا۔ (حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲' ص ۶۱ اور ۶۳ ملخصاً و مقریزی جلد ۳' ص ۳۹۵)

ابو الفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

(۸۱۶ھ تا ۸۴۵ھ مطابق ۱۴۱۳ء تا ۱۴۴۱ء)

منصب خلافت کو ختم کر دینا محمودی کے مصالح کے خلاف تھا۔ اس لیے مستعین کو معزول کرنے کے بعد اس نے اس کے بھائی ابو الفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ ذہین و طباع' ذی علم اور اصحاب کمال کا قدردان تھا۔ کم و بیش انتیس سال زندہ رہا' لیکن اس پوری مدت میں اس کی خلافت سے متعلق کوئی واقعہ قابل ذکر

نہیں ہے۔اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئے۔شیخ محمودی ۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ، مظفر احمد بن شیخ ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ، ملک الظاہر ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ، صالح محمد بن ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۵ھ، ملک الاشرف برس بائی ۸۲۵ھ تا ۸۴۱ھ، عزیز یوسف بن برس بائی ۸۴۱ھ تا ۸۴۲ھ، ملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ۔۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہوا۔

ابوالربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ ثانی

(۸۴۵ھ تا ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء تا ۱۴۵۵ء)

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابوالربیع الملقب بہ مستعین باللہ تخت نشین ہوا۔وہ دس سال تک زندہ رہا۔بڑا عادل و زاہد متقی اور خاموش خلیفہ تھا۔رات دن عبادت و ریاضت سے کام تھا۔سلطان ظاہر جقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ذوالحجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا۔سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا۔(حسن المحاضرہ جلد ۲، ص ۶۴)

ابوالبقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامر اللہ

(۸۵۴ھ تا ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۰ء تا ۱۴۵۵ء)

معتضد نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ظاہر نے اس کے بھائی حمزہ الملقب بہ قائم بامر اللہ کو اس کا جانشین بنایا۔اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے۔الملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ، منصور عثمان بن جقمق ۸۵۷ھ تا ۸۵۷ھ اور الملک الاشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۸۵ھ۔قائم ہمت و حوصلہ کا خلیفہ تھا۔اس نے کسی حد تک خلافت کا وقار بھی قائم کیا، لیکن اس کا حوصلہ ہی اس کے زوال کا سبب بن گیا۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں فوج نے الملک الاشرف کے خلاف بغاوت کی۔قائم نے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لیے باغیوں کا ساتھ دیا، لیکن اس کی بدقسمتی سے باغیوں کو شکست ہوئی۔اس لیے اشرف اس کے خلاف ہو گیا اور قائم پر برہمی ظاہر کی۔اس نے غصہ میں جواب دیا کہ ''میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں، لیکن تم کو بھی

معزول کرتا ہوں۔ یہ مسئلہ قاضی علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا۔وہ قائم کے بھائی یوسف کوخلیفہ بنانا چاہتے تھے۔انہوں نے قائم کے الفاظ سے یہ قانونی نقطہ پیدا کیا کہ قائم نے پہلے خود دست برداری ظاہر کی ہے' اس کے بعد اشرف کومعزول کیا ہے اور دست برداری کے بعد اس کومعزول کرنے کا حق نہیں رہتا۔اس لیے دست برداری تو صحیح ہے' لیکن اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا۔اس فیصلہ کے مطابق اشرف نے قائم کو ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیا۔یہیں اس نے ۸۸۳ھ میں وفات پائی۔(حسن المحاضرہ جلد۲' ص ۶۴)

ابوالمحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

(۸۵۹ھ تا ۸۸۴ھ مطابق ۱۴۵۵ء تا ۱۴۷۹ء)

قائم کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ کے ہاتھوں بیعت ہوئی۔اس کے زمانہ میں چھ سلاطین ہوئے۔اشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۶۵ھ' احمد بن اینال ۸۶۵ھ تا ۸۶۵ھ' ملک الظاہر خوش قدم ۸۶۵ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر بلباتی ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر تمربغا ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک اشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ۔مستنجد پچیس سال زندہ رہا اور یہ پوری مدت سکون کے ساتھ گزری۔۸۸۴ھ میں انتقال کیا۔(حسن المحاضرہ جلد۲' ص ۶۴)

عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

(۸۸۴ھ تا ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۷۹ء تا ۱۴۹۷ء)

مستنجد اپنے بھتیجے عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ کو ولی عہد بنایا گیا تھا' چنانچہ اس کے بعد وہی اس کا جانشین ہوا۔اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے۔ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ' ناصر محمد بن قائت بائی ۹۰۱ھ تا ۹۰۲ھ' اشرف قانصوہ۔متوکل پسندیدہ خصائل' خوش اطوار اور عوام وخواص سب میں محبوب ومقبول تھا۔علم وفن سے بھی ذوق رکھتا تھا۔امام سیوطی اس کے زمانہ میں تھے۔انہوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اور کتاب رفع الباس عن بنی

العباس اسی کے لیے لکھی گئی تھی۔ مستنجد بڑا غیور و خوددار تھا۔ اس نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی سے ذاتی فائدہ اٹھانا نہ چاہا اور اس کی پوری آمدنی مزار سے متعلق عمارتوں اور اس کی دوسری ضرورتوں میں صرف کرتا تھا۔ صفر ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۴ و تاریخ الخلفا ص ۵۳۱)

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

یعقوب بن عبدالعزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

(۹۰۳ھ تا ۹۲۰ھ مطابق ۱۴۹۷ء تا ۱۵۱۴ء)

متوکل کے بعد اس کا لڑکا یعقوب بہ مستمسک باللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں پانچ سلاطین ہوئے۔ ناصر محمد بن قائت بائی دوسری مرتبہ ظاہر قانصوا شرفی ۹۰۴ھ تا ۹۰۵ھ، ملک الاشرف جان بلاط ۹۰۵ھ تا ۹۰۶ھ، ملک العادل طومان بائی ۹۰۶ھ تا ۹۰۶ھ، ملک قانصورہ غوری ۹۰۶ھ تا ۹۲۲ھ، تخت نشینی کے بعد مستمسک سترہ سال زندہ رہا، لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ ۹۲۰ھ میں انتقال کیا۔

محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ ثالث

(۹۲۰ھ تا ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۴ء تا ۱۵۱۸ء)

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا۔ یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا۔ اس کی خلافت کے چوتھے سال محرم ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے ممالیک کی حکومت ختم کر دی۔ مصر کی خلافت محض برائے نام تھی اور ترکان عثمانی کا رواج شباب پر تھا۔ اس لیے مصر پر سلطان سلیم کے قبضہ کے بعد متوکل اس کے حق میں خلافت سے بھی دستبردار ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کے تبرکات علم تلوار اور ردائے مبارک جو خاندان خلافت میں بطور نشان خلافت کے متوارث چلے آ رہے تھے اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان کے حوالے کر دیں۔ اس دن سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں چلی گئی اور ممالیک مصر کے مصر کی عباسی خلافت بھی ختم ہو گئی۔ (تاریخ دولت عثمانیہ محمد فرید بک ص ۷۶) ﴿والبقاء اللہ وحدہ﴾

عباسیوں کا تمدن: عباسیوں کے علمی کارناموں کی طرح ان کے تمدنی کارنامے بھی بہت ہیں۔ ظاہری نفاست و لطافت اور حسن و دل آویزی کے اعتبار سے ان کا تمدن نہایت بلند تھا اور محاضرات کی مشہور و معروف کتاب الف و لیلۃ میں اس کی جو تصویریں نظر آتی ہیں۔ ان کو اگرچہ تاریخی اعتبار و استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے اور اس میں بہت سے افسانے اور خرافات بھی شامل ہیں، لیکن ان سے قطع نظر خالص تمدنی اور معاشرتی

مرقعے بڑی حد تک صحیح ہیں۔ اسلام ایک فطری اور سادہ مذہب اور اس کا دامن بے جا تمدنی تکلف سے پاک ہے اور گو جائز حدود کے اندر شریعت نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے، لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جہد و عمل کے خلاف ہو۔ وہ اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلام کی یہ سادگی خلافت راشدہ کے دور تک قائم رہی اور گو اس زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی سے صحرائے عرب میں سونے چاندی کے دریا بہنے لگے تھے اور ایران و روم کے خزانے کھینچ کھینچ کر مدینہ کی گلیوں میں آ گئے تھے، لیکن اس سے مسلمانوں کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور خلیفۃ المسلمین کے جسم پر وہی پیوند لگا کپڑا اور غذا میں جو کی روٹی اور روغن زیتون رہا۔ لیکن دولت کی فراوانی اور مختلف تمدنوں اور قوموں کے اختلاط کے اثرات طبعی ہیں۔ جس سے کوئی قوم نہیں بچ سکتی اور یہ اختلاط حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے جب اسلام نے جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران و روم کی سرزمین میں قدم رکھنا شروع ہو گیا تھا، لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں اسلامی روح پوری موجود تھی۔ خود حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اسلام کے محافظ و نگہبان صحابہ کرامؓ موجود تھے جو کسی بیرونی اثر کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اس دور میں دوسری قوموں کے اختلاط کے اثر ظاہر نہیں ہونے پائے، لیکن جس قدر زمانہ گزرتا گیا اور مذکورہ بالا اثرات کم ہوتے گئے، اتنے ہی مسلمانوں میں دوسری قوموں کے اثرات پھیلتے گئے اور خلافت راشدہ کے خاتمہ اور صحابہ کرامؓ کے اٹھنے کے بعد اموی دور میں اس کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ بنی امیہ کا پایہ تخت دمشق (شام) رومیوں کا ملک تھا۔ اس لیے مسلمان پہلے اسی سے متاثر ہوئے، مگر شام کا علاقہ مختلف حیثیتوں سے عرب سے ملتا جلتا ہے۔ یہاں ان کی ہم نسل سامی قومیں بھی آباد تھیں، پھر بنی امیہ میں گو خلفائے راشدین کی طرح اسلامی روح نہ تھی، لیکن عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں انہیں بھی اہتمام تھا اور ان میں عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی اور اموی حکومت بعض معاشرتی تکلفات کو چھوڑ کر خالص عربی تھی۔ اس لیے ان کے زمانے میں غیر عربی عنصر

اور اس کے تمدن کا غلبہ نہیں ہونے پایا اور عربی خصوصیات بڑی حد تک محفوظ رہیں۔ مگر جب بنی عباس نے ان کی جگہ لی تو اس کے زمین و آسمان بالکل بدل گئے اور عباسی خلافت مذہب کے سوا زندگی کے تمام شعبوں میں عجمی رنگ میں رنگ گئی اور اس کی حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت، علوم و فنون قریب قریب پورا کلچر عجمی قالب میں ڈھل گیا۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ عہد رسالت کے بعد سے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ مذہبی روح کمزور ہونے لگی تھی۔ دوسرے عباسی خلافت تمام تر عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی۔ اس کا بانی ابو مسلم خراسانی عجمی تھا اور عباسی دعوت کو عجم ہی کی سرزمین میں فروغ حاصل ہوا اور یہیں اس کی بنیاد پڑی۔ جس کے اثرات ناگزیر تھے، پھر قیام حکومت کے بعد دولت عباسیہ کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار بھی عجمی ہوئے۔ برمکی خاندان کی شہرت و عظمت اور خلافت عباسیہ میں اس کا غلبہ و اقتدار محتاج بیان نہیں۔ تیسرے خلافت عباسیہ کا پایہ تخت بابل اور نینوا کے کھنڈر پر تعمیر ہوا تھا۔ جس کی آب و ہوا میں عجمی اثرات سرایت کیے ہوئے تھے اور اہل عجم ایک قدیم متمدن قوم اور ایک ترقی یافتہ اور بلند تہذیب کے مالک تھے۔ ان کا تمدن نہایت دلکش اور نظر فریب تھا۔ اور خلفاء میں اسلامی روح باقی نہ رہ گئی تھی۔ ان اسباب کی بناء پر عباسیوں میں عجمی تمدن پھیل گیا، لیکن عربی اور اسلامی تمدن نے بھی ان کو متاثر کیا اور دونوں کی آمیزش سے ایسا دلکش اور بوقلمون تمدن پیدا ہوا جو مسلمانوں کا معیاری تمدن قرار پایا اور رفتہ رفتہ سارے مشرقی ملکوں میں پھیل گیا۔ تیموری تمدن بھی جسے ہم آج ہندوستانی تمدن کہتے ہیں، اسی کی یادگار ہے۔ اس میں فطری طور پر ہندو تمدن کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں۔

تمدن کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اس میں حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت، علوم و فنون، اجتماعی زندگی کے تمام شعبے آ جاتے ہیں۔ عباسیوں کے علمی حالات جا بجا اوپر گزر چکے ہیں۔ جس سے ان کے علمی کارناموں کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اس

لیے آئندہ سطور میں عباسی عہد کی تہذیب و معاشرت کا نقشہ دکھایا جائے گا' مگر یہ موضوع جس قدر دلچسپ ہے' اسی قدر دشوار بھی ہے۔ عربی تاریخوں کا دائرہ بحث اس دور کے مذاق کے مطابق عموماً سیاسی واقعات وحوادث اور جنگ وفتوحات کے حالات تک محدود ہے۔ اسمیں تمدنی واقعات محض ضمناً آجاتے ہیں۔ محاضرات کی کتابوں میں البتہ تمدنی واقعات ملتے ہیں' لیکن ان کو تاریخی استناد کا درجہ حاصل نہیں۔ اس لیے معتبر تاریخوں سے اس عہد کے تمدن ومعاشرت کی تصویر دکھانا بہت مشکل اور کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کم نہیں۔ تاہم اسی سنگلاخ زمین سے جوئے شیر نکالنے اور اسی خارستان سے تمدن کا مرقع سجانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کو عباسی تمدن کی کامل تصویر نہیں کہا جا سکتا' لیکن اس سے اس کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا۔ قوموں کے تمدن کا ایک بڑا مظہر اس کی عمارتیں ہیں۔ ان کا شکوہ وتجمل بانیوں کی شوکت وعظمت کا نشان اور اس کے نقش ونگار ان کے ذوق جمال کی تحریریں ہیں' جن سے ان کی تمدنی تاریخ پڑھی جا سکتی ہے۔ آج بھی گزشتہ قوموں کی عظمت وجلال کی سب سے بڑی نشانیاں ان کی عمارتوں کے کھنڈر ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عرب را

اسلامی اندلس کی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے سب سے بڑے شاہد الزہرا کے کھنڈر اور الحمراء کے در و دیوار ہیں۔ ہندوستان میں تیموریوں کی عظمت کی شہادت تاج محل' لال قلعہ' جامع مسجد اور فتح پور سیکری کی عمارتوں سے ملتی ہے۔ اسی طرح عباسی تمدن کی شوکت وعظمت کا سب سے بڑا نشان اور اس کا مرکز بغداد تھا اور عباسیوں کے تمدن سے واقفیت کے لیے اس کی عظمت ونشان سے واقفیت ضروری ہے' لیکن عباسیوں کے دور زوال ہی میں اس پر ایسے مسلسل وپیہم انقلابات طاری ہوئے کہ وہ اسی زمانہ میں گویا ویران ہو چکا تھا اور جو بچی کھچی یادگاریں رہ گئی تھیں' وہ

تاتاریوں کے سیلاب کی نذر ہوگئیں اور بغداد کی عظمت گذشتہ پر آنسو بہانے والے کھنڈر بھی باقی نہ رہ گئے اور اب بغداد میں اس کے پرانے شکستہ مقابر کے علاوہ اس کا کوئی مرثیہ خوان باقی نہیں ہے۔صرف کتابوں کے اوراق سے اس کی عظمت وشوکت کا پتہ چلتا ہے۔بغداد کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں' لیکن ان میں سے بیشتر کمیاب ہیں۔تاریخ خصوصاً جغرافیہ کی کتابوں میں بھی کافی حالات ملتے ہیں' آئندہ سطور میں ان ہی سے بغداد کی عظمت رفتہ کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

بغداد کی تعمیر:بغداد کو دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ میں آباد کیا۔اس کی تعمیر اس عہد کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے۔تاریخوں میں اس کی تعمیر کی بڑی طویل تفصیل ہے'اس کا خلاصہ یہ ہے۔یہ عظیم الشان شہر ارض بابل نینوا کے ایک خوش سواد قطعہ میں دجلہ کے ساحل پر آباد کیا گیا تھا۔اس کی تعمیر سے پہلے منصور نے ماہر مہندسین سے اس کا نقشہ بنوایا اور مختلف ملکوں سے تعمیر کا سامان ماہر معمار' نجار اور دوسرے صناع کاریگر اکٹھے کیے تھے۔اس کی تعمیر ۱۳۶ھ میں شروع ہوئی۔ایک لاکھ مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے۔(تاریخ خطیب بغدادی ص ۶۷' وکتاب البلدان یعقوبی ص ۲۳۸)بغداد کا نقشہ مدور تھا یعقوبی کے بیان کے مطابق یہ دنیا کا پہلا مدور شہر تھا' لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کا نہیں' البتہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا۔شہر کے وسط میں ایوان شاہی کی عمارت تھی' جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی۔اس کے درمیانی ہال پر اسی (۸۰) گز بلند گنبد تھا' جو قبتہ الخضراء کہلاتا تھا۔اس کی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا۔یہ گنبد بغداد کے ہر حصے سے نظر آتا تھا۔ (خطیب جلد ۱' ص ۷۳)

پھر جب بغداد میں آبادی کی کثرت ہوگئی تو ۱۵۸ھ میں منصور نے شہر سے باہر دجلہ کے ساحل پر ایک محل تعمیر کرایا جو اپنی خوبصورتی اور زینت وآرائش کے لحاظ سے

قصر خلد کہلاتا تھا۔ (تاریخ خطیب ج ا، ص ۷۵، ۸۰) قصر الذہب سے شہر پناہ کے چاروں پھاٹکوں تک جن کا ذکر آگے آئے گا۔ چار وسیع کشادہ سڑکیں نکالی گئی تھیں، پھر ان بڑی سڑکوں سے بہت سے چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکلتی تھیں۔ ان کے دونوں کناروں پر ترتیب کے ساتھ مکانات تھے۔ (تاریخ خطیب ج ا، ص ۷۵، ۸۰) آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر میں قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی۔ اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی۔ شاہی ایوان کے بعد شہزادوں کے محلات اور ان کے خدام و متوسلین کے مکانات تھے۔ ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب ذیل عمارتیں تھیں۔

بیت المال (خزانہ) خزانہ السلاح (اسلحہ خانہ) دیوان الرسائل (دفتر مراسلات) دیوان الخراج (دیوان الخاتم) (خاتم خلافت جہاں فرامین و احکام شاہی پر مہر لگائی جاتی تھی۔ دیوان الحوائج (شاہی ضروریات کا سامان) دیوان الاحشام (خدم و حشم شاہی کا دفتر) دیوان النفقات (شعبہ اخراجات کا دفتر) مطبخ عامہ (باورچی خانہ عام) (تاریخ الاسلامی السیاسی والثقافتی، حسن ابراہیم، حسن پروفیسر جامعہ نوادمصر ج ۲، ص ۸۷)۔۔۔ (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰) ان عمارتوں کے بعد امرائے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے۔ آخر میں آبادی اور بازار تھے۔ ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور ان کے باشندوں یا اس محلّہ کے ممتاز اشخاص کے نام موسوم تھے۔ مثلاً رحبہ فلاں یا قطعیہ فلاں وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھو خطیب ج ا، ص ۸۸، ۸۹) ہر چیز کے بازار جدا تھے۔ (خطیب ج ا، ص ۷۹) ہر محلّہ، بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدیں تھیں، جو ان کے لیے کافی ہوں۔ (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰) بڑی بڑی سڑکیں، پچاس پچاس گز اور چھوٹی سڑیں اور گلیاں سولہ سولہ گز چوڑی تھیں اور تمام سڑکیں اور گلیاں ممتاز اشخاص یا آبادی کے طبقات کے نام سے موسوم تھیں۔ (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰، ۲۴۲) سڑکوں کے کنارے نہریں

رواں تھیں اور سارے شہر میں ان کا جال پھیلا ہوا تھا۔ (کتاب البلدان یعقوبی ص ۷۹ و ۱۱۱ و مابعد)

شہر کے گرد ہری سنگین شہر پناہ تھی۔ اس کے آثار نوے گز اور بالائی حصہ پچیس گز چوڑا تھا اور بلندی ساٹھ گز تھی۔ بیرونی فصیل کے اوپر بڑے بڑے برج جھروکے اور بیٹھکیں تھیں۔ اس فصیل کے بعد چوڑی خندق تھی۔ جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔ (کتاب البلدان ص ۲۳۹) شہر پناہ کے چاروں طرف چار بلند پھاٹک تھے جن سے اسپ سوار مع علم کے گزر سکتا تھا۔ پھاٹکوں کے نام باب الکوفہ، باب البصرہ، باب خراسان اور باب الشام تھے۔ ان پھاٹکوں میں اتنے وزنی دروازے لگے تھے کہ ان کو جنبش دینے کے لیے ایک پوری جماعت کی ضرورت ہوتی تھی۔ (کتاب البلدان ص ۲۳۹)

کرخ کی تعمیر: ۱۵۷ھ میں منصور نے بغداد سے باہر لیکن اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی آبادی قائم کی۔ بغداد کی تعمیر کے وقت بازار شہر کے اندر تھے۔ اس لیے ہر قسم کے لوگ بلا روک ٹوک شہر میں آتے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک رومی بطریق منصور کے دربار میں آیا۔ منصور نے اسے شہر دکھانے کا حکم دیا۔ دیکھنے کے بعد منصور نے شہر کے بارہ میں اس کی رائے پوچھی۔ اس نے کہا نہایت مستحکم اور خوبصورت شہر ہے لیکن یہ بڑا عجیب ہے کہ آپ کے دشمن آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ منصور نے پوچھا وہ کیسے؟ بطریق نے کہا بازار شہر کے اندر ہیں۔ اس لیے جاسوس تاجروں کے بھیس میں آسانی کے ساتھ حکومت کی خبریں باہر لے جا سکتے ہیں۔ منصور یہ سن کر خاموش رہا۔ (معجم البلدان جلد ۲، ص ۲۳۳) خطیب کے بیان کے مطابق بطریق نے کہا کہ آپ کی رعایا ہر وقت آپ کے پاس رہتی ہے اور جب رعایا بادشاہ کے قریب رہے گی تو اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ منصور نے تو اس وقت یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میری رعایا اور میرے درمیان کوئی راز نہیں ہے۔ (تاریخ خطیب ج ۱، ص ۷۸) لیکن بطریق کی بات اس

کے دل میں لگ گئی۔اس کی واپسی کے بعد اس نے بغداد سے باہر اور اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی بستی بسائی۔بغداد کی پہلی آبادی کی طرح اس میں بھی ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے۔اس کی تعمیر کے بعد بغداد کے تمام بازار اور عام آبادی کرخ میں منتقل کر دی اور ایک جامع مسجد بھی علیحدہ تعمیر کرا دی۔(خطیب ج ۱ص ۷۹ ومعجم البلدان ج ۷ص ۲۳۳) کرخ کی تعمیر کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد میں عام آبادی کی وجہ سے دھوئیں کی بڑی کثرت ہو گئی تھی۔جس سے عمارتیں بھی سیاہ ہوتی جاتی تھیں اور لوگوں کو بھی تکلیف پہنچتی تھی۔(معجم البلدان ج ۷ص ۲۳۳) اس کے علاوہ اور اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں۔

مہدیہ کی تعمیر: بغداد کی تعمیر کے بعد ہی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کے لیے بغداد کے مشرقی جانب ایک وسیع محل مع جملہ لوازم کے مہدیہ کے نام سے تعمیر کرایا۔اس کی مستقل شہر پناہ خندق تھی۔فوجیں بھی یہاں منتقل کر دی تھیں۔اس لیے مہدیہ عسکر مہدی بھی کہلاتا تھا۔(تاریخ خطیب ج ۱ص ۸۲) اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ میں یہاں رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا تھا۔جس کی بنا پر آئندہ رصافہ بھی کہلانے لگا تھا۔منصور نے اپنے دوسرے لڑکوں، امراء اور فوجی افسروں کو بھی بغداد کی طرح رصافہ میں زمین کے قطعے دے دیئے تھے۔جنہوں نے خود اپنے اپنے محلات بنوائے تھے۔بغداد میں جگہ کی بڑی قلت تھی اور رصافہ کا رقبہ نہایت وسیع تھا اور لوگوں کو مہدی سے بڑی محبت تھی۔اس لیے یہاں لوگ بکثرت آباد ہو گئے تھے۔اس کی آبادی بھی بغداد کی طرح مرتب تھی۔ہر طبقے کے محلے اور ہر چیز کے بازار جدا تھے۔چند دنوں میں یہ شہر بڑی تجارتی منڈی اور صنعت وحرفت کا بڑا مرکز بن گیا۔(معجم البلدان ص ۲۵۳) اور منصور ہی کے زمانہ میں اتنا بڑا شہر ہو گیا اور اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ اس کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار، مسجدوں کی پندرہ ہزار اور حماموں کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔بازاروں کے کرایہ کی آمدنی بیس لاکھ درہم سالانہ

ہوتی تھی۔ (معجم البلدان ص ۲۵۴)

مہدی نے اپنے زمانہ میں رصافہ کی آبادی میں اور اضافہ کیا اور یہاں جامع منصور سے بھی بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ (مراصد الاطلاع جلد اول ص ۴۷۲) اور چند دنوں میں رصافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا' پھر ہارون الرشید خصوصاً اس کے وزراء برآمکہ نے بڑے شاندار محل تعمیر کرائے۔ ہارون نے دجلہ کے ساحل پر رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا۔ برآمکہ کے محل فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے۔ اس زمانہ میں تعمیرات میں اضافہ ہوا کہ شہر کا طول چار فرسخ تک پہنچ گیا۔ (الفخری ص ۱۹۰) برآمکہ کے محلوں کی عظمت و شان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بعض بعض محلوں کی تعمیر پر دو دو کروڑ درہم صرف ہوئے تھے۔ (ابن اثیر ج ۶' ص ۵۸) ہارون الرشید کی لڑکی ام حبیب نے ایک محل بنوایا تھا جو اس کے نام سے قصر ام حبیب مشہور تھا۔ برآمکہ کے محلوں میں قصر یحییٰ برمکی "قصر دارالخلافہ" زیادہ مشہور تھے۔ قصر دارالخلافہ قصر حسنی بھی کہلاتا تھا۔ یہ محل ویران ہوگیا تھا۔ مامون کے وزیر حسن بن سہل نے دوبارہ اس کو آباد کرایا۔ اس میں وزیر مذکور کی لڑکی مامون کی بیوی بوران رہتی تھی' پھر معتضد باللہ نے اپنے زمانہ میں اس سے لے کر اس کو جملہ ضروری سامانوں سے آراستہ کیا اور اس کی عمارت میں توسیع کرائی۔ (تاریخ خطیب جلد اول' ص ۱۰۹) یہ قصر بغداد کے تمام محلوں میں سب سے عظیم الشان تھا۔ اس کی چھت اور دیواریں جواہرات اور قیمتی پتھروں سے آراستہ تھیں۔ ہارونی عہد میں بغداد انتہائی عروج پر پہنچا۔ خطیب کا بیان ہے کہ عمارتوں' آبادی کی کثرت اور امن و رفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا۔ اس کے دور میں ملک سرسبز و شاداب' آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی۔ (خطیب ج ۱' ذکر بغداد)

سامرا کی آبادی: پھر معتصم نے اپنے زمانہ میں بغداد سے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے اور ان کا اقتدار گھٹانے

کے لیے جو مامون کے زمانہ سے خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا' ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا اور سمرقند' فرغانہ اور اشروسنہ سے ہزاروں ترکی غلام خرید کر منگوائے اور انہیں زرق برق وردیوں اور زیورات سے آراستہ کیا۔ (تاریخ الخلفا ص ۳۴۲) اور بڑے بڑے فوجی مناصب پر ممتاز کیا۔ اس سے ایرانیوں کا اقتدار تو گھٹ گیا' لیکن خود ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ وہ بڑے وحشی اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھے۔ اس لیے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے۔ عورتیں' بوڑھے' بچے کچل جاتے تھے اور ترک کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بغدادیوں نے معتصم سے اس کی فریاد کی۔ اس نے انہیں بغداد سے الگ رکھنے کے لیے اس سے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور اس کی تعمیر کے بعد خود بھی وہیں منتقل ہو گیا۔ (مروج الذہب مسعودی ص ۱۲۲' و تاریخ الخلفا ص ۳۴۲)

سامرا بغداد کے شمال جانب اس سے تیس میل کی مسافت پر تھا۔ آبادی سے پہلے یہ مقام بالکل ویران تھا۔ عیسائیوں کی ایک خانقاہ کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی۔ منصور نے بغداد کی آبادی میں جو اہتمام کیا تھا۔ معتصم نے اسی اہتمام سے سامرا کو بسایا اور اسی کے نقشہ کے مطابق اس کو تعمیر کرایا۔ تمام ممالک محروسہ سے صناع و کاریگر' ساکھو' ساگون اور دوسری چوب عمارتی بصرہ' علاقہ سواد' انطاکیہ اور شام کے ساحلی علاقوں سے منگوائیں اور سنگ مرمر اور سنگ تراش الرقیہ سے جو اس کا بڑا مرکز تھا' منگوایا۔ ترکوں کی آبادی شہر سے بالکل الگ رکھی اور امراء و عمائد سلطنت کو زمین کے قطعات دے دیئے۔ انہوں نے اپنے اپنے محل بنوائے۔ بغداد کی طرح سامرا میں بھی ہر طبقہ اور ہر قبلہ کے محلے الگ اور ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے۔ پیشہ وروں اور اہل حرفہ کی آبادی ایک سلسلہ میں تھی۔ ہر آبادی یا محلّہ اس کے باشندوں یا وہاں کے کسی ممتاز امیر کے نام سے موسوم تھا۔ مکانات بغداد کی عمارتوں سے زیادہ وسیع اور سڑکیں اس کی سڑکوں سے زیادہ کشادہ تھیں۔

تمام سڑکیں مختلف ناموں سے موسوم تھیں۔ ہر آبادی کے لیے مسجدیں اور حمام جدا

جدا تھے۔ وسط شہر میں جامع مسجد اور اس کے چاروں طرف بازار تھے۔ معتصم کے کئی محل اور باغات تھے۔ ہر باغ کے وسط میں ایک عمارت 'نشست گاہیں اور وسیع سبزہ زار تھے۔ دربار عام کے لیے ایک مستقل عمارت تھی۔ جس میں معتصم دوشنبہ اور جمعہ کو دربار کرتا تھا۔ اس سے متصل خزائن عامہ اور خزائن خاصہ کی عمارتیں تھیں۔

سامرا کی زمین بالکل بنجر تھی۔ پانی کمیاب تھا۔ معتصم نے اس کو زرخیز اور شاداب بنانے کے لیے تمام ممالک محروسہ سے آبی زمین شناخت کرنے والے اور اس سے پانی نکالنے والے مہندسین اور کھیتی اور باغبانی اور زمین کو زرخیز بنانے والے ماہرین جمع کر کے نہریں نکلوائیں اور بکثرت باغات لگوائے۔ اس کے علاوہ مختلف حصوں کو زرخیز بنانے کا کام بڑے بڑے ترکی امراء کے علیحدہ سپرد کیا اور بغداد' بصرہ اور علاقہ سواد سے کھجور کے درخت اور جزیرہ شام' عراق' خراسان' رے وغیرہ سے پھل پھول کے درخت اور سبزیوں اور ترکاریوں کے بیج منگوا کر لگائے۔ ان کی کوششوں سے یہ بنجر علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہو گیا اور باغوں اور پھلوں' میووں اور ترکاریوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ خاص سامرا اور اس کے نواح کے بعض مواضعات کے باغات کی آمدنی چار لاکھ اشرفی سالانہ تھی۔

سامرا کے دارالخلافہ بن جانے اور اس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے یہاں اس کثرت سے لوگ آباد ہونے لگے کہ اس کی زمین سونے کے بھاؤ ہو گئی۔ (یعقوبی نے سامرا کی آبادی کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لکھا ہے۔ دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۵۸ تا ۲۶۴)

معتصم کے بعد واثق نے سامرا کی عمارتوں میں اور اضافہ کیا اور لب دجلہ قصر ہارونی کے نام سے ایک محل بنوایا۔ سامرا کے بازاروں کو وسیع کرایا۔ عام لوگوں نے بھی عمارتیں بنوائیں۔ واثق کے بعد متوکل نے قصر ہارونی میں قیام کیا اور شہر میں دو نئی سڑکیں شارع العسکر اور شارع الجدید کے نام سے نکالیں۔ شہر سے باہر ایک عظیم

الشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔اس میں فوارہ لگوایا۔مسجد کے تین سمتوں میں اتنی چوڑی سڑکیں نکلوائیں کہ مع خدم وحشم کے آسانی کے گزر سکے۔سڑکوں کے دو رویہ دوکانیں اور اس کے بعد کاتبوں، فوجی افسروں اور ہاشمی امراء کے مکانات تھے۔اپنے لڑکے مستنصر کو قصر جوسق میں، موید کو مطیرہ میں اور معتز کو بلکورا میں جو سامرا سے فاصلہ پر تھا، رہنے کا حکم دیا۔اس سے سامرا سے لے کر بلکورا تک مسلسل آبادی ہوگئی۔(کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۶۵) یاقوت کا بیان ہے کہ متوکل نے سامرا میں جیسی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں، ویسی کسی خلیفہ نے نہ بنوائیں تھیں۔اس نے سات لاکھ اشرفیاں ان عمارتوں پر صرف کیں۔ان محلوں کے نام یہ تھے۔عروس، وحید، جعفری، غریب، شیدآن، برج، صبح، ملیح، بستان، تل، برکوان، جوشق قلائد، غرو، قصر متوکلیہ، بہو اور لولو، ہر محل کی تعمیر پر شعراء کو ان کی تعریف میں قصیدہ لکھنے کا حکم تھا۔یاقوت نے بعض قصیدے نقل کیے ہیں۔یعقوبی نے محلوں کے یہ نام لکھے ہیں۔شاہ عروس، شبدآء، بلغ اور برجبرج کی تعمیر پر بروایت یعقوبی ستر لاکھ اشرفیاں صرف ہوئی تھیں جو مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔

قصر جعفری ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔یہ محل بغداد کے محلّہ کرخ سے تین فرسخ کی مسافت پر مقام ماحوذہ میں آباد کیا تھا اور دجلہ سے جو دس میل کے فاصلہ پر تھا، پندرہ لاکھ کے صرفہ سے ایک بڑی نہر شہر میں لائی گئی تھی۔جس کے دونوں جانب آبادی تھی۔متوکل کے لڑکوں، افسروں، فوج، کاتبوں اور دوسرے عہدہ داروں کے مکانات ایک سلسلہ میں تھے۔متوکل کے محل کے تین عظیم الشان پھاٹک تھے، جن سے اسپ سوار مع نیزہ کے گزر سکتا تھا اور شہر کو تین میل لمبی اور چالیس گز چوڑی سڑک کے ذریعہ کرخ سے ملا دیا گیا تھا اور شہر کے دونوں جانب بڑی نہر سے اس کی شاخیں نکالی گئی تھیں۔عام بازار آبادی سے بالکل الگ تھلگ تھے اور ہر محلّہ کے متعلق بھی ایک ایک بازار تھا۔اس شہر کی تعمیر سے سامرا اور کرخ تک مسلسل آبادی ہوگئی تھی۔درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ تھی۔محرم ۲۴۷ھ میں متوکل یہاں منتقل ہوگیا اور اس تقریب میں

عمالان حکومت کو انعام واکرام سے نوازا اور حکومت کے دفاتر بھی یہاں منتقل ہو گئے۔ (کتاب البلدان ص ۲۶۶) یاقوت کا بیان ہے کہ یہ شہر سامرا سے زیادہ آباد اور بارونق تھا۔ (معجم البلدان ج ۵، ص ۱۱۰) متوکل نے عمارتوں میں بعض جدتیں بھی کی تھیں۔ مسعودی کا بیان ہے کہ اس نے ایک خاص قسم کی عمارت بنوائی تھی۔ جوجیری، کمین اور اروقہ کہلاتی تھیں۔ یہ عمارتیں میدان جنگ کے نقشے کے مطابق تھیں۔ صدر عمارت میں جو رواق کہلاتی تھی۔ نشست گاہ سلطانی تھی۔ اس کے دائیں بائیں جو کمین کہلاتے تھے۔ میمنہ اور میسرہ کی عمارتیں تھیں۔ ان میں خلیفہ کے مقربین اور خواص رہتے تھے۔ اس کے داہنے جانب توشہ خانہ اور شمال میں آبدارخانہ تھا۔ اس کی تقلید میں اور شائقین نے بھی اس قسم کی عمارتیں بنوائیں۔ (مروج الذہب ج ۲، ص ۱۹۲، ۱۹۳) اس طریقہ سے ہر خلیفہ کے زمانے میں اس کے ذوق کے مطابق عمارتوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔

معتضد نے مشرقی حصہ میں قصر التاج کے نام سے ایک محل بنوایا۔ اس کی تکمیل اس کے لڑکے مکتفی کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کے گنبد اور ہال عجیب وغریب تھے اور اس کو ایک زمین دوز راستہ کے ذریعہ قصر حسنی سے، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، ملا دیا گیا تھا۔ جس سے حرم کی خواتیں آتی جاتی تھیں۔ شعراء نے اس قصر کی شان میں قصیدے کہے۔ ایک قصیدہ یہ ہے

جللت الثر یا خیر دار ومنزل
فلا زال معمورا وبورک فی القصر

ایک قصر دارالشجرہ کے نام سے موسوم تھا۔ اس کے عجائبات کا ذکر آئندہ آئے گا۔ خلافت بغداد پر دیالمہ کے تسلط کے بعد دیلمی سلاطین نے علیحدہ اپنے محل بنوائے۔ معز الدولہ کا محل بغداد کے بہترین محلات میں تھا۔ (مناقب بغداد ابن جوزی ص ۲۶) عضد الدولہ دیلمی نے پرانی عمارتوں کی مرمت پر پچاس لاکھ درہم صرف

کیے۔ (معجم البلدان) مذکورہ بالا محل بغداد کے مشرقی حصہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مغربی حصہ میں بھی محلات کا ایک سلسلہ تھا۔ ان میں سے دارالفخریہ، دار یلدرک، حریم طاہری، دارالامیر حسن بن اسحاق، دارالنقابتہ الشاطیہ، وارباب الحجرہ کے نام سے ملتے ہیں۔ آخر الذکر محل میں وزیروں کو خلعت وزارت دیا جاتا ہے اور خلفاء عید کی مبارک باد لینے کے لیے یہیں دربار کرتے تھے۔

باغات: عباسی تمدن کی ساری نیرنگیاں عجمی تھیں اور سرزمین عجم سراپا باغ و بہار ہے۔ اس لیے خلفاء اور امراء کو آب رواں باغات اور سبزہ زار سے بھی بڑا ذوق تھا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد کی گلی گلی میں نہریں رواں تھیں اور معتصم نے سامرا کی بنجر زمین کو لہلہاتا ہوا سبزہ زار بنا دیا تھا۔ افسوس ہے کہ مورخین نے باغات کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ تاہم کہیں کہیں ضمناً ان کا ذکر آ جاتا ہے جس سے ان کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔ یعقوبی نے بغداد کی نہروں کی کثرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اہل بغداد نے بصرہ اور کوفہ کی کھجوریں یہاں لگائیں۔ اس کی زمین کی خوبی اور زرخیزی کی وجہ سے بصرہ اور کوفہ سے بھی زیادہ کھجوریں یہاں پیدا ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قسم کے درخت لگائے اور عجیب و غریب قسم کے پھل پیدا کیے اور بغداد میں پانی کی کثرت کی وجہ سے بکثرت باغ و چمن پیدا ہو گئے۔ (کتاب البلدان ص ۲۵۱) سرمن رای کی بنجر زمین کو معتصم نے جس طرح سرسبز و شاداب اور باغ و چمن بنایا تھا، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس نے متعدد مستقل باغ لگوائے اور ہر باغ میں نشست کے لیے عمارات اور تفریح کے لیے حوض، تالاب اور کھلے میدان تھے۔ (کتاب البلدان ص ۲۶۴) اس کے علاوہ مختلف خلفاء نے باغات لگوائے۔ کتابوں میں ان کے حسب ذیل نام ملتے ہیں۔ قصور، شماسیہ، رقہ، قصر احمری، عیسیٰ آباد اور روضتہ الریاض۔ یہ باغات غالباً بغداد کے باہر تھے اور خلفاء گرمی کے موسم میں یہاں رہا کرتے تھے۔ بعض خلفاء نے باغات کی آرائش میں بڑی جدتیں

پیدا کیں۔اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔عضد الدولہ دیلمی نے بغداد میں ایک باغ لگوایا تھا' جو بستان مخرم کے نام سے موسوم تھا۔اس کی تعمیر پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے۔(تاریخ خطیب ج ا' ص ۱۰۷) امیر اسماعیل نے لاکھوں روپے کے صرف سے ایک باغ لگوایا تھا۔یہ باغ بستان ظاہر بغداد کے مشہور باغوں میں تھا۔یہ وسط شہر میں تھا اور دوسو جریب کے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔بغداد سے باہر اور اس سے متصل ایک نہر کے کنارے باغوں کا وسیع سلسلہ تھا اور اس نہر کے ایک پل کا نام ہی قنطرۃ البستان پڑ گیا تھا۔

بغداد کی وسعت: تاریخوں میں بغداد کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کے حالات بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں' لیکن درحقیقت ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔اس لیے کہ بغداد ایک نہیں بلکہ کئی شہروں کا مجموعہ تھا' جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور ان میں سے ہر شہر جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔نہایت عظیم الشان تھا' بلکہ ان کا ایک ایک محلّہ ایک ایک شہر کے برابر تھا۔ابوالوفاء بن طفیل کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک معزز خراسانی نے بغداد کا حال پوچھا۔میں نے کہا کہ میں نہ بتاؤں گا اس لیے کہ تم مبالغہ سمجھو گے۔بس اتنا سمجھ لو کہ اس کا ایک ایک محلّہ شام کے بڑے سے بڑے شہر کے برابر ہے۔(مناقب بغداد ص ۲۴)

مختصر یہ کہ بغداد بجائے خود ایک عالم تھا۔رقبہ کی وسعت آبادی کی کثرت' علم و فن' صنعت و حرفت و تجارت' اخلاق و تہذیب' جملہ مادی اور اخلاقی اوصاف و کمالات میں اس زمانہ کا دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔اس کی آبادی مختلف حالات و اسباب کی بنا پر مختلف زمانوں میں گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔اس لیے اس کے صحیح اعداد و شمار نہیں بتائے جا سکتے۔تاریخوں میں اس کی مختلف چیزوں کے جو اعداد ملتے ہیں' ان سے اس کی وسعت و آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔بغداد کے دو حصے تھے۔مغربی اور مشرقی۔دونوں کا مجموعی رقبہ ۵۳۳۷۵ جریب تھا۔(سیر الملوک اربلی ۵۵) ایک

جریب ۳۶۰ گز کی ہوتی ہے۔ مغربی جانب کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چھ ہزار اور مشرقی سمت کی چار ہزار تھی۔ (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۹۸) مسجدوں کی تعداد تیس ہزار اور حماموں کی تعداد دس ہزار تھی۔ (کتاب البلدان ص ۲۵۰) لیکن مختلف زمانوں میں یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ مقتدر کے زمانے میں حماموں کی تعداد سترہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ (خطیب جلد اول، ص ۱۱۸) بعض روایتوں کے مطابق تو مساجد اور حماموں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔ دجلہ پر متعدد پل تھے۔ ان کے باوجود مشرقی اور مغربی دونوں سمتوں میں آمد و رفت کے لیے تین ہزار کشتیاں چلتی تھیں اور ملاحوں کی آمدنیاں نوے ہزار درہم روزانہ تھیں۔ (خطیب جلد اول ص ۱۱۷) بازاروں کا کرایہ بارہ کروڑ درہم سالانہ تھا۔ (مناقب بغداد ص ۱۱) قاضی ابوالحسن کا بیان ہے کہ ۳۴۵ھ میں جب محمد بن احمد نے موضع باوردیا کا ٹھیکہ لیا تو اس زمانہ میں نواح بغداد کے مواضعات میں صرف کاہو (یہ اہل بغداد کی مرغوب ترکاری تھی) کی کاشت دو ہزار جریب تھی۔ جس کی قیمت پچاس ہزار اشرفی ہوتی تھی۔ یہ سارا کاہو بغداد میں صرف ہوتا تھا۔ جس شہر میں پچاس ہزار اشرفی سالانہ کی صرف ترکاری صرف ہوتی ہو اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طریقہ سے حمص کا ستو جس کو صرف ادنیٰ درجہ کے معمولی لوگ کھاتے تھے اور وہ بھی سال کے دو مہینوں میں جب بغداد میں پھل کی کمی ہوتی تھی۔ صرف ایک بازار میں اوسطاً ۱۴۰، کرہ صرف ہوتا تھا۔ نشوار المحاضرہ ص ۶۶)

بغداد کی حالت چھٹی صدی ہجری میں مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی نے چھٹی صدی کے آخر میں جب بغداد مسلسل انقلابات سے ویران ہو چکا تھا۔ بغداد کا سفر کیا تھا اور اپنے سفرنامے میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ یہ بیان عروس البلاد کا گویا مرثیہ ہے۔ تاہم اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا، وہ لکھتا ہے:

یہ پرانا شہر گو ہمیشہ سے عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قریشی وہاشمی امامت کا ایک مرکز

رہا ہے اور اس کی گزشتہ عظمت کے مقابلے میں اب اس کی حیثیت ایک کھنڈر، ایک مٹے ہوئے نشان اور ایک خیالی صورت کی رہ گئی ہے۔ موجودہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسرا مغربی سمت۔ مغربی حصہ کسی زمانہ میں بہت آباد تھا، لیکن اب ویران ہو چکا ہے اور مشرقی حصہ نو آباد ہے۔ یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ہر محلّہ اپنی وسعت و آبادی کی کثرت کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر محلّہ میں کئی کئی حمام ہیں۔ آٹھ حمام جامع مسجدوں میں ہیں۔ سب سے بڑے محلّہ کا نام قریہ ہے، جس میں ہم ٹھہرے تھے۔ یہ محلّہ دجلہ کے ساحل پر ہے یہاں پہلے پل تھا، جو سیلاب میں بہہ گیا ہے۔ اب کشتیوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے۔ کشتیاں بے شمار ہیں اور رات دن لوگوں کے ہجوم سے میلہ سا لگا رہتا ہے۔ معمولاً ہر جگہ دو پل ہیں، ایک شاہی محلات سے متصل دوسرا ان سے الگ، لیکن آمد و رفت کے لیے یہ پل ناکافی ہیں۔ ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں۔ دوسرا محلّہ کرخ ہے۔ اس کے گرد مستقل شہر پناہ ہے۔ تیسرا محلّہ باب البصرہ ہے۔ یہ بھی ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے، جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے۔ چوتھا محلّہ شارع ہے۔ یہ بھی گویا ایک شہر ہے۔ یہ چاروں بڑے محلے ہیں۔ محلّہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلّہ سوق المارستان ہے۔ اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی ہے۔ بغداد کا مشہور و معروف شفاخانہ اس محلّہ میں ہے۔ اس میں مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے باون اطباء اور معالجین ہیں۔ مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفاخانہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اطباء کے علاوہ مریضوں کی تیمارداری اور دوا و غذا وغیرہ کی تیاری کے لیے علیحدہ ملازمین ہیں۔ شفاخانہ کی عمارت ایک عالی شان قصر کی سی ہے۔ جس میں بہت سے کمرے ہیں اور اس کا ساز و سامان شاہانہ ہے۔ شفاخانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔ سب محلوں کا تذکرہ طویل ہوگا۔ مثلاً ایک محلّہ وسیط ہے جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے۔ اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقوں کا سامان بغداد آتا ہے۔

ایک محلّہ عتابیہ ہے' یہاں بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف الالوان ریشم اور سوت سے بنایا جاتا ہے' تیار ہوتا ہے۔ ایک محلّہ حربیہ ہے' اس کے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے۔ مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمنستان پر مشتمل ہے۔ یہاں سے مشرقی حصہ میں میوے جاتے ہیں۔ آج کل دارالخلافہ اسی حصہ میں ہے۔ شاہی محلات شہر کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ حصہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ شاہی خاندان کے نظر بند ارکان ان محلوں میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہیں۔ صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ مغربی حصہ میں عالی شان شاہی محلات' دلفریب باغات اور بڑے بڑے مرتب بازار ہیں۔ ان میں ہر وقت آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ تین بڑی جامع مسجدیں ہیں۔ خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہے۔ یہ بڑی وسیع مسجد ہے۔ اس میں بڑے بڑے حوض اور سقاوے ہیں اور ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ دوسری جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مسجد ان سلاطین کے محلوں کی جانب منسوب ہے جو موجودہ خلیفہ کے اجداد کے زمانے سے خلافت عباسیہ کے منتظم ہو گئے ہیں۔ (سلاطین سے مراد وہ بادشاہ ہیں' جو خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد اس کے متولی ہو گئے تھے' مثلاً دیالمہ اور ان کے بعد سلجوقی خاندان) تیسری جامع رصافہ ہے۔ رصافہ میں عباسی خلفاء کی قبریں ہیں۔ بغداد کی گیارہ مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے۔ اس حصہ میں حماموں کی تعداد بے شمار ہے۔ مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ دونوں حصوں میں دو ہزار کے قریب حمام ہوں گے۔ ان کی دیواروں اور فرش پر سیاہ رنگ کا ایسا چمکدار روغن ہے کہ دیکھنے والوں کو سیاہ سنگ رخام کا دھوکہ ہوتا ہے۔ مسجدوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کے شمار کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تیس مدرسے ہیں اور ہر مدرسہ کی عمارت ایسی عالی شان ہے کہ بڑے بڑے محلوں کو شرماتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا مدرسہ نظام الملک کا قائم کیا ہوا نظامیہ ہے۔ ۵۰۴ھ میں اس کی باقاعدہ تجدید ہوئی تھی۔ ان مدارس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف ہیں۔ جن سے فقہاء و مدرسین کی تنخواہیں اور طلبہ کو وظیفے اور دوسرے اخراجات ملتے ہیں۔ ان اطراف کو

اس قسم کے مدارس اور شفا خانوں کے قیام میں بڑا شرف اور غیر فانی فخر حاصل ہے۔

مشرقی حصہ کے چار پھاٹک ہیں۔ باب السلطان' باب الظفر یہ' باب الحلبہ اور باب البصلیہ۔ یہ پھاٹک شہر پناہ میں ہیں' جو نصف مستطیل دائرہ کی شکل میں شہر کو گھیرے ہوئے ہے۔ شہر پناہ کے اندر بازاروں کے بکثرت پھاٹک ہیں' غرض اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس شہر کی شان وعظمت' تعریف وتوصیف سے بالاتر ہے۔ (رحلہ ابن جبیری ص ۲۲۵ تا ۲۲۹' ہم نے ابن جبیر کے بیان کا صرف ضروری حصہ نقل کیا ہے' غیر ضروری باتیں چھوڑ دی ہیں)

بغداد کے بعض محاسن و خصوصیات: بغداد تنہا رقبہ کی وسعت' آبادی کی کثرت اور عمارتوں کے شان وشوکت ہی میں ممتاز نہ تھا' بلکہ دنیا کی ساری بھلائیوں کا مخزن تھا اور اللہ تعالی نے اپنی ساری نعمتیں ان میں جمع کر دی تھیں۔ مورخین نے ان کے مختلف اوصاف وخصوصیات کا حال لکھا ہے۔ یعقوبی لکھتا ہے کہ رقبہ کی وسعت' آبادی کی کثرت' پانی کی فراوانی' آب وہوا کی خوبی میں مشرق و مغرب کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں مختلف شہروں اور ملکوں کے مختلف طبقوں کے لوگ آباد ہیں اور دور دراز کے باشندوں نے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کر لی۔ کوئی شہر ایسا نہیں جہاں کے باشندوں کے محلے' تجارت اور کاروبار یہاں نہ ہو۔ اس لیے یہاں ساری دنیا کی نعمتیں جمع ہوگئی ہیں جو دنیا کے کسی اور شہر کو نصیب نہیں۔ یہاں دو بڑے دریا دجلہ اور فرات ہیں۔ اس لیے یہاں خشکی تری دونوں راستوں سے نہایت آسانی کے ساتھ ہر طرح کا تجارتی سامان آتا ہے اور ہندوستان' سندھ' چین' تبت' ترک' دیلم' خزر' حبشہ وغیرہ مشرق ومغرب کے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کا سامان ان کی پیداوار اور مصنوعات' جس کثرت اور آسانی سے یہاں ملتی ہیں' اتنی سہولت سے خود ان ملکوں میں نہیں ملتیں۔ سارے روئے زمین کی پیداوار کھینچ کھینچ کر یہاں آتی ہے۔ دنیا کے سارے ذخیرے یہاں

جمع ہو گئے ہیں اور سارے عالم کی برکتیں اس پر تمام ہو گئیں ہیں۔

ریاضی کے حساب سے وہ اقلیم رابع میں ہے' جو معتدل اقلیم ہے۔ اس لیے اس کی آب و ہوا ہر موسم میں معتدل رہتی ہے۔ گرمیوں میں تیز گرمی پڑتی ہے اور جاڑوں میں تیز ٹھنڈک' خریف اور ربیع دونوں میں موسم معتدل رہتا ہے اور تداخل کے موسم میں آب و ہوا میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں کی آب و ہوا معتدل' مٹی اچھی اور پانی شیریں ہے۔ درختوں کی بالیدگی اور نشوونما اچھی ہوتی ہے۔ پھل خوش ذائقہ اور کھیتی سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ کھیتی میں زیادہ مشقت نہیں اٹھانی پڑتی ہے۔ جس سے پیداوار کی کثرت سے' ہوا کے اعتدال' زمین کی خوبی اور پانی کی شیرینی کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے اخلاق پسندیدہ' چہرے شاداب اور ذہن تیز و رسا ہوتا ہے اور وہ عقل و دانش' فہم و ذکا' علم و ادب' ژرف نگاہی' قوت امتیاز اور تجارت و صنعت و حرفت وغیرہ میں ساری دنیا میں فائق اور ہر فن اور ہر پیشہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ یہاں کے عالموں سے بڑھ کر فاضل' یہاں کے راویوں سے بڑے راوی' یہاں کے متکلموں سے زیادہ مناظر' یہاں کے نحویوں سے زیادہ صحیح الاعراب یہاں کے قاریوں سے زیادہ صحیح القرات' یہاں کے طبیبوں سے زیادہ حاذق' یہاں کے گویوں سے زیادہ مغنی' یہاں کے صناعوں اور کاریگروں سے زیادہ چابک دست' یہاں کے کاتبوں سے زیادہ ادیب و خوشنویس' یہاں کے منطقیوں سے زیادہ لسان اور گویا' یہاں کے عابدوں سے زیادہ عابد' یہاں کے زاہدوں سے بڑے متورع' یہاں کے قاضیوں سے زیادہ فقیہ' یہاں کے خطیبوں سے زیادہ زبان آور' یہاں کے شاعروں سے بڑے سخن ور' حتیٰ کہ یہاں کے رندوں سے بڑھ کر جری اور بے باک کہیں کے رند نہیں۔ ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن میں طاق تھے۔ (کتاب البلدان ص ۳۳۳ تا ۳۳۵)

مورخ خطیب بروایت ابو الحسین لکھتے ہیں کہ:

لکھتا ہے:

بغداد اسلام کا سب سے بڑا شہر اور مدینۃ السلام ہے اور یہاں کے باشندے مجموعہ محاسن، خوش طبع، ذہین و ذکی اور لطیف المزاج ہیں۔ ہوا نہایت ہلکی اور لطیف اور علم نہایت گہرا ہے۔ بغداد ہر عمدہ چیز اور ہر خوبی کا مخزن اور ہر فن کے ماہرین کا مرکز ہے۔ ہر دل اس کی جانب کھینچتا ہے۔ وہ جمال و کمال کی بنا پر رشک و رقابت کی کشمکش اور حمایت و مدافعت کی رزمگاہ ہے۔ اس کی شہرت توصیف سے مستغنی اور اس کی خوبی حد توصیف سے خارج اور مدح و ستائش کے درجے سے بلند ہے۔ (احسن التقاسیم بشاری ص ۱۱۹)

بعض اہل نظر نے اس کے محاسن پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے:

وہ جنت ارضی، سلامتی کا شہر قبتہ الاسلام، اصحاب کمال کا مرکز قدردانی، شہروں کا سرتاج، عراق کی آنکھ کا تارا، مستقر خلافت، محاسن و طیبات کا مرکز، لطائف و ظرائف کا معدن ہے۔ یہاں ہر فن کے کاملین اور جنس کے ماہرین موجود ہیں۔ (معجم البلدان ج ۲، ص ۳۳۷)

اس زمانہ کے ایک بڑے سیاح ابو القاسم دیلمی کا بیان ہے کہ:

میں نے سمرقند سے لے کر قیروان تک اور سرندیپ سے لے کر روم تک کا سفر کیا، مگر بغداد سے بہترین اور پاکیزہ شہر نہیں دیکھا۔ عراق سے نکلنے کے بعد ساری دنیا دیہات معلوم ہوتی ہے۔ مشہور ادیب جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے شام اور روم اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے خوبصورت شہر دیکھے، مگر بغداد سے زیادہ بلند عمارتوں، اس سے زیادہ مدور، شاندار وسیع و کشادہ پھاٹکوں اور مضبوط فصیل کا شہر نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے۔ (خطیب ج ۱، ص ۷۷)

مشہور فلسفی اور ادیب ابو العلاء مصری کہا کرتا تھا کہ بغداد بہت بڑا شہر

ہے۔ یہاں تم ہر دن نئے نئے اصحاب فضل و کمال پاؤ گے، جس کو اس سے پہلے دن نہ پایا تھا۔ (تاریخ خطیب ج ۱، ص ۱۴۹)

شیخ ابو اسحاق فیروز آبادی کا مقولہ تھا کہ جو سلیم العقل اور صحیح المذاق ایک مرتبہ بھی بغداد آ جائے گا وہ یہاں سے مر کر نکلے گا یا یہاں مرنے کی تمنا دل میں لے جائے گا۔ (معجم البلدان ج ۴، ص ۳۳۷، ۳۳۸) بغداد کی آبادی اتنی مرتب اور اس کی عمارتیں اتنی خوبصورت تھیں کہ دوسرے ملکوں کے فرمانروا اس کا نقشہ بنواتے تھے۔ خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ قیصر روم نے بغداد کے بازاروں، محلوں، مشرقی و مغربی حصوں کا نقشہ بنوایا تھا۔ مشرقی حصے کی ترتیب خصوصاً شارع المیدان اور شارع سوقیہ نصر بن مالک الخزاعی اور اس کے بازاروں اور سڑکوں کی عمارتوں، جو قصر ۃ البروان تک چلی گئی تھیں۔ اس کو بہت پسند تھیں۔ وہ شراب نوشی کے وقت اس نقشہ کو سامنے رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت عمارتیں نہیں دیکھیں۔ (تاریخ خطیب ج ۱، ص) اس قسم کے سینکڑوں واقعات و اقوال بغداد کی تعریف میں زبان زد خاص و عام تھے۔ یہ اس زمانہ کا مشہور مقولہ تھا کہ بغداد کے علاوہ ساری دنیا دیہات ہے اور جس نے بغداد نہیں دیکھا، اس نے دنیا نہیں دیکھی۔ بغداد کے عوام اور اہل حرفہ ایسے مہذب اور شائستہ ہوتے تھے کہ ان سے بڑے بڑے لوگ تہذیب و شائستگی کا سبق سیکھتے تھے۔ مشہور صوفی حضرت ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ جس کو خلق و مروت سیکھنا ہو، وہ بغداد کے بہشتیوں سے سیکھے۔ مجھ کو جب پابجولاں بغداد لے جایا گیا۔ (متوکل علی اللہ کے زمانہ میں آپ پر الحاد و زندقہ کا الزام لگایا گیا تھا اور اس کی تحقیق کے لیے وہ پابجولاں بغداد لائے گئے تھے، لیکن تحقیق سے یہ الزام ثابت نہ ہوا اور آپ کی باتیں سن کر متوکل آپ کا معتقد ہو گیا) تو میرے سامنے سے ایک سقا گزرا، وہ مندیل کا تہبند و بقی، کا عمامہ باندھے تھا۔ ہاتھ میں نازک نازک مٹی کے آبخورے اور شیشے کے تراشے ہوئے گلاس تھے۔ اس وضع قطع میں دیکھ کر میں سمجھا کہ شاہی سقہ ہے۔ معلوم ہوا

شاہی نہیں عام بہشتی ہے۔ میں نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے بڑھ کر کورے آب خورے میں پانی دیا۔ جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھی سے ایک دینار دینے کا اشارہ کیا۔ سقہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا قیدی سے کچھ لینا اخلاق و مروت کے خلاف ہے۔ (خطیب ج ۱، ص ۵۰) اہل بغداد کا تمدن اور ان کا حسن مذاق: یہ تو بغداد کی شوکت و عظمت کا حال تھا۔ اس کا تمدن بھی نہایت عظیم الشان اور بڑا دلکش و دلفریب تھا۔ اہل بغداد کے حسن ذوق اور ان کے تمدنی تکلف اور معاشرتی نفاستوں کے متعلق صاحب حضارۃ الاسلام کا بیان ہے۔

گھروں کا نقشہ: عموماً آسودہ حال طبقہ کے گھروں کے تین حصے ہوتے تھے۔ ایک مقاصیر حرم، یعنی زنان خانہ دوسرے مجالس السلام جسے دیوان خانہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ حصہ ملاقات اور مہمانوں کے لیے ہوتا تھا۔ تیسرا شاگرد پیشہ کے مکانات، ہر مکان کے متعلق پائیں باغ ہوتا، جس میں میووں اور پھل پھول کے درخت ہوتے تھے اور ان سب کے گرد چہار دیواری ہوتی تھی۔ مکانوں کی چھتیں اور دیواریں عموماً سنہرے اور رنگین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھیں۔ (حضارۃ الاسلام ص ۲۵، ۲۶) سادہ دیواروں کو منقش کپڑوں سے منڈھتے تھے اور دیواروں پر دیبا کے پردے آویزاں کرتے تھے۔

پائیں باغ: باغوں کا اتنا شوق تھا کہ مختلف ملکوں سے درخت منگوا کر لگاتے تھے۔ بعض باغوں کی لاگت دس دس ہزار اشرفی تک پہنچ جاتی تھی۔ ملازموں اور غلاموں کے انتخاب میں ان کے ظاہری حسن کے ساتھ خوش ذوقی اور زندہ دلی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کھانوں میں تنوع، جدت اور شان امارت کا اتنا شوق غالب تھا کہ بے فصل کی چیزیں مثلاً بے موسم کے میوے اور پرندوں وغیرہ کا گوشت اس کے ہم وزن چاندی دے کر خریدتے تھے۔

مصنوعی ٹھنڈک اور گرمی کا انتظام: گرمیوں میں ٹھنڈک اور

پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔آرام گاہوں میں مصنوعی طریقے سے پانی لایا جاتا تھا' جوسنگ مرمر کے تراشے ہوئے درندوں اور پرندوں کے منہ سے فوارے کی شکل میں چھوٹتا تھااور اوپر سے پنکھا چلتا تھا۔اس سے گرم ہوا کے جھونکے نسیم سحری بن جاتے تھے۔غرض لباس اور زینت وآرائش حتیٰ کہ گھوڑوں کی آرائش تک میں دیبا کی جھولوں اور زیورات سے ایسی جدتیں پیدا کی تھیں کہ دنیا کی کوئی قوم اس درجہ کو نہ پہنچتی تھی۔ (حضارۃ الاسلام ص ۹۹) مکانوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے اور بہت سے طریقے رائج تھے۔عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے۔ان پر کہ گل ہوتی تھی اور دیواروں کی پشت بانسوں اور بید کے ٹھاٹھ سے منڈھ دی جاتی تھی اور اس کے اور دیوار کے درمیان خلا میں برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے۔پھر ایک شخص ایوب خوری نے ایک موٹا آب گیر کپڑا جو خیش کے نام سے موسوم تھا' ایجاد کیا۔اس کو تر کر کے آرام کے کمرے کی دیواروں پر قبہ پر منڈھ دیا جاتا تھا۔اس سے ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔(تاریخ الاسلام ایساسی والثقافتی ج'۔ص ۳۰۸) اس سے بھی زیادہ پر تکلف طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے ہوادار کمرے دیبقی (ایک قسم کا کپڑا) سے منڈھ دیئے جاتے تھے اور درمیان میں ایک قبہ یا چھوٹا سا حجرہ بنا دیا جاتا تھا۔اس کے چاروں طرف بانس کے کھیا چے اور بید کی ٹٹی ہوتی تھی اور دیبقی کو گلاب' کافور اور صندل کے عرق میں تر کر کے اس پر منڈھ دیا جاتا تھا اور دروازوں پر ہوا اور روشندانوں وغیرہ ہوا کے تمام راستوں پر برف کے تودے رکھ دیئے جاتے تھے اور خدام انہیں بڑے بڑے پنکھوں سے ہوا دیتے تھے۔اس سے کمروں میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی کہ گرم کپڑا پہننے کی ضرورت پیش آتی تھی' لیکن یہ اہتمام صرف امراء کر سکتے تھے۔(ابن ابی اصیعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے' ہم نے ضروری خلاصہ نقل کیا ہے۔دیکھو طبقات الاطباء ج ا' ص ۱۳۹' ۱۴۰) سردیوں میں گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے

تھے اور ان کے گرد لوہے اور لکڑی کے جنگلے بنے ہوتے تھے۔ ان کے درمیان آتش دانوں اور انگیٹھیوں میں آگ بھری رہتی تھی۔ ان کو خدام دھونکنی سے برابر دھکاتے رہتے تھے اور چوبی کمرے کے اندر چاندی کی انگیٹھیوں میں عود جلتا رہتا تھا۔ اس سے پورا کمرہ گرم ہو جاتا تھا۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۰)

کھانوں کے اقسام و تکلفات: جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس دور میں کھانوں میں بھی بڑے تکلفات پیدا ہوئے۔ عباسیوں کا دسترخوان ایوان نعمت خانہ تھا۔ ان کے نام کتابوں میں ملتے ہیں، لیکن آج اس کی نوعیت بتانا مشکل ہے۔ اصحاب لغت کی تشریح سے بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اور بہت نام بھی لغت میں نہیں ملتے۔ بعض اقسام یہ ہیں: مرغ اور پرندے کے گوشت کی مختلف قسمیں تھیں، جو مختلف طریقوں سے پکائے جاتے تھے اور ان سب کے علیحدہ علیحدہ نام تھے۔ بکری، برہ، بھیڑ گائے، ہرن اور دوسرے مویشیوں کے گوشت اور ان کی مختلف قسموں کا طبقات الاطباء میں تذکرہ ہے، مگر ان کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۴۰) مچھلی کے گوشت کی بھی مختلف قسمیں تھیں۔ صحنا چھوٹی بھنی ہوئی مچھلیاں۔ (دیکھو تاج العروس) مچھلی کی زبان کا سالن، اس پر بڑا صرف آتا تھا۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۷، ص ۳۵۰) ثرید، ہریسہ اور خبیص عرب کے آسودہ حال لوگوں کے مرغوب پرانے کھانے ہیں، جو عباسی عہد میں بھی تھے۔ کشکی یا کشک گیہوں، دودھ اور گوشت ملا کر پکایا جاتا تھا۔ (تاج العروس) سکباج گوشت اور سرکہ سے پکتا تھا۔ خبیرہ ایک قسم کا شوربہ جو پھٹے ہوئے دودھ سے پکتا تھا۔ عصیدہ آٹے، چربی اور مکھن سے پکتا تھا۔ قلیہ خشک اور شوربے دار دونوں طرح کا ہوتا تھا۔ قطیفہ پتلے شوربے کی قسم، سنبوسہ، مشہور ہندوستانی سموسہ، فالوذج، یہ فالودہ کا معرب ہے، لیکن ہمارے فالودہ سے مختلف اور بہت ثقیل اور سنگین ہوتا ہے اور اس کی حیثیت غذا کی تھی۔ لوذینج غالباً لوازمات اور حلوہ جات خشکار غالباً خشکہ کا معرب ہے۔ روٹیوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔ فرن اور جروق جو غالباً شیرمال اور قلچہ کے مشابہ تھیں، زیادہ مشہور

تھیں۔کھانے پر ترکاریاں اور میوے بھی ہوتے تھے۔(طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۰) ۔۔۔(تاریخ الاسلام ایساسی والثقافتی ج ۲ ص ۳۰۶) امراء کے یہاں مکلّف کھانوں کے لیے جو مرغ پکائے جاتے تھے ان کو کچھ دنوں تک پہلے دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلاتے تھے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا۔(طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۰)

ہارون الرشید کے دستر خوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے۔مطبخ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا۔(تاریخ الاسلام ایساسی والثقافتی ج ۲ ص ۳۰۶) مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا۔جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا۔(الفخری ص ۳۱۰) مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا۔باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ تھی۔(کتاب الوزراء صابی ص ۱۶، ۱۷) قاہر کے دستر خوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے۔(طبری ج ۔ ص ۱۳۸) ان کے امراء کا دستر خوان بھی بہت تکلف اور وسیع ہوتا تھا۔وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ ہوتا تھا۔(کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲) اس کے دو باورچی خانے تھے۔ایک عام لنگر خانہ کے لیے دوسرا خاص۔مطبخ عام میں نوے بکریاں تیس برے دوسو مرغیاں دوسو چوزے اور دوسو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے۔نان پز رات دن نان سمید اور میٹھا پکانے میں مشغول رہتے تھے۔آبدار خانہ میں ہر وقت برف کے انتظام رہتا تھا۔خدام صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہاتھوں میں تولیے اور آب خورے لیے موجود رہتے تھے جو ہر آنے جانے والے کو سکنجبین یا اور کوئی ہاضم چیز سے ملا ہوا پانی پلاتے تھے۔(کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲) تقریبات کے موقع پر رات دن میں پانچ سو من برف صرف ہوتی تھی۔(کتاب الوزراء اصابی ص ۳۵۲) عباسی عہد کے ایک شاعر عمانی نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن سلیمان بن علی عباسی کے دستر خوان کے کھانوں کے تنوع کو نظم کیا ہے۔

جاؤا بفرنی لهم — بات یسقی خالص
ملبسون — الستمون
مصومع اکوم ذی — قد خشیت بالسکر
غضون — المطحون
ولونوا ماشئت من — من بدر الطعام
تلوین — والسخین
ومن شه اسیف ومن — ومن هلام ومصیص
طردین — جون
ومن اوز فائق سمین — ومن وجاج فت
بالعجین
فالشحم فی الطهور — واتبعوا ذلک
والبطون — بالجوزین
وبالجنیص الوطب — وفکهر العنب و تین
واللوزین
والوطب والاذاذ والهیرون

(ضحی الاسلام ج ا ص ۱۳۲)

دسترخوان کی آرائش' کھانے کے آداب اور طریقے: اونچے طبقے میں دعوت اور تقریبات کے موقع پر تمام ظروف طلائی اور نقرئی ہوتے تھے۔ صابی نے ابن فرات کی ایک محفل سرود کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بڑے قیمتی طلائی اور نقرئی ظروف تھے۔ (ورزاء صابی ص ۱۹۲) کھانے سے پہلے حاضرین کی فواکہات سے تواضع کی جاتی تھی اور سب کے سامنے میوہ جات کا ایک ایک طبق پیش کیا جاتا تھا۔ درمیان میں ایک کشتی میں علیحدہ میوے بھر کر رکھ دیئے جاتے تھے۔ ہر طبق کے ساتھ میوہ کاٹنے کی چھری اور چھلکے اور گٹھلی رکھنے کے لیے شیشہ کی تشتری ہوتی تھی۔ میوہ خوری کے بعد دسترخوان بچھتا تھا اور سرپوش سے ڈھکے ہوئے کھانوں کے خوان آتے۔ ان پر دیبا کے خوان پوش پڑے ہوتے تھے اور ان کے نیچے چمڑا بچھا ہوتا تھا اور ہاتھ منہ صاف کرنے کے لیے رومال اور تولیے رکھے ہوتے تھے۔ کھانے کی قسمیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی تھیں اور اس کا سلسلہ دو گھنٹہ تک جاری رہتا۔ کھانے کے دوران میں میزبان لطف و مدارات کی باتیں کرتا رہتا۔ دسترخوان

اٹھنے کے بعد آبدار خانہ میں جو کھانے کے کمرے کے متصل ہوتا تھا۔ ہاتھ منہ دھویا جاتا' خدام پانی ڈالتے اور دستی تولیہ سے پانی پونچھنے کے بعد عرق گلاب کے شیشے پیش کیے جاتے جو ہاتھ اور منہ پر ملا جاتا تھا۔ (وزرا صابی ص ۲۶۰)

نبیذ نوشی کے تکلفات: بنی عباس کے زمانہ میں نبیذ نوشی کا عام رواج تھا۔ اس موقع پر ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے۔ عربی میں ''شراب'' مطلق پینے کی چیز کو کہتے ہیں' چنانچہ شربت کے لیے بھی شراب ہی کا لفظ ہے۔ اسی طریقہ سے شراب مطلق پینے کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ آب زمزم ہی کیوں نہ ہو۔ اردو کی شراب کے لیے عربی میں خمر کا لفظ ہے' لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہیں ان کو شراب یا شرب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکہ ہوتا ہے جو نہیں ہے اور دھوکہ اچھے اچھوں کو ہو جاتا ہے اور وہ نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہیں۔ بعض عباسی خلفاء کے علاوہ جن کی بادہ نوشی مسلم ہے۔ باقی اکثر خلفاء بلکہ تقریباً کل اس ام الخبائث سے محترز رہے' البتہ نبیذ کی بعض ہلکی قسمیں جو نشہ آور نہ تھیں۔ بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں۔ جن کو قریب قریب سب خلفاء اور امراء بڑے اہتمام سے پیتے تھے۔ نبیذ کے جام و مینا و ساغر' جملہ سامان طلائی اور بلور کے ہوتے تھے۔ جس کا تذکرہ بکثرت تاریخوں میں ہے۔ موفق جب پینے کے لیے بیٹھتا تو پہلے ہاتھ دھونے کے لیے تسلہ اور سونے کی کشتی میں بلور کے جام و مینا لگا کر پیش کیے جاتے۔ (طبقات الاطباء ج ۱' ص ۲۰۲)

خلفاء اور امراء نے نبیذ نوشی کی محفلوں کی زیب و زینت میں بڑے تفنن پیدا کیے۔ بعض محفلوں کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ جس سے ان کی نفاست و لطافت اور تکلفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابوجعفر بن حمدون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ راضی باللہ نے ایک مقام کو فرش و فروش سے آراستہ اور گلاب و نیلوفر کے پھولوں سے سجانے کا حکم دیا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ محفل کی آراستگی کے بعد راضی آیا اور پھولوں کے انبار دیکھ کر بولا خالی پھول اچھے نہیں معلوم ہوتے اور ان پر کافور چھڑکنے کا حکم دیا۔ خدام نے

فوراً طلائی سینیوں میں بھر بھر کر کافور کا سفوف چھڑکنا شروع کر دیا اور اتنا چھڑکا کہ کافور کی سپیدی سے پھولوں کی رنگت دب گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئی دھنک دی گئی ہے یا کسی باغ پر برف باری ہوئی ہے۔ اندازاً ایک ہزار مثقال کافور چھڑکا گیا تھا۔ محفل برخاست ہونے کے بعد راضی نے کافور لوٹنے کا حکم دیا۔ اس پر خدام نے کافور کے انبار جمع کر لیے۔ (نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ محفل شراب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہیے۔ اس کی اس طرح تعمیل کی گئی کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں زرد دیبا کے پردے آویزاں کیے گئے اور اسی کا فرش بچھایا گیا۔ حوض کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں۔ ان کے پانی میں زعفران گھولا گیا اور متوکل کے سامنے زرد شنبو (ایک قسم کی خوشبو) لیموں اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی میں لگا کر پیش کی گئی۔ اس مجلس میں جو لونڈیاں شریک تھیں، ان کا لباس زرد کتان کا تھا۔ اس اہتمام میں کئی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں۔

ایک مرتبہ عباسی وزیر مہلبی نے بھی اسی قسم کی ایک بزم طرب کی آراستگی میں تین دن کے اندر ایک ہزار دینار کے گلاب کے پھول اور عرق گلاب صرف کیا۔ عرق گلاب حوض میں بھرا جاتا تھا اور فواروں سے چھوٹتا تھا۔ ابوعبداللہ بریدی والی بصرہ نے ایک مرتبہ اسی قسم کی ایک بزم نشاط کی ترتیب میں مذ (ایک قسم کی خوشبو) اور کافور پر بیس ہزار درہم صرف کیے۔ (نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴، ۱۴۵) لباس اونچے تمدن اور بلند معاشرت کا ایک مظہر لباس کا حسن اور اس کی نفاست بھی ہے۔ اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش لباس تھے اور ان کی وضع قطع اور تراش وخراش دوسروں کے لیے معیاری سمجھی جاتی تھی۔ بغداد ریشمی اور سوتی پارچہ بافی کی صنعت وتجارت کا بڑا مرکز تھا۔ اس کے ایک محلّہ عتابیہ میں مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے، جو محلّہ کے نام کی نسبت سے عتابی کہلاتے تھے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۱۲۶)

ریشمی کپڑوں کی صنعت اور تجارت اتنی وسیع پیمانہ پر تھی اور اس کے ٹیکس کی آمدنی اتنی تھی کہ حکومت میں اس کا مستقل محکمہ قائم تھا اور کارخانوں میں جس قدر تھان تیار ہوتے تھے ان پر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی۔ (کتاب الوزراء ص ۲۶۸) اس کے علاوہ مختلف ممالک کے بہترین کپڑے بغداد آتے تھے۔ ابوالطیب محمد اسحاق المعروف بہ وشاء بغدادی نے خوش لباس طبقہ کے لباس اور کپڑوں کی تفصیل لکھی ہے لیکن ان میں سے بہت سے کپڑوں اور لباس کے نام ایرانی ہیں جو موجودہ کتب لغت میں نہیں ملتے اور بعض کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ تاہم ان سے لباس اور وضع قطع وغیرہ کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے۔ وشاء کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خوش لباس عموماً باریک کپڑے کے چھوٹے کرتے قہستان کے کپڑے کی بنیان درجرد اور اسکندریہ کے زیرپوش دیبق اور جنابہ کے اعلیٰ درجہ کے نرم اور خوش رنگ کتان کی قمیص نیشاپور کے ملحم (ایک قسم کا کپڑا) دیبق کے ایک رنگے اور طونس کی طیلسان (چادریں) عدن کی دلائیاں کوفی خز اور سوس کی حاشیہ دار چادریں نیشاپور کے دھاری دار اک رنگے بنی سعد کی چھینٹ کوفی خز کے جبے دھوپ چھاؤں کی کتان اور دوسرے ایرانی لباس استعمال کرتے تھے۔

زیادہ شوخ اور بھڑکیلے رنگ مثلاً زعفران یا دوسرے شوخ رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑے عورتوں لونڈیوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ مردوں میں ان کا استعمال معیوب تھا۔ البتہ فصد لینے (کتاب المواشی ص ۱۲۴) (وہ چھوٹا ریشمی رومال جو عورتیں سر اور پیشانی پر باندھتی تھیں۔ یہ آج بھی عرب عورتوں میں رائج ہے) علاج کے موقعہ پر بادہ نوشی کی محفلوں اور خلوت کی صحبتوں میں مشک میں رنگے ہوئے کرتوں عنبر میں رنگی ہوئی قمیض رنگین چادروں زعفرانی ازار کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا۔ اس قسم کے لباس لطف ونشاط کی مجلسوں اور صحبتوں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ انہیں پہن کر گھر سے باہر نکلنا معیوب تھا۔ کپڑوں میں تناسب کا لحاظ

ضروری تھا۔ بے جوڑ کپڑے مثلاً ایک میلے کپڑے کے ساتھ دوسرا دھلا ہوا یا دھلے ہوئے کے ساتھ نیا کپڑا یا دیبا کے ساتھ مردی (ایک معمولی کپڑا) کا استعمال معیوب تھا۔عمدہ لباس وہی سمجھا جاتا تھا' جو متناسب ہو۔ (کتاب الموشی ص ۱۲۶ جن لباسوں کے معنی لغت میں نہ مل سکے' ان کو چھوڑ دیا گیا ہے)

مردوں کا لباس عام چھوٹا کرتا' لمبی قمیص' جبہ' موزہ اور عمامہ تھا۔خواص زیادہ تر ایرانی لباس پہنتے تھے' جس کو منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا۔ایرانیوں کی تقلید میں اونچی ٹوپیوں کا زیادہ رواج تھا۔قاضیوں کی ٹوپیاں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھی۔خلفاء ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے تھے۔فقہاء و قضاۃ اعراب' حکام اور عوام سب کا لباس جدا جدا تھا۔سرکاری لباس سیاہ تھا اور خلفاء کے دربار میں حضوری کے لیے سیاہ لباس ضروری تھا۔عورتیں دخانی کپڑے کے کرتے' رشیدی چادریں' چھوٹی بوٹی کی دھوپ چھاؤں' طبری چادریں' نگین کتان' حریر' نیشاپوری مقنع' خراسانی کتان کے ازار' گریبان اور گلوبند (جربات المخانقیہ) سپید ڈھیلے پاجامے' سربند استعمال کرتی تھیں۔سپید رنگ کے کپڑوں کا استعمال سہاگنوں میں ناپسندیدہ تھا اور وہ بیواؤں اور مطلقہ کا لباس سمجھا جاتا تھا۔سہاگن عورتیں رنگین لباس استعمال کرتیں تھیں۔سرخ اور زرد' سبز سیاہ' گلابی اور سرخ رنگ کے رنگے ہوئے کپڑے زیادہ تر ادنیٰ درجے کی قبطی عورتیں اور مغنیہ استعمال کرتی تھیں اور یہ رنگ معزز خواتین میں معیوب تھے' لیکن جن کپڑوں کا اصلی رنگ یہی ہوتا ان کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا' مثلاً رنگین لاذیا حریر اور خز وغیرہ۔
(کتاب الموشی ص ۱۲۵' ۱۲۶)

عیسائی عورتوں کے اثر سے مسلمان عورتوں میں زنار یعنی کردھنی یا کمر بند باندھنے کی ریشمی پٹیاں بھی رائج ہوگئی تھیں' جو ہلکے رنگ کی سادہ اور منقش دونوں ہوتی تھیں۔تاج نما ٹوپیاں بھی استعمال کرتی تھیں' جن میں موتی اور نگینے وغیرہ جڑے ہوتے تھے اور پیشانی پر ریشم اور کلابتو کے کام کی پٹیاں باندھتی تھیں۔(طبقات الاطباء

ج ۱ ص ۱۴۱) (نشوار المحاضرہ ص ۱۴۴)

عطریات اور خوشبوئیں: عطریات اور خوشبوؤں سے بڑا ذوق تھا۔ شوقین مزاج مشک اور گلاب کا محلول، لونگ کے پانی میں بھگویا ہوا عنبر آمیز عود، سلطانی (ایک قسم کی خوشبو) بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔ مشک و زعفران آمیز بریان کافور کا بخور جلاتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کی خوشبوئیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ ان سے مرد پرہیز کرتے تھے۔ (کتاب الموشی ص ۱۲۵، ۱۲۶)

مکان کی فضا معطر کرنے کے لیے، کھڑکیوں، روشن دانوں اور طاقچوں وغیرہ میں مختلف قسم کے خوشبو دار پھل پھول، کافور صندل، گلاب، لخلخہ، خلوق اور مذ وغیرہ خوشبو دار چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ جس سے سارا مکان مہک اٹھتا تھا۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۱)

جب خلفاء باغ میں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے تو کھاد کی بو دور کرنے کے لیے درختوں کی جڑوں میں مشک چھڑک دیا جاتا تھا۔ (نشوار المحاضرہ ص ۱۴۴)

خلیفہ مقتدر کی ماں کے لیے ریشم کی جوتیاں بنتی تھیں اور ان کی تہ میں مشک وغیرہ پیس کر جمایا جاتا تھا۔ دس دن سے زیادہ ایک جوتی استعمال نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد ملازمین مشک وغیرہ نکال لیتے تھے۔ (نشوار المحاضرہ ص ۱۴۳) انتہاء یہ ہے کہ بیت الخلاء تک میں خوشبو کا انتظام رہتا تھا۔ ہارونی دور کے ایک مشہور اور نابینا عالم ابو معاویہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون حج کے لیے مکہ آیا۔ میں اس سے ملنے گیا تو مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہارون نے شہزادہ مامون اور امین سے کہا کہ اپنے چچا کو بیت الخلا پہنچا دو۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیا۔ یہاں نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ (تاریخ خطیب ج ۵، ص ۲۴۳) اس واقعہ سے جہاں ہارون کے تعیش کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں اس کی علماء نوازی اور قدر دانی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ذوق شعری: ان کے ذوق شعری اور جذبات لطیفہ کے مظاہر ان کے مختلف

سامانوں میں نظر آتے تھے' چنانچہ کپڑوں' قمیض کے دامنوں' چادر کے حاشیوں' آستینوں' عورتوں کے پیشانی بندطرے کی پٹیوں کرد ھیوں' جوتوں' موزوں' رومالوں' فرش وفروش' تکیوں' پردوں' نشست کے چبوتروں' جلسہ گاہوں' مقصوروں' قبوں' گدوں' پیالوں' پیانوں' سونے چاندی کے برتنوں' آلات موسیقی اور دوسرے مختلف سامانوں پر ان کے مناسب نہایت موزوں اشعار تحریر ہوتے تھے۔ خصوصاً عورتوں اور لونڈیوں کے لباس اور زیب و زینت کے سامانوں پر نہایت عمدہ عاشقانہ اشعار لکھتے تھے۔ لونڈیوں کے رخساروں اور پیشانیوں پر مشک زعفران اور سنہرے رنگ سے نہایت دلکش اشعار لکھے جاتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے کتاب الموشی میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے اور اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

تقریبات کی اولو العزمیاں: تقریبات میں اس اولوالعزمی اور حوصلہ سے کام لیتے تھے کہ اسراف کی حد سے بھی بڑھ جاتا تھا۔ وزیر دولت حسن بن سہل کی لڑکی کی شادی مامون سے جس شان وشوکت کے ساتھ ہوئی' وہ تاریخ میں یادگار ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس تقریب میں حسن نے جس حوصلہ سے مدارات کی اور لطف و تفریح کے جو سامان مہیا کیے' اس کی مثال زمانہ گذشتہ میں نہیں ملتی۔ ہاشمی امراء افسران' فوج' کاتبوں اور دوسرے بڑے عہدہ داروں میں مشک کی گولیاں لٹائی گئی۔ ہر گولی میں کاغذ کا پرزہ لپٹا ہوا تھا' جس میں زمین' جائیداد' لونڈی' غلام' گھوڑے اور مختلف چیزیں لکھی ہوئی تھیں۔ جس کے ہاتھ میں جو گولی پڑتی تھی' اس میں جو کچھ تحریر ہوتا تھا' اسی وقت مل جاتا تھا۔ عام لوگوں میں روپے پیسے' مشک وغیرہ کے گولے لٹائے گئے۔ بارات میں بے شمار آدمی تھے۔ ان میں بڑے بڑے امراء اور افسروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ملازمین تک کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ شادی کے بعد مامون مع بارات کے ۱۹ دن سسرال میں رہا۔ حسن بن سہل نے اس پوری مدت میں بارات کی بڑی فیاضی سے مدارات کی۔ رخصتی کے وقت تمام امراء وعمائد کو علیحدہ علیحدہ انعامات

دیئے گئے۔ مامون کے لیے سنہرے کام کا فرش بچھایا گیا تھا۔ جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا۔ اس کے اوپر بڑے بڑے موتی نچھاور کیے گئے۔ شب عروسی کی روشنی میں چالیس موم بتیاں سونے کے لگنوں میں روشن کی گئی تھیں۔ (ابن خلکان ص ۱، ص ۹۳، ۹۴)

مقتدر کی ماں نے اپنے صغیر السن پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں بنوایا تھا۔ جس کے مکانات، کھیت، فصلیں، درخت، پھل، تالاب، نہریں، گائے، بیل، گھوڑے، اونٹ اور دوسرے مویشی وغیرہ وہ تمام چیزیں جو گاؤں میں ہوتی ہیں، چاندی کی تھیں۔ (البدایہ والنہایہ وابن کثیر ج ۱۱، ص ۱۷۰) اس تقریب میں مقتدر نے وزیر ابن فرات کو کھانے کے تین خوان بھیجے تھے۔ بڑا خوان پچاس بالشت کا تھا۔ اس کو کئی خادم اٹھائے ہوئے تھے۔ دو تھان کارچوبی کے، ایک تھان سبز اور تین سپید ریشمی کپڑوں کے اور ایک سونے کی سینی میں دینار سرخ کے بنے ہوئے بادام، اخروٹ، پستے اور دوسرے میوے تھے، جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی تھی۔ (کتاب الوزراء ص ۶۵) اس زمانہ میں سونے کے میووں اور پھلوں کے تحفہ کا عام رواج تھا۔ صاحب استطاعت خوش ذوق اشخاص اس قسم کی فیاضیاں کرتے تھے۔ بصرہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ بغداد کا ایک دلال بڑا مسرف تھا۔ ایک شب کو مجھے راستہ میں ملا۔ اس وقت وہ بغداد کی مشہور مغنیہ برعہ کے یہاں جا رہا تھا۔ مجھ کو اس کی آستین کے اندر کچھ بھرا ہوا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا خراسان کی مخلط (ایک قسم کی خوشبو) ہے، اس کو لے جا کر برعہ پر تصدق کروں گا۔ میں نے کہا تھوڑی سی مجھے بھی دے دو۔ اس نے تھوڑا سا نکال کر میری آستین میں ڈال دیا۔ میں بغیر دیکھے لیے ہوئے گھر چلا آیا۔ یہاں آ کر دیکھا تو سونے کے بادام، چاندی کی شکر، عنبر کے پستے اور مند کے منقی تھے۔ اس لیے دوسرے دن جا کر میں نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ اس نے کہا یہ واپس کرنے کی کون سی چیز ہے۔ میرے پاس جس قدر تھا، سب برعہ اور اس کی لونڈیوں میں تقسیم کر دیا۔ (نشوار المحاضرہ ص ۹۹)

مقتدر باللہ کا ایک دربار: قوموں اور حکومتوں کے دور زوال میں ان کے تمدنی تکلفات عہد عروج سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ یہی حال عباسی دور کا بھی تھا۔ گویا سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے ہارون الرشید کا زمانہ دولت عباسیہ کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے، لیکن دور زوال کے خلفاء کا ظاہری ٹھاٹھ اور زندگی کے تکلفات اس دور سے بھی زیادہ بڑھ گئے تھے اور اس کا سب سے بڑا نمونہ مقتدر باللہ (۲۹۵ تا ۳۲۰ھ) تھا۔ اس کی سیاسی قوت کا یہ حال تھا کہ اس کا پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گزرا۔ دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا اور تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونا پڑا، لیکن ظاہری شان و شکوہ اور تمدنی تکلفات میں اس نے ہارونی عہد کو بھی ماند کر دیا تھا۔ عباسی دور کے مشہور ادیب و کاتب ہلال بن محسن صابی نے کتاب الوزراء میں اس کی شان و شوکت کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں، مگر وہ بہت طویل ہیں۔ ایک دربار کا حال جو اس نے ۳۰۵ھ میں رومی سفیروں کی آمد کے سلسلہ میں منعقد کیا تھا۔ اکثر مورخوں نے تحریر کیا ہے۔ اس سے دربار کی شان و شوکت اور تمدنی تکلفات کا بھی اندازہ اس لیے مورخ خطیب کے بیان سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد میں بکثرت شاہی محلات تھے اور مقتدر کے زمانہ میں ان کی تعداد اور بڑھ گئی۔ اس دربار کے موقع پر ۲۳ محل آراستہ کیے گئے تھے اور ان کا کوئی گلی کوچہ اور بام و در زینت و آرائش سے خالی نہ تھا۔ فرش و فروش کی تعداد بائیس ہزار اور پردوں کی تعداد جو دروازوں اور دوسرے مقاموں پر آویزاں کیے گئے تھے، اڑتیس ہزار تھی۔ تمام پردے کارچوبی اور زرنگار تھے، جن پر مختلف حیوانات اور پرندوں کی تصویریں اور نقش و نگار کڑھے ہوئے تھے۔ محلوں کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلح فوجیں صف بستہ تھی اور خاص قصر خلافت کے دروازہ پر پانچ پانچ سو زرین پوش سوار تھے۔ جن کے گھوڑوں کی سان نقرئی و طلائی اور ان پر دیبا کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہر گھوڑے کی لگام ایک وردی پوش سائیس کے ہاتھ میں تھی۔ محلوں کے اندر بارہ ہزار غلام اور خدام شاہی زرق

برق وردیوں میں ملبوس زرین پٹکوں میں تلواریں لٹکائے جگہ جگہ متعین تھے۔قصر جوشن سے متعلق ایک باغ تھا۔اس میں ایک وسیع حوض تھا۔جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں۔اس حوض اور نہروں میں پارے کی قلعی تھی۔جس کی چمک سے پانی پر سیال چاندی کا دھوکہ ہوتا تھا۔حوض میں ساز وسامان سے آراستہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں، جن میں دیبا کے زرین گدے لگے اور ان پر ریشمی کپڑے پڑے ہوئے تھے۔باغ میں صرف کھجور کے پانچ سو درختوں کی مرتب قطاریں تھیں اور یہ سب درخت ایک قد کے تھے اور ان درختوں پر منقش ساج کی لکڑی منڈھی ہوئی تھی۔ایک عمارۃ دارالشجرہ کے نام سے موسوم تھی۔اس کے وسط میں ایک حوض تھا۔حوض میں ایک درخت نصب تھا، جس کی شاخیں سونے اور چاندی کی اور پھول پتے مختلف الالوان جواہرات کے تھے۔شاخوں پر سونے کی چڑیاں بیٹھی تھیں۔ان میں یہ صفت رکھی گئی تھی کہ شاخیں ہوا کی جنبش سے اصلی شاخوں کی طرح جھومتی تھیں اور چڑیاں ہوا بھرنے سے چہچہاتی تھیں۔اس سے متصل پندرہ نیزہ بردار سواروں کے بالمقابل مجسمے تھے جو مصنوعی طریقے سے اس طرح حرکت کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مقابل پر حملہ کر رہے ہیں۔

قصر فردوس آرائش وزیبائش کے لحاظ سے اسم بامسمّیٰ معلوم ہوتا تھا۔اس میں سونے کے دس ہزار جوشن، خود، زرہیں اور دوسرے اسلحہ آویزاں تھے۔اس کے سامنے دجلہ میں رنگ برنگ کی کشتیاں اور بجرے رواں تھے۔شاہی محل سے متعلق ایک جانور خانہ تھا۔اس کے وحشی چوپائے اس قدر پلے ہوئے تھے کہ قریب آ کر ہاتھوں سے روٹی اور چارہ لیتے تھے۔ایک سو درندے تھے، جن کی گردنوں میں زنجیریں پڑی تھیں۔ارا کین وعمائد سلطنت کے محلات اتنے آراستہ وپیراستہ تھے کہ ان پر قصر خلافت کا دھوکا ہوتا تھا، چنانچہ جب رومی سفیر حاجب دولت نصر القشوری کے محل میں پہنچا تو اس کی شان وشوکت دیکھ کر اس کو خلیفہ کا قصر سمجھا۔اس کے بعد وزیر ابن فرات کے محل کی عظمت و

شان اور زینت و آرائش دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ یہ ضرور خلیفہ کا محل ہو گا، مگر اسے یہ سن کر سخت حیرت ہوئی کہ خلیفہ کا نہیں بلکہ وزیر کا محل ہے۔

خود مقتدر دجلہ کے کنارہ قصر التاج میں تھا۔ اس کی زینت و آرائش حد توصیف سے خارج تھی۔ وہ آبنوس کے مرصع تخت پر بیٹھتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں جواہرات کے اٹھارہ ہار آویزاں تھے۔ یہ جواہرات بڑے گراں بہا اور سب ایک قد کے تھے۔ ان کی جوت سے رات کو دن کا عالم نظر آتا تھا۔ (خطیب نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ج ۱، ص ۱۰۲ تا ۱۰۴) خلفاء کی بیویوں کے تکلفات اور عیش و تنعم کے سامانوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہارون کی بیوی زبیدہ کے لیے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا۔ جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت دس لاکھ تھی۔ اسی طریقے سے مستعین کی ماں نے ایک فرش بنوایا تھا۔ اس میں سونے کے تاروں سے حیوانات اور طیور کی تصویریں گاڑھی تھیں اور ان کی آنکھوں میں یاقوت اور جواہرات جڑے تھے۔ اس کی قیمت کئی کروڑ روپے تھی۔ (المستطرف ج ۱، ص ۱۳۴)

اہل بغداد کی عام زندگی: بغداد نہایت دولت مند اور اسی کے ساتھ بڑا ارزاں شہر تھا۔ ایک غریب آدمی ایک پیسہ روز میں آسانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا۔ اس لیے فارغ البالی اور خوشحالی صرف طبقہ امراء کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق ہر طبقہ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرتا تھا اور پورا بغداد گہوارۂ عیش تھا۔ ابن ہلال کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر محلّہ باب المراتب سے سوار ہو کر نکلتا اور محلّہ شماسیہ میں معز الدولہ کے محل تک چلا جاتا۔ اس طویل مسافت میں مسلسل بازار، آباد محلے اور گھنے درختوں کی چھاؤں تھی۔ یہی حال مغربی سمت کا تھا۔ دجلہ کے ساحل دو رویہ عمارتیں، مرتب باغات اور چھوٹی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا اور کوئی گھر موسیقی کے ترانوں اور لطف و مسرت کے شادیانوں سے خالی نہ تھا۔ ابو الوفا بن عقیل کا

بیان ہے کہ ساحلی حصہ کی آبادی کے مکانوں کے سامنے دجلہ لہریں مارتا تھا۔ گھروں کے سامنے کی چھوٹی نہروں میں بطخیں خوش فعلیاں کرتی تھیں اور موسیقی کے ترانے دجلہ سے چلنے والی آبی چکیوں اور چرخیوں اور گھر کے لونڈی غلاموں کی آوازیں مل کر عجیب لطف پیدا کرتی تھیں۔ مجھے اکثر بجرے میں ان مکانوں کے سامنے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ باب الطاق سے لے کر باب المراتب تک ہر مکان میں موسیقی کے نغمے گونجا کرتے تھے۔ ساحلی مکانات میں ہر مکان کے سامنے صاحب خانہ کے خوبصورت بجرے تیرا کرتے تھے اور خشکی کے رخ کے دروازوں پر سامان سے آراستہ سواری تیار رہتی تھی۔ ان کی پرلطف زندگی سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر دن کوئی تقریب ہے۔ اسی کے ساتھ ہر گھر میں قرات کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں اور خوش الحان قاری کرسیوں پر بیٹھ کر قرات کرتے تھے۔ (مناقب بغداد ص ۲۷)

عوام کی تفریحات اور دلچسپیاں جدا تھیں اور وہ خواص کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ ان میں کشتی، کشتی رانی اور تیراکی کا عام مذاق تھا اور وہ اس میں طرح طرح کے کمالات دکھاتے تھے، مثلاً تیراک ایک جلتی ہوئی انگیٹھی ہاتھ میں لے کر تیرتا تھا اور اس پر ہانڈی میں گوشت پکتا رہتا تھا اور اس وقت تک تیرتا رہتا تھا جب تک گوشت تیار نہ ہو جاتا۔ (خلاصہ تاریخ العراق ص ۱۰۱) عوام میں مضحکات اور مسخرے پن کا بڑا مذاق تھا اور ان کی مخصوص مجلسیں ہوتی تھیں۔ اس مذاق نے مسخروں کی ایک جماعت پیدا کر دی جو مضحکین کہلاتے تھے اور اپنے مضحکات سے عوام کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے تھے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں ابن ابی مریم معتصم کے عہد میں ابراہیم الخصی اور متوکل کے دور میں عباد المخنث مشہور مسخرے تھے۔ ان کے واقعات آغانی میں مذکور ہیں۔

آداب و تہذیب: تہذیب و تمدن محض مادی سروسامان اور تعیش و تنعم کے تکلفات کے نام نہیں۔ اس کی اصل روح اخلاق کی تہذیب و شائستگی ہے۔ اس اعتبار سے بھی

عباسی تہذیب نہایت بلند تھی۔اس کے خاص خاص آداب تھے۔جس کی پابندی ہر مہذب شخص کے لیے ضروری تھی اور یہ آداب محض رسمی تکلفات تک محدود نہ تھے' بلکہ اس میں اخلاقی عناصر بھی تھے۔اس تہذیب کا مرکز بغداد تھا اور اس کے لیے ''ظرف''،''ظرف'' اور ''ظریف'' کی اصطلاح تھی۔اس کے مفہوم میں تہذیب کے ظاہری آداب و معنوی خصوصیات سب داخل ہیں۔ابوالطیب محمد بن اسحاق المعروف بہ وشاء نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب الموشی لکھی ہے۔جس میں اس کے تمام اجزاء تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ان سب کو نقل کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔اس لیے آئندہ سطور میں اس کے ایک باب کا جس میں مہذب اور شائستہ انسانوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

شائستہ انسان مکارم اخلاق اور بڑائی کے حصول میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔پست اور ادنیٰ درجہ کی باتوں سے بچتے اور بلند اخلاق و پسندیدہ خصائل اختیار کرتے ہیں۔ذلیل باتوں کو ترک اور اونچی باتوں کو اختیار کرتے ہیں۔مہذب انسان کے لیے دوسرے کی بات میں دخل در معقولات کرنا' درمیان سے کسی کی بات کاٹنا' کسی کے بھید کی ٹوہ لگانا' پوشیدہ باتوں کے متعلق سوال کرنا معیوب ہے۔کسی دوسرے شخص کے سامنے اور مجمع میں ناک صاف کرنا' تھوکنا' جمائی لینا' ناک سڑکنا' ڈکار لینا' انگڑائی لینا' تالی بجانا' جسم کھجلانا' انگلیاں چٹخانا' ناک چھونا ناپسندیدہ افعال ہیں۔مہذب انسان کسی کی نگاہ کے سامنے بیت الخلاء نہیں جاتے اور نہ پیشاب کے لیے بیٹھتے ہیں۔اکڑو بیٹھنا' تیز چلنا' راستہ میں ادھر ادھر نگاہ ڈالنا معیوب ہے۔وہ گندے مقامات پر پاؤں کی گرد نہیں جھاڑتے' مجلس میں ایسی جگہ نہیں بیٹھتے جہاں سے اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو۔کسی دکان' مسجد اور سبیل کا پانی نہیں پیتے' نان بائی' ہریسہ فروش اور اس قسم کی دوسری دوکانوں میں نہیں جاتے' بازاری کھانے کی چیزیں نہیں استعمال کرتے۔شارع عام بازاروں اور مسجدوں میں نہیں کھاتے۔حماموں

میں لوگوں کی طرح نہیں نہاتے۔ کسی شائستہ انسان کے لیے پاجامہ کے بغیر ازار میں باہر نکلنا رومال یا ڈھیلا یا لٹکا ہوا ازار باندھنا' لین دین اور خرید و فروخت میں حجت کرنا' اہل حرفہ سے شرط پر مال لینا' کرایہ سے گدھے پر سوار ہونا' ادنیٰ درجہ کے آدمیوں سے اختلاط رکھنا' دوستوں کو برا کہنا' غیبت کرنا' کسی کا برائی سے ذکر کرنا' کسی کا راز فاش کرنا' بدعہدی اور وعدہ خلافی کرنا' دو آدمیوں میں فساد ڈلوانا' دوستوں میں لڑانا' حکام سے چغلی کھانا' کسی شخص کی جانب اشارہ بازی کرنا' کسی کی بے حرمتی کرنا' چوری کرنا' جھوٹ بولنا' شک و شبہ میں ڈالنے والی باتیں کرنا' فسق و فجور کا اعلان کرنا' فحش کلامی' دوست اور پڑوسی کی بے حرمتی کرنا سخت معیوب ہے۔

مہذب انسانوں کے لیے بدن کی صفائی طہارت' خوش لباسی اور عطر کا استعمال ضروری ہے۔ ان کا کپڑا پھٹا میلا' گریبان چاک' ناخن اور بال بڑے' جسم گندہ اور ہاتھ میلا نہ ہونا چاہیے۔ منہ' ناک اور آنکھ' تھوک' ناک اور کیچڑ سے صاف رہنا چاہیے' دوستوں کے ساتھ پابندی عہد' ایفائے وعدہ' وفاداری میں استواری' احباب کے ساتھ حسن سلوک' ان کی مدد' عام ملنے والوں سے کشادہ روئی' غیر حاضر احباب کی تلاش و جستجو' جسم اور مال سے اس کی مدد' بھائیوں کے بار کی تخفیف' پڑوسیوں کی حمایت' ان کی جانب سے مدافعت' بروں کی برائی سے عفو و درگزر' نیکوں کی بھلائی کی احسان شناسی' چھوٹوں سے خوش اخلاقی' بڑوں کی عزت و تکریم' تہذیب کی خصوصیات ہیں۔ تہذیب و شرافت محض لذت اندوزی' لطف و تفریح اور فخر و حسب کا نام نہیں بلکہ ادب و شرافت کے طریقوں پر چلنے کا نام ہے۔ بعض علماء نے لوگوں کو کھلانا پلانا' ان کی تکلیفیں دور کرنا' داد و دہش' خندہ جبینی' پاکدامنی' بری باتوں سے پرہیز' ادب و تہذیب' پاکیزگی اخلاق' نااہل کی صحبت سے دوری' بلند نظری' بلند حوصلگی' بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ احسان و سلوک' احسان کرنے والوں کے ساتھ حسن معاوضہ' اہل حاجت کی حاجت برآری' مزاج کی لینت و نرمی' جملہ امور میں لطف و مدارات' اعتدال و میانہ روی اور خوش خلقی کو

شرافت کے اوصاف قرار دیا ہے۔

مہذب انسان اپنے اغراض و مقاصد اور پیش نظر کاموں کا اظہار و اعلان نہیں کرتے' بلکہ ان کو مخفی رکھتے ہیں اور حسن تدبیر اور مہذب طریقوں سے ان کو حاصل کرتے ہیں اور مناسب موقع و محل پر استعمال کرتے ہیں اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ان کے ہدایا و تحائف جو وہ ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہیں۔بظاہر حقیر معلوم ہوتے ہیں' مثلاً سیب یا لیموں کا ایک دانہ' کوئی لطیف خوشبو' گلاب کی ایک شاخ' نرگس کا ایک پھول' شراب کا ایک رتل' عود کا ایک ٹکڑا اور اس قبیل کی چھوٹی چھوٹی مگر لطیف چیزیں' ان کا مرغوب اور پسندیدہ تحفہ ہیں۔یہ لوگ بڑے بڑے ہدیوں کے بجائے چھوٹے اور لطیف ہدیے زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ان کے خطوط اور تحریریں نہایت دلچسپ اور ان کے الفاظ دلفریب ہوتے ہیں۔تحریر کے عنوان کو پرلطف مثالوں اور نوادر و لطائف سے دلکش بناتے ہیں۔تحریر نہایت دل آویز' پرلطف' شکوہ و شکایت' حسن طلب اور سنجیدہ و مہذب مذاق پر مشتمل ہوتی ہے۔جس کے ذریعے دور کے لوگ قریب ہو جاتے ہیں اور مشکلات آسان معلوم ہوتی ہیں۔ان خطوط کو وہ بیش قیمت اور نفیس ریشمی رومالوں پر لکھتے ہیں اور اس کو مشک و عنبر اور زعفران سے معطر کرتے ہیں اور اس پر سنہری افشاں چھڑکتے ہیں۔
(کتاب الموشی ص ۱۵۷' و مابعد ملخصا)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہ﴾ تاریخ اسلام تمام ہوئی